اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ

(روم رکوع ۲)

۷۹

آئینہ حقیقت نما

جلد دوم

مصنفہ

مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی

باہتمام محمد جعفری

در ہمدرد پریس واقع کوچہ چیلان طبع یافت

قیمت عہ

...بار اول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

متعلق بہ جلد دوم

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا ' وَاغْفِرْ لَنَا ' وَارْحَمْنَا ' أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ

اللّٰھم صل علیٰ سیدنا و مولنا محمد و الہ و ازواجہ و اصحابہ اجمعین

امّا بعد

اس کتاب کی پہلی جلد کے شایع ہوتے ہی دوسری جلد کے لیے تقاضے شروع ہو گئے اور شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو جو پہلی جلد پڑھ کر دوسری جلد کے جلد شایع ہونے کا خواہاں نہوا ہو۔ میرے نام اور منیجر مکتبۂ عبرت کے نام اس خواہش کو ظاہر کرنیوالے خطوط اس کثرت سے آئے کہ اُن کی تعداد سیکڑوں سے گذر کر ہزاروں تک پہونچ چکی ہے۔ ملک کے نامی گرامی روزناموں۔ سہ روزہ و ہفت روزہ اخباروں

اور ماہانہ رسالوں نے پہلی جلد کے متعلق جو شاندار تقریظیں شایع کیں وہ بھی میری
توقع سے بہت بڑھ کر تھیں۔ ہندوستان کے عالی مقام اہل نظر اور مشاہیر علمانے
بھی پہلی جلد کو ملاحظہ فرما کر جو گرامی نامے مجکو لکھے اُنسے میری ہمت میں طاقت اور
حوصلہ میں رفعت پیدا ہوئی لہذا مجکو اقرار کرنا چاہیئے کہ میں نے خون جگر پینے آنکھوں
کا تیل نکالنے اور بہت سی راتوں کو دن بنانے کا کافی بلکہ امید و استحقاق سے زیادہ
معاوضہ پالیا۔ مجکو اس بات کا بھی یقین ہو گیا کہ جو کام میں نے شروع کیا ہے وہ ملک
وملت کے لیے مفید اور نفع رساں ہے اور یہ سب کچھ خدا تیعالی ہی کے رحم و کرم کا نتیجہ ہے

فالحمد للہ رب العالمین

دوسری جلد کی اشاعت میں اسقدر طویل و صبر آزما توقف کیوں ہوا؟ اسکے
جواب میں اپنی بے گناہی کی داستان سُنانے اور اہمال و توقف کا اصل سبب بتاتے
ہوئے شرم و حجاب مانع ہے آسانی اسی میں معلوم ہوتی ہے کہ مجرموں کی طرح عفو تقصیر
کی درخواست کروں اور خدا تیعالی پر بھروسہ کر کے اسباب کی توقع دلاؤں کہ تیسری
جلد کی اشاعت میں زیادہ توقف نہ ہوگا اور اسکے ساتھ ہی تاریخ ہند کی اشاعت کا
سلسلہ بھی انشاء اللہ تعالی شروع ہو جائے گا۔

اس دوسری جلد میں سلطان محمد تغلق کے حالات نے زیادہ جگہ لے لی ہے
اور کہا جا سکتا ہے کہ کتاب کی ترتیب اور مضامین کے توازن و تناسب میں سقم پیدا
ہو گیا ہے لیکن میں کسی غیبی تحریک سے مجبور اور سلطان ممدوح کے متعلق اس سے کم کلام
لکھے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ میں نے صفحات کتاب میں بھی بار بار اسکی معذرت
اور اپنی مجبوری ظاہر کی ہے ؎

دریں کتاب پریشاں نہ بینی از ترتیب — عجب مدار کہ چوں حال من پریشان ست
ہزار شکر کہ با یک جہاں پریشانی — چو تار طرۂ دلدار عنبر افشان ست

مجکو بیحد افسوس اس بات کا ہے کہ ضیائے برنی پر بہت کچھ گستاخانہ جرح و قدح
کرنی پڑی اور ایک مرحوم (سلطان محمد تغلق) کے لیے دوسرے مرحوم (ضیائے برنی)
کو میں نے آزردہ کیا۔ لیکن احقاق حق کے سبب مجبورًا فاش گفتاری سے کام لینا پڑا
میں ضیائے برنی کو اپنا محسن سمجھتا اور اسکی کتاب تاریخ فیروز شاہی سے بہت کچھ بصائر

وفوائد حاصل کرنے کا اقرار کرتا ہوں۔ الٰہی ضیائے برنی کی روح پر رحمتیں نازل کر اور اسکے گناہوں کو معاف فرما۔ آمین یا رب العالمین۔ تاریخ فیروز شاہی ہندوستان کی تاریخوں میں بہت ہی بلند مرتبہ اور قابل قدر کتاب ہے اسکا صرف ایک حصہ جو سلطان محمد تغلق سے تعلق رکھتا ہے محل کلام اور پایۂ اعتبار سے ساقط ہے تاہم اس سے اسبات کا ثبوت ضرور بہم پہونچ جاتا ہے کہ آج کل گورے چٹی رنگت والے مورخین اپنے سفید جھوٹ کو سچ کا جامہ پہنانے میں جس طرح کمال رکھتے ہیں اس طرح ضیائے برنی دروغ بافی کے فن میں کامیاب نہ ہوسکا۔ ضیائے برنی سخت مخالفت اور ناراضی کے باوجود محمد تغلق کے خلاف جو کچھ لکھ سکا اس کا اندازہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ میں اس کتاب میں خود ضیائے برنی ہی کے بیان سے اسکی تردید کرسکا اور کسی دوسرے کو بطور گواہ پیش کرنے کی بہت ہی کم ضرورت پیش آئی گویا کہ ؎

روز جزا جو قاتل دلجو خطاب تھا میرا سوال ہی مرے خوں کا جواب تھا

کیا ضیائے برنی کے لیے یہ قابل فخر بات نہیں کہ اُسنے جب کسی نفرت یا عداوت کے جذبے سے متاثر ہوکر ایک خاص موقع پر جھوٹ یا فریب سے کام لینا چاہا تو نئی روشنی کے چالاک مورخین کی طرح کامیاب نہ ہوسکا بلکہ اسکی کتاب کا وہ خاص حصہ کتاب کے باقی حصوں سے الگ اور عجیب نظر آنے لگا۔

میں اس جلد دوم کی تصنیف و ترتیب کے زمانے میں بھی حسب عادت خدا تعالی سے مسلسل دعائیں مانگتا اور اپنے کام میں امداد الٰہی طلب کرتا رہا ہوں اسوقت بھی جبکہ کتاب شایع ہونے والی ہے خدا تعالی ہی سے مدد کا طالب ہوں کہ میری یہ کوشش مثمر ثمرات خیر ہو۔ آمین۔

الٰہی مجھکو۔ میرے والدین کو۔ میرے اعزہ واحباب اور اس کتاب کے پڑھنے والوں کو حسنات دارین عطا کر اللھم ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔

اکبر شاہ خان
نجیب آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ والہ واصحابہ اجمعین
برحمتک یا ارحم الراحمین

سُلطان غیاث الدّین تغلق

جیسا کہ چوتھے باب میں ذکر ہو چکا ہے سلطان غیاث الدین تغلق سراسر جائز اور بجا طور پر ہندوستان کے تخت سلطنت پر بیٹھا اور کہا جا سکتا ہے کہ حق بحقدار رسید۔ غیاث الدین تغلق کی قابلیت ملکداری کا اندازہ اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے تخت نشین ہونے کے بعد بہت جلد حدود سلطنت میں ہر جگہ امن و امان قائم ہوگیا اور سلطنت کی ہر تبدیلی پر صوبوں اور دور دراز کے شہروں میں جو ہل چل اور بدامنی پھیل جایا کرتی تھی اس کا صرف چند ہفتوں کے اندر کہیں نام و نشان بھی باقی نہ تھا۔ سلطان غیاث الدین تغلق نے خزانے کو بالکل خالی اور ملک کو سرکشی و بدامنی سے پر پایا تھا لیکن اس کی خداداد قابلیت نے جس قدر جلد ملک میں

امن و امان قائم کر دیا اُسی قدر جلد خزانہ بھی معمور ہو گیا اور کسی پر کسی قسم کا کوئی ظلم و ستم روا نہ رکھا گیا۔ سلطان تغلق کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ ہر کام میں اعتدال اور میانہ روی کو ملحوظ رکھتا اور رعایا کے آباد و خوش حال اور فارغ البال رکھنے میں بجید ساعی رہتا تھا ہندوؤں نے مسلمانوں کے احسان عظیم اور نوازشہائے بے پایاں کے معاوضے میں اپنی احسان فراموشی اور محسن کشی کا جو ثبوت پیش کیا تھا وہ چوتھے باب کے آخری حصّے میں بالتفصیل بیان ہو چکا ہے لہٰذا سلطان غیاث الدین تغلق اگر ہندوؤں پر ظلم و تشدد روا رکھتا اور اُن کے درپے تخریب ہوتا تو کوئی موقع شکایت کا نہ تھا لیکن سلطان ممدوح نے ہندوؤں پر کسی قسم کا کوئی ظلم و ستم قطعاً نہیں کیا۔ خسرو خاں نمک حرام کی خطا کو اس کی ذات تک محدود رکھ کر اُس کی قوم پرداز کو بھی جو غالباً راجپوتوں کی قوم پنوار یا پرمار ہے کسی قسم کا نقصان نہیں پہونچایا۔ عام ہندوؤں کو ہندو ہونے کی وجہ سے تو بھلا کیوں نقصان پہونچاتا ابھی تک زراعت پیشہ لوگ تقریباً سب ہندو تھے۔ ہر ایک گاؤں کا مقدم یا نمبردار بھی ہندو ہوتا تھا۔ کئی کئی گاؤں کے ذیلدار جو فوطہ دار کہلاتے تھے اور اپنے حلقے کے دیہات کا زر مالگذاری فراہم کر کے خزانہ شاہی یا خزانہ امارت میں داخل کرتے تھے وہ بھی سب ہندو ہی ہوتے تھے۔ ان فوطہ داروں کو وزیر اعظم کے دربار میں حاضر ہو کر عرض معروض کرنے کا حق حاصل تھا اور کبھی کبھی کسی امیر کے توسط سے دربار شاہی میں بھی اُن کو باریاب ہونے کا موقع مل جاتا تھا۔ پادشاہ جبکہ دار السلطنت سے باہر دورہ پر ہوتا تو ہر ایک نمبردار اور فوطہ دار بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور سب کچھ عرض کر سکتا تھا۔ چونکہ فوطہ دار کی رسائی دربار شاہی تک تھی اس لیے اُس کو سر پر پگڑی اور کمر سے پٹکا باندھنا پڑتا تھا۔ کمر کے پٹکے کو چونکہ فوطہ یا فوتہ کہتے ہیں اسی لیے ذیلداروں کو فوطہ دار کہا جاتا تھا۔ کئی کئی فوطہ داروں کے علاقے ملا کر پرگنے اور عملے کہلاتے تھے ان پرگنوں یا عملوں کا تعلق اگر براہ راست دفتر وزارت سے ہوتا تو افسر شاہی اہل کار عامل یا شقہ دار وغیرہ ناموں سے مامور و منصوب ہوتے اور اگر یہ پرگنے کسی شخص کی جاگیر ہوتے تو وہ جاگیردار امیر یا مقطع کہلاتا تھا۔ عاملوں اور شقداروں میں بھی اکثر ہندو ہوتے تھے اس پرگنے کے مرکزی مقام میں ایک مسلمان قاضی جو شاہی نوکر ہوتا انفصال خصومات اور مسلمانوں پر حدود شرعیہ جاری کرنے کے لیے رہتا تھا۔

لیکن جہاں مسلمانوں کی آبادی نہ تھی وہاں قاضی کی ضرورت نہ تھی۔ امارتیں اکثر مسلمانوں کو دیجاتی تھیں یہی امیر بادشاہ کے فوجی افسر تھے۔ اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق کے متعلق اس بات کا اندازہ کرنا کہ اس کا برتاؤ ہندوؤں کے ساتھ کیسا تھا بہت آسان ہوجاتا ہے۔

سلطان تغلق نے قاعدہ مقرر کردیا تھا کہ ہر فوطہ دار جس قدر زمین خود کاشت کرے اس پر کوئی لگان سرکاری عائد نہ کیا جائے۔ کاشتکار کے معاملات بلا توسط مقدم اور مقدم کے معاملات بلا توسط فوطہ دار سطے نہیں کیے جاتے تھے مقدموں اور فوطہ داروں کو اس قسم کے حقوق و اختیارات حاصل تھے کہ ہر ایک مقدم اپنے گاؤں میں اور ہر فوطہ دار اپنے حلقے میں بادشاہت کرتے اور نہایت خوش حالی وفارغ البالی کے ساتھ رہتے تھے۔ سلطان اپنے امیروں کو بھی ہمیشہ یہی نصیحت کرتا رہتا تھا کہ اپنی جاگیروں میں زیادہ ستانی ہرگز نہ کرو بلکہ اپنے واجبی حق میں سے بھی کچھ چھوڑ دیا کرو۔ اسی طرح وہ سپاہیوں کے حقوق اور تنخواہوں میں بھی کسی کمی کا روادار نہ تھا۔ ایک مرتبہ اس نے اپنے امیروں اور سپہ سالاروں کو مخاطب کرکے کہا۔

"از اقطاعات خود طمعہائے اندک بکنید و ازاں اندک چیزے برکنان خود مسلم دارید و از مواجب حشم دانگ و درم طمع ندارید اگر ازاں خود چیزے حشم را بدہید دیا ندہید آں بدست شماست فاما آں مقدار کہ بنام حشم مجری شود و ازاں چیزے شما توقع کنید نام امیرے و ملکے شمارا بر زبان نباید راند وامیرے کہ از مواجب چاکر چیزے بخورد خاک خورد بہتر ازاں باشد"۔ (ضیائے برنی)

سلطان غیاث الدین تغلق اپنی رعایا میں ہندو اور مسلمان دونوں کو خوشحال اور فارغ البال دیکھنے کا بجد خواہشمند تھا۔ ضیاء الدین برنی کے الفاظ یہ ہیں:۔

"و عجب نیکخواہئ عام کہ در ذات سلطان تغلق شاہ مجبول بودہ است کہ ہم اہل مملکت خود را آسودہ و غنی خواستے و محتاج و بینوا نتوانستے دید و دراں کوشیدے کہ رعایا و لشکرے و کل طوائف دیگر ہمیشہ در فراغ باشند و با راحت زیند و ایں عادت قدیم و عادت خوب سلطان تغلق شاہ بودہ است کہ رعایائے ولایت او و ملک او مسلمان و ہندو بکارے و کسبے و زراعتے و حراستے کنند کہ ازاں کار و کسب آسودہ شوند

در قسم مطالبات واز احتیاج سوال وبیچارگی ودرماندگی مضطر نشوند........ دیوانی آسان گیر تر از سلطان تغلق شاہ ہیچ پادشاہے در دہلی نبودہ است........ وسلطان تغلق شاہ در قسم رعیت پروری گوئے سبقت از رعیت پروران سلف وخلف ربودہ بود"

ہندوؤں کی بغاوتیں

جیسا کہ چوتھے باب میں بیان ہو چکا ہے ورنگل کے راجہ لدر دیو (رُدّر دیو) نے ۷۰۹ھ کے آخر ۱۳۰۹ء کے شروع میں اطاعت وفرمانبرداری کا اقرار نامہ لکھ کر تین سو ہاتھی سات سو گھوڑے بطور نذرانہ پیش کیے اور خراج سالانہ قبول کرکے اس کی ادائگی کا اقرار کیا تھا۔ ۱۳۱۰ء میں اسلامی حکومت راس کماری تک تمام حدود ہندوستان پر مسلم ومستحکم ہو چکی تھی ۷۱۷ھ میں لدر دیو (رُدّر دیو) والی ورنگل کی عرضی دربار دہلی میں پہنچی کہ اپنا تین سال کا خراج اگر حکم ہو تو دیوگیر بھجوادوں اس پر سلطان علاء الدین خلجی نے ایلچ پور کو دکن کا مستقر حکومت قرار دے کر وہاں اپنا ایک نائب السلطنت مقرر کرنا ضروری سمجھا۔ یہ تمام حالات باب چہارم میں بیان ہو چکے ہیں۔ سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے بعد خسرو نمک حرام کی وجہ سے ملک میں جو ابتری پھیل چکی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ردّر دیو دس گیارہ سال کی اطاعت وفرمانبرداری کے بعد سلطنت دہلی سے منحرف ہو گیا اور سلطان غیاث الدین تغلق کے تخت نشین ہونے کی خبر سُنکر بھی اُسنے خودسری اور بغاوت پر قائم رہ کر مخالفت کا علم بلند کیا۔ قطب الدین ایبک کے زمانے سے اس علاقہ میں جو بعد کو علاقہ جونپور کہلایا ہندوؤں کی ایک ریاست چلی آتی تھی جو ابتک ہمیشہ سلطنت اسلامیہ کی مطیع وفرمانبردار رہی تھی۔ اس ریاست کا دارالریاست مقام منجھور (متصل جونپور) تھا اس وقت تک جونپور آباد نہیں ہوا تھا۔ اس ریاست کا راجہ جے چند والی قنوج کے خاندان سے تھا۔ قطب الدین ایبک نے جے چند کے مقتول ہونے کے بعد اس کے وزیر اور رشتہ دار جیت سنگھ کو ۵۹۱ھ میں یہ ریاست عطا کردی تھی اسی وقت سے اس خاندان میں منجھور (منچ) کی حکومت چلی آتی تھی اسوقت جو راجہ موجود تھا اس کا نام سُکیت سنگھ تھا سکیت سنگھ نے خسرو خاں کے دہلی پر قابض ہونے کی خبر سنکر اردگرد کے علاقے کو بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا اور جب سلطان

غیاث الدین تغلق کے تخت نشین ہونے کی خبر سُنی تو علم بغاوت بلند کرکے اس نواح کے
ہزارہا مسلمانوں کو محض مسلمان ہونے کی وجہ سے قتل کر ڈالا اور سیکڑوں برس کے
اسلامی حقوق کو جو اس پر ثابت تھے فراموش کر دیا۔ سلطان تغلق نے ردر دیو اور سکیٹ سنگھ
دونوں کی بغاوتوں کا حال سُنکر ردر دیو کی تادیب کے لیے اپنے بڑے بیٹے الغ خاں
(محمد تغلق) کو دکن کی جانب اور چھوٹے بیٹے ظفر خاں کو سکیٹ سنگھ کی سزادہی کے لیے
مشرق کی جانب روانہ کیا۔ ظفر خاں ابھی سکیٹ سنگھ تک پہونچنے نہ پایا تھا کہ اس نواح
کے ایک بزرگ شیخ صدرالدین قریشی نے سکیٹ سنگھ کو مبارزہ کی جنگ کے لیے دعوت
دی اور یہ پیغام بھی بھیجا کہ ہم مباحثے اور مناظرے کے ذریعہ بھی تجھکو اسلام کی صداقت تسلیم
کرا سکتے ہیں۔ سکیٹ سنگھ اس چیلنج کو منظور کرکے شمشیر اور تقریر دونوں مقابلوں میں ہار گیا
اور اسلام کی صداقت کا قائل ہو کر اپنے کیے پر پشیمان ہوا۔ اتنے میں ظفر خاں بھی چھ ہزار کا
لشکر لیے ہوئے پہونچ گیا اور اس باغی راجہ کو جو ہزارہا بیگناہ مسلمانوں کا خون بہا چکا تھا
صرف اسی قدر سزا دی کہ اس علاقے سے بیدخل کرکے ضلع مرزاپور میں ایک جاگیر عطا
کردی اور قصبہ یامنج کا نام ظفر آباد رکھا۔ سکیٹ سنگھ کی اولاد میں جو شیخ ممدوح کے ذریعہ
اسلامی صداقت کو تسلیم کر چکا تھا آجتک ضلع مرزاپور کے خانزادے موجود ہیں۔ اس بغاوت
کا تو یہ انجام ہوا اب دکن کی بغاوت کا حال سنو۔

مہم دکن کی ناکامی

محمد تغلق دکن پہونچا۔ ردر دیو بھی غافل نہ تھا اُسنے اردگرد کے
راجاؤں کو اپنے ساتھ ملا کر بغاوت پر آمادہ کر لیا۔ جب اسلامی
لشکر پہونچا تو ردر دیو سے میدانی جنگ میں کچھ نہ ہو سکا آخر قلعہ ورنگل میں جہاں پہلے سے
کافی سامان رسد جمع کر لیا گیا تھا وہ سب راجاؤں کو بھی ہمراہ لیکر محصور ہو گیا۔ محمد تغلق نے
سختی سے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ قلعہ میں جنگجو ہندوؤں کی زبردست اور عظیم الشان فوج موجود تھی
روزانہ اندرونی و بیرونی فوجوں کی آویزش اور زد و خورد کا ہنگامہ برپا رہنے لگا۔ چند روزہ
کوشش سے ورنگل کے قلعہ کی بیرونی فصیل پر جو مٹی کی بنی ہوئی تھی اسلامی لشکر کا
قبضہ ہو گیا۔ ردر دیو نے یہ دیکھ کر کہ مسلمان اندرونی پختہ فصیل کو بھی ضرور فتح کر لیں گے
محمد تغلق کے پاس اپنے ماتحت راجاؤں اور بڑے بڑے زبان آور پنڈتوں کی ایک جماعت
بطور پیغام رساں بھیجی ان لوگوں نے ردر دیو کی طرف سے پیغام پہونچایا کہ ہم جس طرح

پہلے سلطنت دہلی کو باج وخراج ادا کرتا تھا اب بھی ادا کرونگا آپ خراج کا تعین فرما کر اور مجھ سے مصارف جنگ اور نذرانہ لیکر واپس چلے جائیں میں حسب سابق مطیع و فرمانبردار رہوں گا۔

"رائے ارنگل و مقدمان او بصلح پیش آمدند و بسیٹھاں با خدمتہا بخدمت سلطان محمد فرستادند و مال و پیل و جواہر و نفائس قبول میکردند و خواستند چنانکہ ملک نائب در عہد علائی مال و پیل و جواہر دادہ بودند و خراج قبول کردہ و بازگردانید ند سلطان محمد را ہم بدہند و بازگردانند" (ضیائے برنی)

محمد تغلق نے کہا کہ پہلے بھی سلطان علاؤالدین خلجی کے زمانے میں ورنگل کے قلعہ کو فتح نہیں کیا گیا تھا صرف اقرار اطاعت اور باج وخراج کا وعدہ لیکر لشکر اسلام واپس ہو گیا تھا۔ لہٰذا اب اس قلعہ کا فتح کر لینا ضروری ہے تاکہ پھر یہ خیال خام موجب بغاوت نہ ہو سکے کہ ورنگل کا قلعہ ناقابل فتح ہے۔ اس جواب کو سنکر ایلچی واپس چلے گئے مگر کوئی ایسی چھچھوندر چھوڑتے گئے کہ لشکر اسلام میں بغاوت کے شرارے بلند ہونے لگے۔ محمد تغلق کے لشکر میں جیسا کہ ضیاء برنی۔ فرشتہ۔ خواجہ نظام الدین احمد وغیرہ مورخین کے بیان سے ثابت ہے۔ اکثر امراء ایسے تھے جو خاندان خلجیہ کے عہد میں بھی برسر اقتدار رہتے اور سلطان غیاث الدین تغلق نے اُن کے عہدوں اور مرتبوں کو برقرار رکھا تھا۔ رودر دیو شروع سے برابر سلطنت خلجیہ کا مطیع و خراجگذار چلا آتا تھا۔ سلطان علاؤالدین خلجی نے ملک نائب (ملک کافور) کو حکم دیا تھا کہ رودر دیو کو اسیر و دستگیر یا قتل کرنا ہرگز ضروری نہیں ہے اگر وہ اپنے اوپر خراج قبول کر کے فرمانبردار رہنے کا اقرار کرے تو اس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور رودر دیو دولت خلجیہ کے فرمانبرداروں اور وفاداروں میں شامل رہا۔ اب جو سلطان تغلق سے باغی ہو کر محصور ہوا تو محاصرہ فوج میں خاندان خلجی کے وفادار سردار موجود تھے جو رودر دیو کے خواجہ تاش کہے جا سکتے تھے ان سرداروں پر ڈورے ڈالنے میں اسکو کامیابی حاصل ہوئی اور ان سیٹھوں اور ایلچیوں نے جو پیغام صلح لیکر آئے تھے مخالف جواب پاکر محمد تغلق کی فوج کے مذکورہ سرداروں سے جو کچھ کہنا تھا کہدیا چنانچہ ملک تیمور، ملک تگین، ملک کافور مہردار، ملک گل افغان وغیرہ اپنی اپنی جمعیت کو لیکر اور محمد تغلق سے جدا ہو کر چلدیئے جو تھوڑے سے آدمی محمد تغلق کے ساتھ

رہ گئے وہ بھی یہ رنگ دیکھ کر ہمت ہار گئے۔ محمد تغلق بھی مجبوراً محاصرہ اٹھا کر دیوگیر کی طرف چلا۔ رُدّر دیو نے اس مناسب موقع سے فائدہ اٹھانے میں تامل نہیں کیا فوراً اپنی پوری طاقت کے ساتھ قلعہ سے نکلکر محاصر فوج پر جو پہلے ہی محاصرہ چھوڑ کر جا رہی تھی حملہ آور ہوا محمد تغلق نے نہایت پریشان و خستہ حالت میں دیوگیر جا کر دم لیا۔ اُسکے وفادار جو راستے میں پریشان و آوارہ ہو گئے تھے دیوگیر میں آکر اُسکے پاس جمع ہو گئے۔ ضیائے برنی محمد تغلق کے فوجی سرداروں کا جدا ہونا اور لشکر اسلام میں خرابی کا پیدا ہونا ان الفاظ میں بیان کرتا ہے

"دو با جمعیتہائے خود از لشکر بیروں آمدند و از بیروں آمدن ایشاں در تمامی لشکر ہوئے افتاد و غوغا شد و در ہر خیلے شور و شغب پیدا آمد و پریشاں روئے نمود کہ یکے بدیگرے نمی پرداخت و ہندوان درونی راہمی می بایست کہ در لشکر حادثہ افتد و ایشاں از جان خلاص یابند و ہندوان از درون حصار ہجوم کردہ بیروں آمدند و بنگاہ را بتمامی غارت کردند و بر فتند و سلطان محمد با خاصان خود راہ دیوگیر گرفت و خلق لشکر دم ریز شد و ہر طرف افتاد"

ملک تیمور و ملک تگین وغیرہ سرداران علائی محمد تغلق سے جدا ہو کر اڑیسہ و بنگالہ کی طرف جانا چاہتے تھے کہ راستے میں گونڈوانہ کے ہندؤں نے جو رُدّر دیو کے ہمدرد و شریک بغاوت تھے اپنے ان محسنوں کا کام تمام کیا اور اس طرح ان سرداروں کو نمک حرامی کی سزا بہت جلد مل گئی ضیائے برنی کے الفاظ یہ ہیں۔

"و ملک تمر با چند سوار معدود سر جاں گرفت و خود را در ہندوانہ انداخت و ہمانجا نقل کرد و ملک تگین امیر او در را ہندواں کشتند"

فرشتہ کے بیان سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جب چاروں سردار لشکر کا بڑا حصہ لیکر محمد تغلق سے ہندؤں کے حسب منشاء جدا ہوئے تو ان کے ماتحت لشکر نے یہ دیکھکر کہ ہندؤں کی حمایت اور مسلمانوں کی مخالفت میں ہمسے کام لیا جاتا ہے اپنے ان سرداروں سے سرتابی اختیار کی اور اُن کو چھوڑ اپنے سپاہیوں سے بیان بچانی مشکل ہو گئی چنانچہ اپنی جان بچانے کے لیے ادھر اُدھر آوارہ ہوئے اور ہندؤں نے اس پریشانی کے عالم میں انکو اور اُن کے لشکر کو لوٹا اور اس طرح وہ خود برباد ہو کر ہندؤں کو اور زیادہ فائدہ نہیں پہنچا سکے فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں۔

"و آں چہار سردار کہ باہم اتفاق نمودہ از لشکر بر آمدہ بودند از ہم جدا افتادہ
حشم و خدم از ایشاں برگشت و اسباب و اسلحہ ایشاں بدست کفار افتاد
و ملک تیمور با چند کس درمیان زمینداران تلنگ رفتہ ہمانجا درگذشت"

فرشتہ کے بیان سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ ملک تیمور وغیرہ سرداروں کا ہندوؤں کے ساتھ پہلے سے کوئی سازشی تعلق ضرور تھا۔ رودر دیو کے معاونین میں گونڈوانہ، اڑیسہ اور جاجنگر (ہزاری باغ وچنار) کے راجہ بھی تھے خلجیہ خاندان کی بربادی کے بعد سرکشی و بغاوت کا علم بلند کرنے سے پہلے رودر دیو کا تلنگانہ و بنگالہ کے درمیانی راجاؤں کو خصوصیت سے اپنی سازش میں شریک کرنا بے معنی نہ تھا۔ بنگالہ میں ناصر الدین ابن بلبن حکمران تھا۔ اس بغاوت کی کامیابی کے لیے رودر دیو نے ناصر الدین کی خاندانی اہمیت سے فائدہ اٹھانا چاہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ باغی امیروں نے محمد تغلق سے جدا ہو کر بنگالہ کا رخ کیا بعض راستے ہی میں ختم ہو گئے اور بعض بنگالے کے ہندو اور مسلمان رئیسوں تک پہونچ کر ان کو اس بغاوت کی کامیابی کا یقین دلا سکے چنانچہ ابن بطوطہ صاف الفاظ میں لکھتا ہے کہ باغی لوگ محمد تغلق سے جدا ہو کر بنگالے کی طرف گئے تھے۔

سرداران لشکر کی بغاوت کے متعلق غلط فہمی

اس سلسلے میں ایک خاص بات بیان ہونے سے رہ گئی ہے وہ یہ کہ ضیائے برنی نے مذکورہ امیروں کے باغی ہونے کا ایک عجیب و غریب سبب بیان کیا اور اُسی کو بعد کے تمام مورخین نے آنکھیں بند کر کے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کر دیا ہے وہ یہ کہ عبید شاعر اور شیخزادہ دمشقی دو شخص تھے جو شہزادہ محمد تغلق کے مصاحبوں میں شامل تھے۔ ایک مہینے کوئی ڈاک دلی سے نہیں پہونچی تھی حالانکہ اس سے پہلے دوران محاصرہ میں ہر ہفتے دو مرتبہ دلی سے ڈاک پہونچتی رہتی تھی ہاں ڈاک کے نہ پہونچنے کا سبب تھا کہ راستے میں کسی جگہ ڈاک کا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا یعنی ڈاک کے ہرکارے دلی کی آمد و رفت مسدود کر دی گئی تھی اور وہ ڈاک لیکر لشکر تک نہیں پہونچ سکتے تھے۔ اس حالت سے فائدہ اٹھا کر عبید شاعر اور شیخزادہ دمشقی نے لشکر میں یہ غلط خبر مشہور کر دی کہ سلطان

غیاث الدین تغلق کا دہلی میں انتقال ہو گیا اور وہاں کوئی دوسرا شخص تخت نشین ہو چکا ہے
ساتھ ہی یہ دونوں شخص مذکورہ ہر چہار سرداروں کے پاس پہونچے اور کہا کہ آپ لوگ
چونکہ علاؤالدین خلجی کے زمانے کے سردار ہیں اس لیے محمد تغلق آپ کو قتل کرنے کی فکر
میں ہے اور اسنے ایک فہرست میں سب کے نام لکھ دیئے ہیں جنکو یک وقت قتل
کیا جائے گا آپ کو اپنی جان بچانی ہے تو بچا لیجئے۔ عبید شاعر اور شیخزادہ دمشقی کی یہ دونوں
تدبیریں کارگر ہوئیں اور وہ صورت جس کا اوپر ذکر ہوا وقوع میں آئی۔ ضیاء برنی عبید شاعر
اور شیخزادہ دمشقی کی نسبت یہ الفاظ استعمال کرتا ہے۔

عبید شاعر و شیخزادہ دمشقی کہ بس بدبخت و خبیث و فتان و مشطط بودند و بموضعے پیش
سلطان محمد دخل کردہ فتنہ انگیختند و آوازۂ دروغ درمیان لشکر درانداختند کہ سلطان
غیاث الدین تغلق در شہر نقل کرد و کارہائے ملک در دہلی گشت و غیرے بر تختگاہ دہلی
متمکن گشت و راہ الاغ و ڈاوہ بکلی منقطع شد و ہر کس سر خود گرفت و ہمیں عبید بدبخت
و شیخزادہ دمشقی کہ بس خبیث و فتنہ انگیز و حرام خور و کافر نعمت بودند مشططے دیگر
انگیختند و در پیش ملک تمر و ملک تگین و ملک کل افغان و ملک کافور مہردار گفتند
کہ سلطان محمد شما را کہ اکابر ملوک علائی اند و سران لشکرند مزاحم ملک و شریک میداند
و از بیگانگان بیگانہ تر می شمارد و در تذکرۂ کشتنیان نام شما نوشتہ است ہر چہار را در یک
روز بیک کرت خواہد گرفت و گردن خواہد زد۔

اس جگہ یہ خدشہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر عبید شاعر اور شیخزادہ دمشقی ایسے ہی خبیث
فتان۔ مشطط۔ فتنہ انگیز۔ حرامخوار کافر نعمت اور اپنی ان صفات میں شہرۂ آفاق
تھے تو ان نصف درجن صفات مذمومہ کے موصوفوں کو محمد تغلق نے اپنی مصاحبت
میں کیوں جگہ دی تھی اور اسکے باپ سلطان غیاث الدین تغلق نے بیٹے کی مصاحبت
میں ایسے لوگوں کو کیوں رہنے دیا تھا۔ اگر وہ پہلے سے ایسی شرارتوں اور نالائقیوں کے
عادی نہ تھے اور بھلے آدمی تھے اور شہزادہ کی مصاحبت کے اہل سمجھے گئے تھے تو انھوں
نے آخر کس لیے سلطنت اسلامیہ کو ایسا عظیم الشان نقصان پہونچانے کی کوشش کی
جس میں انکے لیے کسی فلاح و بہبود کی کوئی توقع نہ تھی اس خدشہ کا جواب آیندہ
صفحات یعنی محمد تغلق کے حالات میں آنے والا ہے جس سے ثابت ہو جائے گا کہ عبید شاعر

اور شہزادہ دمشقی کی کوئی خطا نہ تھی اور اُن کو خواہ مخواہ مجرم قرار دیا گیا تھا۔ آخر عبید شاعر اور ملک کافور مہردار گرفتار ہوکر دہلی آئے اور غیاث الدین تغلق نے عبید شاعر کو معمولی طور پر قتل کراکر ملک کافور مہردار کو ابن بطوطہ کی روایت کے موافق ہیبت انگیز طریقے سے قتل یعنی پیل مال کرایا۔

بابا رتن ہندی

مذکورہ تمام واقعات سلطان غیاث الدین تغلق کی تخت نشینی کے پہلے ہی سال وقوع پذیر ہوئے۔ اسی سال بابا رتن ہندی جنھوں نے افواہِ عام کے موافق بہت طویل عمر پائی اور جو خود تحقیق مذہب کے لیے ملک عرب میں گئے اور وہاں سے مسلمان ہوکر واپس آئے تھے اور عرصہ دراز سے تبلیغ اسلام میں مصروف تھے ۷۲۰ھ میں بمقام بھٹنڈہ فوت ہوئے اُنکے پاس آنحضرت صلعم کی ایک کنگھی تھی جو اُنکو سفر عرب میں کسی سے دستیاب ہوئی ہوگی۔ لوگوں نے غلطی سے یہ خیال کر لیا کہ اُن کو خود آنحضرت صلعم نے یہ کنگھی دی تھی اور وہ آنحضرت صلعم کے زمانے میں ملک عرب گئے اور یہ کنگھی لیکر آئے اور سات سو سال کی عمر پائی حالانکہ یہ غلط ہے [illegible] (ملخص از تذکار جنود الابرار) [illegible] من تذکار جنود الابرار [illegible]

دکن کی دوسری کامیاب مہم

سلطان غیاث الدین تغلق نے اسی سال ایک فوج دہلی سے محمد تغلق کے پاس دیوگیر بھیجی اور حکم دیا کہ دوبارہ ورنگل پر فوجکشی کرکے وہاں کے راجہ رودر دیو کے غرور کو توڑا جائے۔ فرشتہ کا بیان یہ ہے کہ محمد تغلق فوج کی بغاوت وسرکشی کے بعد ورنگل سے دیوگیر اور دیوگیر سے دہلی آیا اور دہلی سے فوج لیکر ورنگل پر دوبارہ حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوا لیکن ضیائے برنی کے بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محمد تغلق دیوگیر ہی میں مقیم رہا دہلی نہیں آیا دہلی سے کمکی فوج اور حکم سلطانی کے پہونچنے پر ورنگل کی جانب روانہ ہوا۔ محمد تغلق نے اول بیدر کے راجہ کو جو رودر دیو کے ساتھ بغاوت میں شریک اور اس کا ماتحت تھا سزا دینی مناسب سمجھی اور شہر بیدر کو آسانی فتح کر لیا اسکے بعد ورنگل پر حملہ آور ہوا۔ ورنگل کے راجہ نے جو پہلے سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ مقابلہ پر آمادہ تھا بے جگری سے مقابلہ کیا۔ لیکن محمد تغلق نے اُس کو شکست دیکر محصور ہونے پر مجبور کیا پھر قلعہ کا محاصرہ کرکے ورنگل کو فتح اور رودر دیو کو اسیر کر لیا۔ اسکے بعد بلا توقف گونڈوانہ اور [illegible]

کے راجاؤں کی سرکوبی کے لیئے جنھوں نے رودردیو کو مدد دی تھی روانہ ہوا۔ اس کے بعد سزا دہی سامانا غانا و ورنگل واپس آکر راجہ رودردیو۔ اسکے بیٹے کشنا اور اسکے نوکر کنّو کو معہ تحائف باپ کی خدمت میں ملک بیدار کے ہمراہ دہلی کی جانب روانہ کیا۔ تاریخ فیروزشاہی مصنفہ شمس سراج عفیف میں لکھا ہے کہ راجہ رودردیو دہلی پہونچنے سے پہلے راستہ ہی میں مرگیا تھا۔ ضیاء برنی کہتا ہے کہ رودردیو کو گرفتار کرکے دہلی کی جانب پہلے روانہ کردیا تھا اور گونڈوانہ کی فتح سے فارغ ہوکر ہاتھی اور تحائف بعد میں بھیجے تھے۔ ان فتوحات میں قریبًا ایک سال صرف ہوا۔ انھیں ایام میں مغلوں نے دریائے سندھ کو عبور کرکے پنجاب پر حملہ کیا مگر غیاث الدین تغلق کی فوج سے شکست کھاکر پسپا ہوئے اور مغلوں کے دو سرداروں کو سلطان دہلی کی فوج نے گرفتار کیا۔ ۷۲۲ھ کے شروع میں دکن سے ورنگل کے راجہ رودردیو کا بیٹا کشنا اور اس کا نوکر کنّو دہلی پہونچے اور اسی وقت پنجاب کی طرف سے مغلوں کے دونوں سردار گرفتار شدہ دہلی میں داخل ہوئے ؎

زیک سو بوئے گل وزیک طرف پیغام یار آمد
من آں دیوانہ ام کز ہر دو سوئے من بہار آمد

سلطان غیاث الدین تغلق نے تخت نشین ہوتے ہی دہلی کے متصل تغلق آباد کی تعمیر کا کام شروع کردیا تھا۔ یہ وہی تغلق آباد ہے جسکے قلعہ کو مشہور سیاح ابن بطوطہ نے دنیا کا سب سے زیادہ مضبوط و بے نظیر قلعہ بتایا ہے اور جس کی فصیل کے بعض حصے جو اب تک باقی ہیں سیاحانِ عالم کو دریائے حیرت میں غرق کردیتے ہیں۔ ان فتوحات کی خوشی میں سلطان غیاث الدین تغلق نے حصار تغلق آباد میں سکونت تبدیل کی اور امرا نے بھی اپنے مکانات وہیں تعمیر کرائے۔ محمد تغلق نے ورنگل میں قیام کرکے تلنگانہ کا انتظام کیا اور اس علاقے کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کرکے شقدار اور جاگیردار اپنی طرف سے مقرر کئے۔ رعایا کو کسی قسم کی زحمت و اذیت نہیں پہونچائی بلکہ ان ملکوں کی ہندو رعایا براہ راست اسلامی حکومت اور سلطانی انتظام میں آکر زیادہ آزاد اور خوش نظر آنے لگی۔

مہم بنگال

ملک بنگال کسی ایک حاکم کے ماتحت نہ تھا بلکہ چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم ہوکر بہت سے رئیسوں کے زیر حکومت تھا

لکھنوتی (متصل مالدہ) میں ناصر الدین ابن سلطان بلبن دربار دہلی کے ماتحت فرمانروائی کر رہا تھا۔ سنار گاؤں (ڈھاکہ) میں بہادر شاہ حاکم تھا۔ ان دو مسلمان حاکموں کے علاوہ بہت سے چھوٹے چھوٹے ہندو راجہ بنگال کے مختلف حصوں پر حاکم تھے سب کو سلطنت دہلی کی سیادت تسلیم اور اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار تھا۔ بنگال کے ہندو راجاؤں میں ترہت کا راجہ سب سے زیادہ طاقتور اور بڑا راجا سمجھا جاتا تھا۔ آج کل ترہت کا علاقہ صوبۂ بہار میں شامل ہے۔ ترہت کو آج کل غالباً دربھنگا کہا جاتا ہے۔ اڑیسہ و گونڈوانہ و جاجنگر (چنار و ہزاری باغ) کے راجاؤں کا اثر بنگال کے ہندو راجاؤں نے بھی قبول کیا اور وہ دہلی کے نئے سلطان کو اپنے آپ سے دور سمجھ کر خودمختاری کا دم بھرنے لگے ان ہندو راجاؤں بالخصوص ترہت کے راجہ نے ڈھاکہ کے حاکم بہادر شاہ کو بغاوت کی ترغیب دینے اور باغی بنانے میں کامیابی حاصل کی۔ ناصر الدین ابن بلبن حاکم لکھنوتی کو بھی ان باغیوں نے بہت اکسایا اور اس کو سلطنت دہلی کا حقدار قرار دے کر اپنی حمایت و اعانت کا یقین دلایا لیکن ناصر الدین اپنی فطری سلامت روی کے سبب نیز اپنے باپ غیاث الدین بلبن کی وصیت کو یاد کر کے کہ جو شخص تخت دہلی پر متمکن ہو اس کا کبھی مقابلہ نہ کرنا، بغاوت پر آمادہ نہ ہوا تاہم اپنے آپ کو ان باغیوں کا ہمسایہ دیکھ کر خاموش رہا اور ان کی کوئی مزاحمت نہ کر سکا۔ سلطان غیاث الدین تغلق کو جب بنگالے کی بغاوت و سرکشی کا حال معلوم ہوا تو اس نے ورنگل کی جانب ایلچی روانہ کیا اور ولیعہد سلطنت شہزادہ محمد تغلق کو لکھا کہ تم اس ملک کا انتظام امیروں کے سپرد کر کے فوراً دہلی کی جانب روانہ ہو جاؤ کیونکہ یہاں تمہاری سخت ضرورت ہے محمد تغلق باپ کے حکم کی تعمیل میں دکن کے علاقے کا انتظام امرا کے سپرد کر کے عازم دہلی ہوا۔ سلطان غیاث الدین تغلق محمد تغلق کو دہلی میں بطور نائب السلطنت مامور کر کے بنگالہ کی بغاوت فرو کرنے کے لیے سنہ ۷۲۴ھ میں دہلی سے روانہ ہوا۔ بنگالہ کی بغاوت کو سلطان غیاث الدین تغلق نے اس لیے زیادہ اہم خیال کیا اور خود اس طرف جانا ضروری سمجھا کہ بنگالے میں سلطان غیاث الدین بلبن مرحوم کا بیٹا ناصر الدین موجود تھا چونکہ وہ ہندوستان کے پرانے شاہی خاندان کا شہزادہ اور سلطنت کا استحقاق رکھتا تھا اسلیے بنگالے کی یہ بغاوت ناصر الدین ابن بلبن حاکم لکھنوتی کو تخت دہلی کا مدعی بنا کر سلطان تغلق کے لیے عرصہ تنگ کر سکتی تھی۔ رودردیو کی بغاوت میں بھی ناصر الدین

ہی کے تصور نے اہمیت اور طاقت پیدا کر دی تھی حالانکہ ناصر الدین ابن لبن کے وہم و گمان
میں بھی سرکشی و معرکہ آرائی کا ارادہ نہ تھا۔ سلطان تغلق بڑے اہتمام و انتظام کے ساتھ روانہ
ہوا اول مقام ظفر آباد (موجودہ علاقۂ جونپور) میں پہونچا ظفر آباد کا صوبہ دار تاتار خان جس کو
سلطان نے اپنا منھ بولا بیٹا بنایا تھا معہ اپنی فوج کے سلطان کے ہمراہ ہوا اسکو سلطان نے
اپنے لشکر کا ہراول بنایا۔ ناصر الدین حاکم لکھنوتی نے سلطان غیاث الدین تغلق کے آنے کی
خبر سُنی تو وہ فوراً لکھنوتی سے سلطان کے استقبال کو روانہ ہوا۔ سلطانی لشکر علاقۂ ترہت
میں پہونچا تھا کہ ناصر الدین نے سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی اطاعت و فرمانبرداری
کا یقین دلایا۔ ناصر الدین ابن لبن کی اطاعت و وفاداری سے سلطان تغلق بہت خوش اور
مطمئن ہوا۔ تاتار خاں کو بہادر شاہ کی سرکوبی و تادیب کے لیے سنار گاؤں (ڈھاکہ) کی جانب
بھیجکر خود بھی اسکے پیچھے معہ ناصر الدین آہستہ آہستہ روانہ ہوا بہادر شاہ کو تاتار خاں نے
شکست دیکر گرفتار کر لیا اور سلطان کی خدمت میں لے آیا۔ یہ دیکھ کر بنگال کے تمام
چھوٹے چھوٹے ہندو راجاؤں نے معافی کی درخواستیں بھیجنی شروع کیں اور سب نے
آیندہ مطیع و فرمانبردار رہنے کا اقرار کیا۔ سلطان نے سب کی خطاؤں کو معاف کر کے
اُن کی ریاستیں برقرار رکھیں۔ ترہت کے راجہ نے اپنے دشوار گذار جنگلوں اور قلعہ کی
مضبوطی پر اعتماد کر کے سرکشی میں اصرار اور اطاعت سے انکار کیا سلطان نے جنگل کو
کٹوا کر صاف کرا دیا اور قلعہ تک پہونچکر اس کو فتح اور راجہ کو گرفتار کیا۔ ترہت کی حکومت
ایک معتمد کو سپرد کر کے تاتار خاں حاکم ظفر آباد کو مشرقی بنگال و بہار کا نگران اور وائسرائے
مقرر کیا۔ سنار گاؤں کا تمام علاقہ ریاست لکھنوتی میں شامل کر کے لکھنوتی و سنار گاؤں
کی حکومت ناصر الدین کو سپرد کی اور چتر و دورباش وغیرہ علامات بادشاہت عطا کر کے
لکھنوتی کی جانب رخصت کیا۔ مغربی بنگال کے چھوٹے چھوٹے ہندو راجاؤں کی
نگرانی بھی اُسی کو سپرد کی۔ اس طرح ناصر الدین ملک بنگالہ کا فرمانروا اور سلطان تغلق کا باجگذار
بادشاہ قرار پایا۔ لیکن اس توسیع مملکت اور ترقی اقتدار سے وہ زیادہ متمتع نہ ہو سکا یعنی
ڈیڑھ یا دو سال کے بعد فوت ہو گیا تھا۔ ترہت کے راجہ اور سنار گاؤں کے حاکم بہادر شاہ
کو جو دونوں گرفتار و مقید تھے معہ اُن ہاتھیوں کے جو بہادر شاہ نے فراہم کیے تھے اور
اب ضبط ہو کر سلطانی مال غنیمت میں شامل ہو چکے تھے دہلی کی جانب روانہ کیا اور

اس نواح کے انتظام سے فارغ ہو کر خود بھی معہ لشکر دہلی کی جانب روانہ ہوا اس طرح چند منزل سفر کرنے کے بعد بڑے لشکر کو پیچھے چھوڑ کر تھوڑے سے چیدہ سواروں کے ساتھ بطریق یلغار روزانہ دو دو اور تین تین منزلیں طے کرتا ہوا چلا۔

کشمیر میں اسلام کس طرح پہونچا

سلطان جب بنگالے کی جانب سرکش صوبہ دار بہادر شاہ اور ترہٹ کے باغی راجہ کی سزادہی میں مصروف تھا تو ۹۔ ماہ رمضان المبارک کو حضرت شیخ شرف الدین بو علی شاہ قلندر نے سو برس کی عمر میں بمقام پانی پت وفات پائی یہ دراصل عراقی تھے اور اُن کی فیض توجہ سے بھی بہت سے ہندو قبائل نے راہ ہدایت پاکر دولت اسلام حاصل کی تھی۔ حضرت شاہ نظام الدین اولیا رحمہ ان کا ذکر بڑی عزت اور محبت سے کیا کرتے تھے ۷۲۴ھ کے حالات بیان کرتے ہوئے یہ تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ۷۲۳ھ میں جبکہ محمد تغلق دکن کے باغی راجہ ردر دیو کی سزادہی اور گرفتاری میں مصروف تھا تو سلطان غیاث الدین تغلق نے مولانا شمس الدین یحیی سے جو حضرت نظام اولیاء کے مرید با اخلاص تھے کہا کہ تم یہاں دہلی میں بیٹھے ہوئے کیا کر رہے ہو کشمیر میں جاؤ اور وہاں کے لوگوں کو اسلام سے واقف کرو مولانا ممدوح نے کہا بہت اچھا میں کشمیر جاتا ہوں چنانچہ تہیہ سفر میں مصروف ہوئے ابھی روانہ نہ ہوئے تھے کہ اُنکے سینے میں دنبل نکلا اور فوت ہوگئے۔ یہ وہی مولانا شمس الدین یحیی ہیں جن کی شان میں حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی نے یہ شعر لکھا تھا کہ ؎

سألت العلم من احياك حقا
فقال العلم شمس الدين يحيى ؎

دہلی کی طرف سے کشمیر میں تبلیغ اسلام کا کام تو ملتوی رہ گیا مگر قدرت نے دوسری طرف سے سامان کر دیا یعنی ترکستان کے ایک امیر ذو القدر خاں نے کشمیر کی ریاست پر شمال کی جانب سے حملہ کیا۔ کشمیر کا راجہ سہدیو مقابلے کی تاب نہ لاکر علاقہ کشتوار کی طرف بھاگ گیا۔ اس زمانے میں تبت کے راجہ لہاچن مورو پ کا بیٹا رنچن نامی باپ سے ناراض ہو کر کشمیر میں آیا ہوا تھا۔ ذو القدر خاں چند مہینے کشمیر میں قیام کر کے ترکستان کی طرف روانہ ہوا تو تبتی شہزادے رنچن نے علاقہ سوات کے ایک سردار شاہ میر سے امداد طلب کی اور اس کی مدد سے کشمیر کا راجہ بن گیا اور شاہ میر سواتی کو اپنی وزارت کا عہدہ عطا کیا۔ اپنی تخت نشینی

کے سال بعد یعنی ۷۲۴ھ کے آخر یا ۷۲۵ھ کے شروع میں اس راجہ نے مسلمانوں کے مذہب کو سب سے بہتر اور سچا مذہب تحقیق کرکے دین اسلام قبول کر لیا اور اپنا اسلامی نام صدرالدین رکھا۔ تاریخ فرشتہ میں شاہ میر کا نام شاہ میرزا لکھا ہے اور اس کی نسبت بیان کیا ہے کہ وہ فقیری لباس میں ۷۱۵ھ میں وارد کشمیر ہوا تھا اور ایک نو مسلم خاندان سے تعلق رکھتا تھا جس کا سلسلہ نسب ارجن مہاراج تک پہونچتا ہے۔ فرشتہ کی روایت میں کشمیر کے راجہ سمبھا دیو کا نام سیہ دیو لکھا ہے یہ اختلاف غالباً کاتب کی غلطی کا نتیجہ ہے۔ فرشتہ کا بیان ہے کہ شاہ میرزا کو راجہ سیہ دیو کی خدمت میں بہت رسوخ حاصل ہو گیا تھا اور وہ مصاحبت و وزارت کے درجہ پر فائز تھا۔ فرشتہ کی روایت میں راجہ رنچن راجہ سیہ دیو کا بیٹا بیان کیا گیا ہے۔ جو محل تامل ہے۔ بہرحال کشمیر کے راجہ رنچن کو شاہ میرزا یا شاہ میر نو مسلم کی صحبت سے اسلام کی طرف توجہ ہو گئی تھی کہ اس کی تخت نشینی کے سال بعد یعنی ۷۲۵ھ میں ترکستان سے ایک درویش سید عبدالرحمن شرف الدین نامی جو بلبل شاہ کے نام سے مشہور تھے کشمیر میں وارد ہوئے اور راجہ رنچن ان کے ہاتھ پر باقاعدہ مسلمان ہوا اور اس طرح ملک کشمیر کی غیر مسلم سلطنت ایک قطرۂ خون بہے بغیر اسلامی سلطنت بن گئی۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ مغل سردار جو چین سے لیکر ہنگری تک تمام ممالک پر چھائے ہوئے تھے بعض مردان با خدا کی بدولت اسلام کی خوبیوں سے واقف ہو ہو کر اسی طرح مسلمان ہو رہے تھے جس طرح کشمیر کا راجہ مسلمان ہوا۔ ان مردان با خدا یعنی مبلغین اسلام میں حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام خصوصیت سے اس لیئے قابل تذکرہ ہے کہ انھوں نے تبلیغ اسلام کے متعلق ایسی معقول و زبردست کوشش فرمائی کہ روئے زمین کی سیاسی حالت حیرت انگیز طور پر اس سے متغیر و متاثر ہوئی

سلطان تغلق کی وفات تبلیغ اسلام اور ہندو نوازی

جہاں تک ہندوستان اور ہندوؤں کا تعلق ہے سلطان غیاث الدین تغلق کا مفصل حال بیان ہو چکا، بنگالہ سے واپس ہو کر سلطان دہلی کے قریب پہونچ چکا تھا کہ ایک اتفاقی حادثہ سے یعنی مکان کے نیچے دب کر مر گیا۔ سلطان کے حادثۂ وفات کی تفصیل اور اسکے متعلقہ مباحث پر غور کرنا اس کتاب کے موضوع سے چونکہ متعلق نہیں ہے،

لہذا اُس کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ چار سال اور چند ماہ حکومت کرنے کے بعد ماہ ربیع الاول ۷۲۵ھ مطابق فروری ۱۳۲۵ء سلطان غیاث الدین تغلق فوت ہوا۔ اس مختصر مدت میں جو اہم اور قابل تذکرہ واقعات تھے سب اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ ہندوؤں کی بیوفائی، محسن کُشی اور اسلام دُشمنی کے زبردست مظاہرے ہو چکے تھے۔ ہندوؤں ہی کی سازش سے خاندان خلجیہ کا چراغ گل اور اُن کی سلطنت کا خاتمہ ہوا تھا۔ غیاث الدین تغلق کی آنکھوں کے سامنے یہ تمام واقعات گذرے تھے۔ وہ ہندوستان کا شہنشاہ بننے کے بعد اگر ہندوؤں کو فنا کرنے اور مٹانے پر آمادہ ہو جاتا تو کوئی تعجب کا مقام نہ تھا۔ لیکن کوئی شخص ثابت نہیں کرسکتا کہ اُسنے کسی ایک ہندو کو بھی ہندو ہونے کی وجہ سے قتل کیا ہو۔ ورنگل کے راجہ رودر دیو اور ترہت کے راجہ کو اپنی بغاوت و سرکشی اور بدعہدی کا خمیازہ صرف اسیری و دستگیری کی شکل میں بھگتنا پڑا۔ لیکن اس سے زیادہ سخت سزا ملک کافور مہردار اور بہادر شاہ کو دی گئی جو مسلمان تھے اُسنے کسی ہندو باغی کو ہاتھی کے پاؤں سے نہیں کچلوایا لیکن مسلمان باغیوں کو اسنے فیل پال بھی کرایا ہمکو اس بات کا اقرار ہے کہ اس زمانے میں بھی ہندو بکثرت دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے لیکن اُنکے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کا سبب سلطنت اسلامیہ کی کوئی کوشش نہ تھی بلکہ حضرت بابا فرید شکر گنج رحمہ۔ حضرت شاہ نظام الدین اولیا رحمہ حضرت خواجہ برہان الدین رحمہ۔ حضرت خواجہ نصیر الدین اودھی رحمہ۔ حضرت سید یوسف عرف سید راجو قتال حسینی رحمہ۔ حضرت شیخ صدر الدین قریشی رحمہ۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمہ۔ حضرت شیخ رکن الدین ملتانی رحمہ۔ حضرت مولانا ظہیر الدین بھکری رحمہ حضرت مولانا فخر الدین ہانسوی رحمہ۔ سید تاج الدین بدایونی رحمہ۔ شیخ وحید الدین عثمانی رحمہ مولانا حسام الدین رحمہ۔ حضرت شمس الدین شیرازی بھکری رحمہ وغیرہم جو سب کے سب درویش اور فاقہ مست عالم تھے تبلیغ اسلام میں مصروف اور ہندوؤں کو اسلام کی دولت سے مالا مال کر رہے تھے جس کی تفصیل کسی مستقل باب میں علیحدہ بیان کیجائیگی ساتھ ہی یہ تصور بھی قائم رہنا چاہیے کہ سلاطین اسلام جنھوں نے ہندوستان میں حکومت کی ان عالموں اور درویشوں کو اکثر مخالفت کی نظر سے بھی دیکھتے تھے حتیٰ کہ حضرت شاہ نظام الدین اولیا رحمہ جو صرف صوفی ہی نہیں بلکہ عالم متبحر بھی تھے اور دہلی میں مصروف

درس و تلقین تھے اُن کے ساتھ سلطان غیاث الدین تغلق کے تعلقات کشیدہ تھے اور اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ انھیں کی بد دعا سے سلطان تغلق مرگ مفاجات کا شکار ہوا۔ اُنکے مرید مولانا شمس الدین یحییٰ کو بھی کشمیر جانے کے لیے کہنا اس لیے نہ تھا کہ سلطان غیاث الدین تغلق کو ملک کشمیر میں اشاعت اسلام کا اہتمام مدنظر تھا بلکہ وہ مولانا ممدوح سے ناراض اور اُن کو دارالسلطنت دہلی سے نکالنا چاہتا تھا۔ اُسنے دراصل ان کو جلا وطنی کا حکم ان الفاظ میں (جو اوپر مذکور ہوئے) دیا تھا اور وہ مولانا موصوف کی تبلیغی و اشاعتی سرگرمیوں سے ناخوش تھا لہٰذا ہم مسلمانوں کو سلطان تغلق سے شکایت ہو سکتی ہے کہ اُسنے جس طرح ملک کے سرسبز و آباد کرنے، زراعت پیشہ لوگوں کو (جو سب ہندو تھے) خوشحال و فارغ البال بنانے ملک میں امن و امان قائم کرنے، بیرونی حملوں سے ملک کو محفوظ رکھنے، عدل و انصاف کے لیے بہترین قوانین نافذ کرنے اور بغاوتوں کا سلسلہ مٹانے میں جس ہمت و مستعدی اور قابل تعریف طرز عمل کا اظہار کیا، اسی قسم کی سرگرمی تبلیغ اسلام اور ہندوؤں کو مسلمان بنانے میں کیوں ظاہر نہیں کی اور الٹا مبلغین اسلام کی جانب سے کیوں سرگراں ہوا لیکن کسی ہندو کو تو اُس سے شکایت ہی نہیں ہو سکتی۔ ہندوستان کے موجودہ بائیس کروڑ ہندوؤں میں بائیس ہندو بھی ایسے نہیں بتائے جا سکتے جو اس بات کا دعویٰ کریں کہ اُن کے بزرگ سلطان تغلق یا علاء الدین خلجی کے دائرہ حکومت اور حدود سلطنت سے باہر تھے۔ یا مسلمانوں کے محکوم و مغلوب نہ تھے۔ یہ بائیس کروڑ ہندو درحقیقت بائیس کروڑ دلائل اس بات کے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنے عہد حکومت میں اپنی سلطنت و سطوت و شوکت کو تبلیغ اسلام کے لئے قطعاً استعمال نہیں کیا اور لوگوں کو مذہب کے معاملے میں مختار و آزاد رہنے دیا اور یہی اسلام کی تعلیم ہے۔ لا اکراہ فی الدین۔

ہندوؤں کے ساتھ رشتہ داری

سلطان غیاث الدین تغلق کا باپ اگرچہ افغانستان یا ترکستان سے ہندوستان میں آیا تھا لیکن غیاث الدین تغلق ہندوستان ہی میں پیدا ہوا تھا۔ غیاث الدین تغلق کی ماں تاریخ فرشتہ کی روایت کے مطابق پنجاب کے کسی جاٹ کی بیٹی تھی غیاث الدین تغلق ہندوستان ہی کو اپنا وطن سمجھتا تھا۔ وہ فاتح اور مفتوح کے امتیاز کو مٹا کر ہندو مسلم اتحاد و مساوات کا خواہاں اور قومیت متحدہ ہند کی تعمیر و تاسیس میں

کوشاں تھا چنانچہ اُسنے [illegible] میں جبکہ وہ دیپالپور کا صوبیدار یا عامل تھا اپنے بھائی سالار رجب کی شادی ابوہر علاقہ دیپالپور کے ایک راجپوت زمیندار رانامل بھٹی کی بیٹی سے کی رانامل بھٹی کے پاس اس کی بیٹی کی خواستگاری کے لیے شمس سراج عفیف مصنف تاریخ فیروز شاہی کے پردادا کی معرفت پیغام پہونچایا گیا۔ رانامل بھٹی نے اختلافِ مذہب و قوم کی وجہ سے اس پیغام کی تعمیل و تسلیم میں تامل کیا لیکن لڑکی نے رانامل کی ماں یعنی اپنی دادی سے اس پیغام کا حال سنکر اور غازی ملک (غیاث الدین تغلق) کی ناراضی کے اندیشے سے پریشان دیکھ کر کہا کہ تم حاکم دیپالپور کے پیغام کو قبول کر لو اور اسے ناراض نہ کرو۔ رہی یہ بات کہ میں تم سے جدا ہو کر ایک مسلمان کی بیوی بنجاؤں گی تو اسکے متعلق تم یہ تصور کر لینا کہ ہماری ایک لڑکی کو مغل لے گئے۔

"وا باید دانست کہ یک دختر را مغلاں بردند"

(تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف)

چنانچہ رانامل اپنی ماں سے لڑکی کے الفاظ سنکر فوراً آمادہ ہو گیا اور سالار رجب کے ساتھ لڑکی کی شادی کر دی۔ اس واقعہ کو شمس سراج عفیف نے اپنی تاریخ میں بالتفصیل بیان کیا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اس موقع پر یہ بات قابل غور ہے کہ اس زمانے سے پہلے پنجاب و ملتان کے علاقوں میں مغل بار بار حملہ آور ہوتے رہتے تھے جیسا کہ تاریخوں سے ثابت ہے اور اس کتاب کے گزشتہ باب میں بھی ذکر آچکا ہے۔ لڑکی کے بیساختہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ مغل حملہ آور ہو کر مال و دولت کے ساتھ ہندوؤں کی خوبصورت لڑکیوں کو بھی چھین کر لے جاتے تھے۔ اور اس زمانے میں مغلوں کی اس دست درازی کی خاص طور پر شہرت تھی۔ یہ مغل کون تھے؟ یہ وہ مغل تھے جنھوں نے خلافت بغداد کو برباد کیا جو انسانوں بالخصوص مسلمانوں کا خون بہانے میں لذت محسوس کرتے تھے۔ غرضکہ کافر غیر مسلم اور چنگیزی آئین کے پیرو تھے۔ ہندوستان کو ان کے حملوں سے بچانا اور باشندگان ہندوستان کی حفاظت کرنا مسلمان ثواب کا کام جانتے تھے غیاث الدین تغلق نے سلطنت حاصل کرنے سے پہلے دیپالپور کا حاکم ہونے کی حیثیت سے قریباً تیس مرتبہ مغلوں کے حملوں کو روکا اور ان کو شکست دے کر بھگایا تھا

اسی لیے وہ غازی ملک کے نام سے مشہور تھا اور اسی لیے رانا مل کی بیٹی نے وہ الفاظ کہے تھے جن کا اوپر ذکر ہوا۔ چونکہ اسی زمانے سے مغلوں کے بادشاہ جو ماورا النہر خراسان۔ بلخ۔ ایران۔ منگولیا۔ آذربائیجان۔ دشت قپچاق وغیرہ میں حکمراں تھے مذہب اسلام سے واقف ہونے کے لیئے اسلام کی طرف متوجہ ہونے اور اسلام قبول کرنے لگے تھے۔ اُن نو مسلم مغل سلاطین کو دیکھ کر ان کی قوم بھی اسلام میں داخل ہونے لگی تھی جس کی وجہ سے اُن میں تہذیب اور ہمدردی نوع انسان پیدا ہونی شروع ہوئی۔ سوچنے اور سمجھنے کے قابل بات یہ ہے کہ جب تک مغل اسلام سے بیگانہ اور قتل وغارت پر آمادہ رہے تو ہندوستان کے مسلمانوں نے سینہ سپر ہو کر اُن کے حملوں کو روکا اور ہندوؤں کی قوم کو جو مغلوں کے لیئے بڑا لقمہ تھا بچایا۔ سلطان بلبن کا ولیعہد بیٹا خاں شہید انھیں کافر مغلوں کے مقابلہ میں شہید ہوا سلطان بلبن کے بھائی شیر خاں نے جو دنیا کے مشہور بہادر سپہ سالاروں میں شمار ہوتا ہے اپنی عمر کا بڑا حصہ انھیں مغلوں کے روکنے میں صرف کیا سلطان جلال الدین خلجی نے بادشاہ ہونے سے پہلے اپنی ساری عمر بحالت سپہ سالاری انھیں مغلوں کی معرکہ آرائیوں میں گذاری۔ سلطان غیاث الدین تغلق بھی بادشاہ ہونے سے پہلے انھیں مغلوں کے مقابلین سے سکندری بنا ہوا تھا۔ آخر اسلام نے خود مغلوں کے اندر داخل ہو کر ان کو شایستہ بنایا اور ہندوستان انکے حملوں سے محفوظ و مطمئن ہوا۔ غرض کہ اسلام اور مسلمانوں نے اس عظیم الشان خطرہ کا خاتمہ کر کے ہندوؤں کو بچایا لیکن کسقدر افسوس اور حسرت کا مقام ہے کہ آج ہمارے ہندو دوست ہمکو سناتے ہیں کہ ہم میں لڑکیوں کی چھوٹی عمر میں شادی کرنے کا رواج اس لیے ہوا کہ مسلمان ہماری جوان اور خوبصورت لڑکیوں کو اٹھا کر لیجایا کرتے تھے اس جہالت اور نالائقی کا کیا علاج ہو سکتا ہے کہ غیر مسلم اور کافر مغلوں کو جنھیں اسلام اور مسلمانوں سے کسی قسم کا بھی تعلق نہ تھا مسلمان سمجھکر مسلمانوں کو الزام دیا جارہا ہے۔ بات کسی قدر طویل ہو گئی۔ تذکرہ یہ تھا کہ سلطان غیاث الدین تغلق نے اپنے بھائی کی شادی ہندوؤں میں محض اس لیے کی تھی کہ ہندو مسلمانوں میں انس اور تعلق پیدا ہو کر بیگانگی دور ہو ورنہ سالار رجب کی شادی اس سے پہلے مسلمانوں میں ہو چکی تھی اور اس پہلی بیوی سے سالار رجب کے بیٹے بھی پیدا ہو چکے تھے جو موجود تھے سالار رجب کی اس دوسری

ہندو بیوی کا نام نائلہ یا نالہ دیبی تھا۔ شادی ہونے کے بعد غیاث الدین تغلق سے
اس کا نام بی بی کدبانو رکھا۔ اس بیوی سے سالار رجب کے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا
نام فیروز خاں رکھا گیا۔ فیروز خاں کی عمر چھ یا سات سال کی تھی کہ سالار رجب کا
انتقال ہوا۔ بی بی کدبانو کے صرف یہی ایک لڑکا پیدا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی
اولاد نہیں ہوئی۔ سالار رجب کی وفات پر بی بی کدبانو رونے اور جیسا کہ عورتوں
کا دستور ہے کہنے لگی کہ اب اس لڑکے کو کون پرورش کرے گا۔ یہ الفاظ سنکر غازی ملک
(سلطان غیاث الدین تغلق) نے کہا کہ تو مطلق فکر نہ کر میں اس کو اپنے بیٹوں کی طرح
پرورش کروں گا۔ چنانچہ غیاث الدین تغلق نے فیروز خاں کی پرورش اور تعلیم و تربیت
میں اپنے بیٹوں کی تربیت سے زیادہ اہتمام ملحوظ رکھا (دیکھو تاریخ فیروز شاہی شمس سیراج
عفیف) یہی فیروز خاں تھا جو سلطان محمد تغلق ابن غیاث الدین تغلق کے بعد فیروز شاہ تغلق
کے نام سے ہندوستان کا شہنشاہ ہوا۔

سلطان محمد تغلق

اپنے باپ غیاث الدین تغلق کی وفات کے بعد سلطان محمد شاہ تغلق تخت نشین ہوا
یہ وہی محمد شاہ تغلق ہے جو خسرو خاں نمک حرام ہندو زادہ کے عہد حکومت میں دہلی کے
اندر بعہدۂ امیر آخور موجود تھا اور اپنی آنکھوں سے ہندوؤں کی اُن نالائقیوں کو جنکا ذکر
باب چہارم کے آخری حصے میں ہو چکا ہے دیکھ چکا تھا۔ بعد ولیعہدی دکن میں ہندو
راجاؤں سے جو معاملات پیش آچکے تھے وہ بھی ہندوؤں سے تنفر پیدا کرنے کے لئے
کافی تھے لیکن اس سلطان نے تخت نشین ہو کر اپنے باپ کی مانند ہندوؤں سے قطعاً
کوئی انتقام لینا نہیں چاہا۔ خلیج بنگال سے افغانستان و گجرات تک اور کوہ ہمالیہ سے
راس کماری تک تمام براعظم ہندوستان اسکے زیر نگیں اور گجرات۔ مالوہ۔ دیوگیر۔ مرہٹ
تلنگ۔ کرناٹک۔ کنپلہ۔ دھور سمندر۔ معبر۔ لکھنوتی۔ ستگاؤں۔ سنارگاؤں۔ ترہٹ
ظفر آباد۔ میان دوآب۔ پنجاب۔ ملتان۔ سندھ۔ دیپالپور۔ وغیرہ صوبوں میں منقسم
تھا۔ عہد خلجیہ ہی میں جنوبی ہند کی فتح کے بعد سلطنت اسلامیہ تمام براعظم ہند پر چھا گئی
تھی لیکن دکن کے اکثر راجاؤں کو خراجگذاری اور اطاعت کا وعدہ لیکر انکے مقبوضہ

علاقوں پر بدستور حکمراں چھوڑ دیا گیا تھا۔ ان راجاؤں نے دارالسلطنت دہلی کے تغیرات کا حال سنتے ہی پھر سرکشی و بغاوت پر مستعدی ظاہر کی اور محمد تغلق نے باپ کے حکم کے موافق ان راجاؤں کے سرگروہ رودر دیو کو معہ اسکے بیٹے کشنا نایک کے گرفتار کر کے دہلی بھیجدیا اسکے ملک پر اپنی طرف سے عامل اور حاکم مقرر کر دئیے باقی راجاؤں نے معافی مانگی اور پھر از سر نو باجگذاری اور فرمانبرداری کے اقراروں کی تجدید کی اور سلطنت اسلامیہ نے اسلامی عفو درگذر کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کو پھر معاف کر دیا تھا۔ محمد تغلق کی تخت نشینی کے وقت کل بر اعظم ہند مسلمانوں کا مغلوب و محکوم تھا اور یہ توقع ہرگز بیجا نہ تھی کہ سلطان محمد کسی ہندو کو برسر اقتدار نہ بنائے گا۔

محمد تغلق کی ہندو نوازی

خاندان غلامان کے آخری سلطان کو شاہد و شراب کے ذریعہ گمراہ و بے راہ روی پر آمادہ کیا گیا تھا خاندان خلجیہ کی بربادی میں بھی سلطان قطب الدین مبارک شاہ کی اسی قسم کی کمزوریوں نے ہندوؤں کو دہلی اور تخت سلطنت پر مسلط اور مستولی کر دیا تھا۔ سلطان محمد تغلق نہ زانی تھا۔ نہ شرابی۔ اسکے اخلاق میں اس قسم کی کوئی کمزوری نہ تھی لیکن چونکہ وہ مسلمان تھا اور اپنا سینہ فراخ رکھتا تھا لہذا اسنے تخت نشین ہوتے ہی رودر دیو کے بیٹے کو اقرار اطاعت لیکر تلنگانہ کی ریاست پر بحال کر کے بھیجدیا۔ الفنسٹن صاحب اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ:۔

"ورنگل کا قلعہ فتح کیا اور راجا کو پکڑ کر دہلی لایا مگر تھوڑے دنوں بعد اس کی رہائی ہوئی اور وہ اپنے راج پر دوبارہ قائم ہوا۔"

الفنسٹن کی تحقیق ناقص ہے رودر دیو دہلی آتے ہوئے راستے میں بیمار ہو کر فوت ہو گیا تھا۔ شمس سراج عفیف نے اس کی وفات کو واضح الفاظ میں بیان کیا ہے محمد تغلق نے کشنا نایک ابن رودر دیو کو اسکے آبائی علاقہ کا حاکم بنا کر دہلی سے رخصت کیا مگر قلعہ ورنگل کو اپنے اہلکاروں کے قبضے میں رکھا۔ اگر کشنا نایک کو قلعہ ورنگل کی حفاظت و مضبوطی گمراہ نہ کرنے پائے اور وہ باغی ہو کر پھر آپ کو ہلاکت میں نہ ڈال سکے کشنا نایک نے تلنگانہ کا راجا بنکر مقام کولاس کو اپنا دار الریاست بنایا۔ محمد تغلق جب کشنا نایک کو تلنگانہ کا راجہ بنا کر دہلی سے رخصت کرنے لگا تو رودر دیو کے نوکر مسمی کنفو

نے کشنا نایک کے ساتھ جانے سے انکار کیا اور شاہی غلاموں میں شامل ہو کر رہنا پسند کیا جس کا سبب یہ تھا کہ وہ قیام دہلی کے زمانے میں ملک احمد ایاز کے ہمراہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا مرید با اخلاص تھا حضرت ممدوح کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتا رہتا اور کشنا نایک کے دکن کی جانب رخصت ہونے کے بعد مسلمان ہو گیا تھا۔ سلطان محمد تغلق نے کرناٹک کا علاقہ بھی باج و خراج کا اقرار لیکر وہاں کے قدیمی ہندو رایوں اور راجاؤں کو سپرد کر دیا جن میں رائے کنپلہ اور بلال دیو خصوصیت سے قابل تذکرہ ہیں گندہانہ اور جنبیر کا علاقہ ناگ نایک ۔۔۔ یا نا گدیو کو سپرد کیا۔ پنجاب کے دوآبہ رچنا کا بڑا حصہ تاتار چند گکھڑ یا ملک چند کھوکھر کی حکومت میں دیدیا۔ اودھ اور بہار کے بعض اضلاع میں بھی وہیں کے ہندو سرداروں کو سند حکومت عطا کر دی صوبہ گجرات کا بہت بڑا حصہ ہندو رایوں اور راجاؤں میں تقسیم کر کے وہاں ایک سلطانی امیر مقرر کیا کہ وہ باج و خراج کی وصولی اور ہندو راجاؤں کی نگرانی کرتا رہے۔ ان راجاؤں میں رانا مندل کچھ کا راجہ اور کنگار کرنال (جوناگڈھ) کا راجہ خاص طور پر قابل تذکرہ ہیں۔ مانڈیو کو بگلانہ کا حاکم بنایا رائے مہارو پ کو بھی گجرات ہی کے علاقے میں ایک تعلقہ عطا کیا گیا۔ نہر والہ میں حوض سہسلنگ کے مہنتوں کو بھی عاملانہ اختیارات اور جاگیریں عطا کیں۔ بھٹنیر کی حکومت بھی ایک ہندو یعنی رائے اتر کو جو قوم سومرہ سے تعلق رکھتا تھا عطا کی مقام گونڈل متصل ٹھٹھہ میں بھی ایک ہندو حکمراں تھا۔ گلبرگہ کی حکومت پر بھی ایک ہندو کو مامور کیا گیا گورکھپور کا علاقہ بھی ایک ہندو کی حکومت میں دیدیا گیا۔ میوات کی حکومت بھی ایک ہندو کو عطا کی گئی۔ سامانہ کی نظامت میں چوہان راجپوتوں اور دوسرے ہندوؤں کو حکومتیں عطا کیں۔ کوہ پایہ کا علاقہ (موجودہ ضلع سہارنپور وہردوار) بھی راجپوتوں اور گوجروں کے سپرد کر دیا گیا۔ ساڈھورہ کا علاقہ (موجودہ ضلع انبالہ) پرواری راجپوتوں کو عطا ہوا کیتھل اور سنام میں منڈاہر اور بھٹی راجپوتوں کو برسر اقتدار بنایا گیا۔ برن کی نظامت میں بھی ہندو ریاستیں موجود تھیں (مستفاد از تاریخ فرشتہ و تاریخ فیروز شاہی و طبقات اکبری و منتخب التواریخ وغیرہ) ہندوؤں نے منو شاستر کی رو سے شودر قوموں کی جو مٹی پلید کی ہے معلوم عوام ہے۔ تین اونچی ذاتوں کے علاوہ باقی تمام اقوام شودروں میں شامل اور کسی ترقی کی آرزو ہی نہیں کر سکتی تھیں محمد تغلق نے ہندوؤں کی انہی شودر قوموں کو ترقی دیکر

حکومت کے مرتبے تک پہونچایا اور ہندوستان کی مشہور و قابل تذکرہ اقوام میں شامل ہو جانے کا ان کو موقع دیا۔ گکھڑ۔ میواتی۔ مینے وغیرہ اگرچہ چوری۔ ڈکیتی اور راہ زنی میں ممتاز تھے لیکن حکومت و سرداری اور امارت و سروری ان میں کبھی نہیں پائی گئی تھی محمد تغلق نے ان لوگوں کو باقاعدہ حکومتیں عطا کر کے مہذب و شایستہ بنایا۔ بعد میں خاندان تغلقیہ کے آخری بادشاہوں کے لیے یہ لوگ اگرچہ باعث تکلیف ہوئے۔ مگر بہت جلد اپنی حاصل کی ہوئی شایستگی کی بدولت اسلام میں داخل ہو گئے۔ سلطان محمد تغلق اور اسکے باقتدار امرا و وزرا و مصاحبین اور اس زمانے کے تمام مسلمان اگر اسی قسم کی پست ہمتی اور تنگ خیالی میں مبتلا ہوتے جیسی کہ ہندوؤں سے ظاہر ہوتی رہی تھی اور وہ لوگ ہندوؤں کو اس ملک سے فنا کرنے پر آمادہ ہوتے تو اس زمانے میں کوئی چیز بھی مانع نہ تھی کہ ہندوؤں کو اس طرح اختیار و اقتدار عطا نہ کیا جاتا اور ہندو قوم کو کس مپرسی کے عالم میں فنا ہونے کے لیے چھوڑ دیا جاتا۔ مسلمانوں کو ہندوؤں کے مذہب سے واقف ہونے کا بھی ہمیشہ شوق رہا۔ ابن بطوطہ اپنے سفر نامے میں لکھتا ہے کہ میں نے بارہا سلطان محمد تغلق کو ہندو فقیروں اور جوگیوں کے پاس بیٹھے اور ان سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا۔ سلطان محمد تغلق ایک پابند صوم و صلوٰۃ اور عباسی خلیفہ کی غلامی کا دم بھرنے والا شخص تھا۔ اگر اسلام محکوم کافروں پر ظلم و ستم کی اجازت دیتا تو محمد تغلق کبھی ہندوؤں کے ساتھ درگذر اور احسان کا برتاؤ نہ کرتا لیکن اس نے کسی ہندو کو اسکے ہندو ہونے کی وجہ سے کوئی نقصان نہیں پہونچایا۔ اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پروفیسر گارڈنر براؤن آنجہانی کے مضمون سے جو یوپی ہسٹاریکل سوسائٹی جرنل میں اور اسکے بعد مشہور علمی رسالہ معارف اعظم گڈھ کی جلد چہارم و پنجم میں شائع ہوا پروفیسر مذکور کے وہ الفاظ جو محمد تغلق کی ہندو نوازی پر روشنی ڈالتے ہیں نقل کر دیے جائیں مجھکو پروفیسر صاحب مذکور کے ایک اہم نظریہ سے سخت اختلاف ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ پروفیسر مذکور نے اس مضمون کے لکھنے سے پہلے محمد تغلق کے حالات تاریخوں میں غور و تامل کے ساتھ مطالعہ کیے تھے وہ لکھتے ہیں کہ۔

"رہا ہندو رعایا کے ساتھ برتاؤ سو ان پر سختی و سخت گیری کیسی اسنے تو ابتدا سے پہلے ہی ایک طرف ستی کی رسم کو مسدود کرایا دوسری طرف ہندو راجاؤں کو اپنی [illegible]

مناصب اور دیگر قابل ہندوؤں کو اعلیٰ ملکی خدمات پر فائز کرنا شروع کر دیا تھا۔ اسنے دولتمند ہندوں کی دولت و ثروت میں مطلق دست اندازی نہیں کی بہ نی کا زر فرضی پر سب سے بڑا اعتراض یہی ہے کہ اس سے ہندوؤں کی دولتمندی و تونگری میں ترقی ہوتی رہی اسنے (محمد تغلق نے) قدیم و جدید ہندو ریاستوں کو نیم خود مختاری کی حالت میں چھوڑے رکھا اسکے طرز عمل کی دانشمندی سے وہ لوگ تو انکار کر ہی نہیں سکتے جو اکبر کے طرز حکومت کے مداح ہیں"

پھر اسی مضمون میں آگے چلکر پروفیسر ممدوح لکھتے ہیں کہ مسلمان مؤرخوں نے محمد تغلق کو صرف اس لیئے بُرا کہا اور اس کی خوبیوں کو چھپایا ہے کہ وہ ہندوؤں کے ساتھ بے تعصبی اور رواداری کا برتاؤ کرتا تھا۔ محمد تغلق کی نسبت مسلمان مؤرخین کے مخالفانہ طرز عمل کی نسبت پروفیسر صاحب نے غلط سمجھا یا غلط بیان کیا ہے۔ جیسا کہ آگے ثابت ہو جائے گا لیکن کم از کم یہ تو ثابت ہو گیا کہ محمد تغلق ہندوؤں کی اس قدر زیادہ رعایت کرتا تھا کہ مسلمانوں کے لیئے اس کی ہندو نوازی موجب ملال ہو سکتی تھی۔

عیسائی مؤرخین کی چالاکی

عیسائی مؤرخین نے ہندوستان کی تاریخیں لکھنے کے لیئے اپنی تاریخ نویسی کے چند اصول وضع کر لیئے ہیں۔ ان اصول موضوعہ میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہندوستان کے جس مسلمان بادشاہ کی نسبت ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ پابند شرع تھا اسکے عیوب گنوانے اور بہت سی ناکردہ خطائیں اسکے سر تھوپ دینے میں انتہائی سرگرمی اور انتہائی چالاکی کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کو یہ کسی طرح گوارا نہیں کہ ایک پابند شرع مسلم بادشاہ کامیاب فرمانروا ثابت ہو جائے۔ ان کی ہوشیاری اور چالاکی کا ایک خاص پہلو یہ بھی ہے کہ وہ ہر ایک ناکام رہنے والے سلطان کو پابند شرع ثابت کرتے اور ہر ایک ناکامی کا سبب پابندی شرع قرار دیتے ہیں۔ عیسائی مورخوں کا معاملہ ایک الگ حیثیت رکھتا ہے۔ ہمکو اس وقت ہندوؤں بالخصوص مہاشری اور جدید پنجابی ہندو طبقہ سے محمد تغلق کے معاملے میں خاص طور پر یہ شکایت ہے کہ ان کو محمد تغلق پر بہتان باندھنے اور اس کو گالیاں دینے میں کیوں مزا آتا ہے محمد تغلق کے دربار میں ہندوؤں کی کثرت اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ اس عاقل و عادل بادشاہ نے خسرو خاں نمک حرام اور خسرو خانی ہندوؤں کی شرارتوں کو انھیں کی ذات تک محدود

رکھ کر ساری ہندو قوم کو ذمہ وار نہیں بنایا تھا۔ خواجہ نظام الدین احمد طبقات اکبری میں محمد تغلق کے دربار کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں۔

"وجمیع رایان و زمینداران مملکت کمر خدمت بستہ دائم بدرگاہ او حاضر می بودند"

ضیائے برنی لکھتا ہے کہ۔

"از کثرت طوائف مختلف و اطاعت و بندگی رایان و رانگان و مقدمان ہر دیار و درد رگاہ سلطان محمد رونقے بس شگرف پیدا آمدہ بود کہ آنچناں رونق در سرا و کثرت خلق در عنوانہیہ مشاہدہ نشدہ است"

محمد تغلق کی فرضی حماقتیں بھی ہندوؤں کے لیے مضر نہ تھیں

محمد تغلق نے ایک لاکھ اور بروایت دیگر اسّی ہزار سواروں کا لشکر خسرو ملک کی سرداری میں کوہ ہمالیہ کی فتح کے لیے بھیجا اور یہ لشکر تباہ ہو گیا۔

از اندیشہ ہائے فاسد او این بود کہ خواست کہ کوہ ہماچل را کہ مابین ممالک ہند و دیار چین حائل است ضبط نماید و باین تقریب امرا نامدار و سر لشکران آزمودہ را با لشکرہائے گران نامزد فرمودہ تا ہمہ بدرون آں کوہ درآمدہ در گرفتن آں کمال سعی بجا آرند چوں لشکر تمام در کوہ درآمد ہندوان کوہ ہماچل تنگیہائے را مضبوط کردہ راہ بازگشت لشکر را فرو گرفتہ اکثر را بقتل آوردند (طبقات اکبری)

یہ محمد تغلق کی غلطی یا حماقت کہی جاتی ہے لیکن اس حماقت سے ہندوؤں کو کوئی نقصان نہیں پہونچا ایک لاکھ جنگجو مسلمانوں کا ہندوؤں کی شرارت سے ہمالیہ کے دروں میں تباہ و برباد ہو جانا مسلمانوں کا عظیم الشان نقصان تھا ہندوؤں کو تو کسی قسم کا نقصان نہیں پہونچا نہ بعد میں اُن سے کوئی انتقام لیا گیا بجز اسکے کہ چند روز کے بعد ہمالیہ کے اس حصے کو قبضے میں لا کر وہاں امن و امان قائم کر دیا گیا۔

محمد تغلق نے چاندی کے سکوں کی جگہ تانبے کے سکے جاری کیے۔ یہ بھی محمد تغلق کی بہت بڑی خطا بتائی جاتی ہے لیکن اس کی اس حماقت سے مسلمانوں کی سلطنت کا تباہی

خزانہ خالی ہوا۔ اور ہندوؤں کو حد سے زیادہ نفع پہونچا جسکو دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹ پڑا۔ یعنی ہندوؤں نے تانبے کے سکے ڈھالنے شروع کر دیئے سلطان محمد تغلق سے اس حماقت کے سلسلے میں ایک اور حماقت یہ ہوئی کہ اپنے تانبے کے سکے کا اعتبار بڑھانے کے لیے یہ اعلان کر دیا کہ جس کا جی چاہے تانبے کے سکے شاہی خزانہ میں داخل کر کے اُنکے عوض چاندی سونے کے سکے لیجائے چنانچہ اس اعلان کو سنتے ہی ہندوؤں نے تانبے کے مصنوعی سکوں کے انبار شاہی خزانے میں لگا دیئے اور چاندی سونے کے انبار شاہی خزانے سے لے گئے۔

ضیائے برنی کہتا ہے کہ

"ہر خانہ از خانہائے ہندواں دار الضرب سد آمد و ہندوان بلاد ممالک کرور ہا و لکہا از مہر مس ضرب کنانیدند و ہم ازاں خراج میدادند و ہم ازاں اسپ و اسلحہ و نفائس گوناگوں می خریدند و ہوالگان و مقدمان و فوطان از مہر مس باقوت و شوکت شدند .... و ہر زرگرے در خانۂ خود مہر مس می زد و از مہر مس خزانہ پرمی شد .... سلطان محمد حکم خوو را در بابت سکہ مس فسخ کرد و فرماں داد تا بر ہر کہ سکہ مس موجود باشد در خزانہ رساند و عوض آں مہر زر قدیم از خزانہ ببرند"

غرض کہ سکہ مس والی حماقت نے ہندوستان کے ہندوؤں کو مالدار بنا کر سلطنت اسلامیہ کے خزانے کو خالی کر دیا اس معاملے میں ہندوؤں کو سلطان محمد تغلق کا دعا گو ہونا چاہیئے نہ یہ کہ اس کو گالیاں دی جائیں۔

محمد تغلق نے بجائے دہلی کے دیو گڑھ کو دولت آباد کے نام سے دار السلطنت بنانا چاہا اور باشندگان دہلی کو یہ تکلیف مالا یطاق دی کہ وہ دولت آباد میں جا کر آباد ہوں اس سے دہلی والوں کو بڑی اذیت پہونچی یہ بھی اس کی بہت بڑی حماقت بتائی جاتی ہے لیکن اس حماقت نے بھی مسلمانوں ہی کو زیادہ نقصان پہونچایا ہندوؤں کو نقصان پہونچنے کا کوئی ثبوت کسی تاریخ سے نہیں ملتا۔ دہلی جس کو اُسنے ویران کرنا چاہا تھا زیادہ تر مسلمانوں ہی سے آباد تھی۔ مسلمان وزراء، مسلمان امراء، مسلمان ——— سالار، مسلمان اہلکار ہی سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اس کے اس حکم کا نشانہ تھے کیونکہ یہی لوگ دار السلطنت کے لوازم تھے انھیں کے مکانات دہلی میں ویران ہوئے انھیں کو

دیوگیر (دولت آباد) میں اپنے مکانات بنانے پڑے یہاں تک کہ ایک نہایت عظیم الشان سپہ سالار اور سلطنت اسلامیہ کا زبردست بازو یعنی ملتان کا صوبہ دار ملک بہرام ایبہ جو غیاث الدین تغلق کا منہ بولا بھائی ہونے کی وجہ سے سلطان محمد تغلق کا چچا بھی تھا اسی تبدیل سکونت اور دولت آباد میں مکان کی تعمیر کو بیت وبعل میں ڈالنے کے سبب ہلاک و برباد ہوا جس سے سلطنت کی طاقت وقوت میں کمی آئی ہندو دوکانداروں اور دہلی کے قلیل ہندو باشندوں کی قائم مقامی کے لیے دولت آباد میں ہندوؤں کی کمی تھی۔ بہرحال اس معاملے میں بھی ہندوؤں کو اس بات کا حق حاصل نہیں کہ وہ سلطان محمد تغلق کو گالیاں دیں۔

سلطان محمد تغلق نے ایک بہت بڑی فوج ایران و خراسان کی فتح کے لئے جمع کی اور سال یا دو سال تک اُسکے مصارف برداشت کیے مگر خراسان پر چڑھائی نہ کی اور کوئی کام لیئے بغیر اُس فوج کو منتشر کر دیا۔ اس سے خزانہ شاہی کو سخت نقصان پہونچا یہ بھی اُس کی حماقتوں میں سے ایک حماقت ہے لیکن اس حماقت سے بھی ہندوؤں کو کوئی نقصان نہیں پہونچا کیونکہ ضیائے برنی اور فرشتہ کی روایت کے موافق اس جدید فوج کی تعداد تین لاکھ ستر ہزار تھی جس میں کئی ہزار مغل بھی شامل تھے یعنی امیر نوروز مغل جو ترمشیرین خان مغل کا داماد تھا کئی ہزار مغلوں کو لیکر آیا اور سلطان محمد تغلق کی فوج میں نوکر ہو گیا تھا بہت سے افغان بھی افغانستان سے آکر اس فوج میں بھرتی ہوئے تھے۔ اگر سلطان کو ہندوؤں کے برباد کرنے کا کچھ ذرا سا بھی شوق ہوتا تو اس حالت میں کہ وہ خراسان پر حملہ آور نہیں ہو سکا تھا اس پونے چار لاکھ فوج کو جو سال بھر سے زیادہ بیکار رہ کر شاہی خزانے سے تنخواہ پا رہی تھی اسی کام پر لگا دیتا کہ ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سب کو نہیں تو موٹے موٹے ہندوؤں کو قتل کرتے اور اُن کے مال و دولت کو جمع کر کے شاہی خزانہ میں شامل کرتے چلے جاؤ۔ لیکن کسی مسلمان کے وہم و گمان میں بھی اس قسم کا بیہودہ خیال نہیں آسکتا تھا ہاں اُن لوگوں کے لیے جو بودھوں کو ہندستان سے تخم سوختہ کر چکے تھے یا جو مسلمانوں کو ہندوستان سے معدوم کرنے کا ارادہ و خواہش رکھتے ہیں یا ان لوگوں کے لیے جنھوں نے اندلس سے مسلمانوں کے فنا کرنے میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی سنگدلی و سفاکی کے نمونے پیش کیے ایسا خیال اور ایسا ارادہ

موجب تعجب نہیں ہو سکتا تھا۔

اطناب و طوالت کلام کی معذرت

محمد تغلق کی حماقتوں میں سے ایک یہ حماقت بھی بیان کیجاتی ہے کہ اُسنے آدمیوں کا شکار کیا اور بے گناہ مخلوق کو گھیر گھیر کر اس طرح قتل کیا جیسے جنگل کے درندوں کا محاصرہ کر کے ان کا شکار کیا جاتا ہے۔ محمد تغلق کے جرائم کی فہرست میں اس جرم کو بہت زیادہ نمک مرچ لگا کر بیان کیا جاتا ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ اسی جرم نے اس کو سب سے زیادہ کشتنی و گردن زدنی قرار دیا ہے۔ چونکہ محمد تغلق کے جرائم میں یہ سب سے بڑا اور آخری جرم ہے لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسکے اس بے بنیاد جرم کی حقیقت بتانے اور سمجھانے سے پیشتر ان اسباب کو مفصل بیان کردیا جائے جنکی وجہ سے اس روشن خیال سلطان پر مورخین کے ہاتھوں بحد ظلم ہوا ہے۔ چونکہ اسکے اس سب سے بڑے نام نہاد گناہ سے سرسری طور پر اس لئے نہیں گذرا جا سکتا کہ ہمارے ہندو دوستوں کی تسکین نہیں ہو سکے گی۔ وہ چونکہ ان شکار ہونیوالوں میں بے زبان اور بے دست و پا ہندوؤں کی کثرت کا یقین رکھتے ہیں لہذا مجبوراً اس کی تحقیق و تفتیش میں زیادہ توجہ سے کام لینا پڑے گا اور اسی سلسلے میں باقی جرائم کی حقیقت اصلیہ بھی کماحقہ منکشف ہو جائے گی۔ اگر یہ ایک آخری اور سب سے بڑا جرم اس کی فہرست جرائم میں نہ ہوتا تو محمد تغلق کا بیان جو اس تصنیف کے لیے ضروری تھا ختم ہو چکا تھا اور اس سے آگے ایک سطر بھی لکھنے کی ضرورت نہ تھی لیکن میں محمد تغلق کے مفصل حالات اور اس کے عہد حکومت کی مکمل تاریخ اسی سلسلۂ تصنیف میں درج کرنے پر مجبور ہوں۔ میں نے ان جگہ محمد تغلق کے تفصیلی حالات حکومت کو اس لیے بھی درج کرنا ضروری سمجھا ہے کہ صرف یہی ایک سلطان ایسا ہے جسکے متعلق مسلمان بھی عام طور پر مبتلائے غلط فہمی ہیں نہ صرف اسی زمانے کے مسلمان بلکہ متقدمین میں بھی اس غلط فہمی کا وجود موجود پایا جاتا ہے۔ اس تصنیف کا اصل مقصد ہندو مسلم تعلقات کو بے پردہ کر کے ہندوؤں کی غلط فہمیوں کے دور کرنے کا سامان فراہم کرنا ہے لیکن محمد تغلق کے معاملے میں مسلمانوں کی غلط فہمیوں کا رفع کرنا چونکہ ہندوؤں کی غلط فہمیوں کے رفع کرنے سے بھی زیادہ ضروری ہے اور بغیر اسکے اول الذکر اصل مقصد بھی حاصل نہیں ہو سکتا لہذا محمد تغلق کا مفصل حال درج

کرکے اس ضروری کام کو اسی سلسلے میں ختم کر دینا میں نے مناسب سمجھا۔ قارئین کرام سے توقع ہے کہ وہ ضرورت اور مجبوری کا اندازہ کرنے میں غلطی نہ کرکے مجکو زیادہ موردِ الزام نہ بنائیں گے۔

محمد تغلق کے مفصل حالات

محمد تغلق کے معاملے میں میں نے تن آسانی اور سہل انگاری سے مطلق کام نہیں لیا۔ محمد تغلق کے حالات کو ہر ممکن مقام سے تلاش کیا۔ اسکے ہم عصر اور قریب العہد مورخین کی کتابوں میں اسکے حالات کو [illegible] پر غور و فکر اور وسیع مطالعہ کے بعد ایک ایسے نتیجے پر پہونچا جس پر پہونچنے کو میرا جی نہیں چاہتا تھا۔ یعنی ضیائے برنی کے دانستہ یا نادانستہ طرزِ عمل سے اس عظیم الشان سلطان پر بہت بڑا ظلم ہوا ہے۔ اور عجیب تر یہ کہ بعد کے بعض مورخین نے ضیاء برنی پر یہ اُلٹا الزام لگایا کہ اسنے فیروز شاہ تغلق کی وجہ سے محمد تغلق کی رعایت کی۔ حالانکہ ضیائے برنی ہی کی تاریخ ہے جسنے اس سلطان کو ظالمانہ طور پر بدنام اور رسوائے عام کیا ہے۔

محمد تغلق پر ضیاء برنی کا ظلم

ضیائے برنی نے سلطان غیاث الدین بلبن کے ابتدائے عہد حکومت سے لیکر سلطان محمد تغلق کی وفات کے چند سال بعد تک کے حالات اپنی ذاتی تحقیق کی بنا پر لکھے ہیں۔ ضیائے برنی بہت معتبر مورخ مانا جاتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تاریخ نویسی کے معاملے میں اس کا مرتبہ بہت ہی بلند ہے۔ اسنے جو کچھ لکھا ہے بڑی احتیاط اور کامل تحقیق کے بعد لکھا ہے جسکے لیئے اسکی تاریخ خود شاہد عدل ہے لیکن محمد تغلق کے متعلق اس کی تاریخ کا جو حصہ ہے وہ تاریخ کے باقی حصص سے بالکل جدا اور ایک الگ حیثیت رکھتا ہے۔ ضیائے برنی نے سنہ ۷۵۸ھ میں جبکہ اسکی عمر چہتر سال کی تھی اپنی تاریخ ختم کی۔ سلطان محمد تغلق کی وفات ماہ محرم سنہ ۷۵۲ھ میں ہوئی جبکہ ضیائے برنی کی عمر ۶۹ یا ۷۰ سال کی تھی۔ سلطان محمد تغلق کی تخت نشینی کے وقت ضیائے برنی کی عمر چالیس سال کی تھی۔ غیاث الدین بلبن کی وفات کے وقت ضیائے برنی کی عمر ایک سال اور چند مہینے کی تھی یعنی غیاث الدین بلبن کا عہد حکومت ضیائے برنی نے بالکل نہیں دیکھا اور سلطان محمد تغلق کا

عہد حکومت از ابتدا تا انتہا اسکی آنکھوں کے سامنے گذرا جبکہ وہ اچھی طرح عاقل بالغ
اور صاحب منصب تھا۔ غیاث الدین بلبن نے بائیس سال اور محمد تغلق نے ستائیس سال
حکومت کی غیاث الدین بلبن کے عہد حکومت میں اہم اور قابل تذکرہ حوادث کی تعداد بہت
ہی کم اور محمد تغلق کا عہد حکومت غیر معمولی طور پر عجیب و اہم واقعات کی کثرت سے لبریز ہے
لیکن ضیائے برنی نے سلطان بلبن کے بائیس سالہ حالات میں اپنی کتاب کے جس قدر
صفحات وقف کیئے ہیں محمد تغلق کے ستائیس سالہ عہد حکومت کو اتنے صفحات نہیں دے سکا
اس سے بھی زیادہ عجیب یہ کہ علاء الدین خلجی جسنے ۱۹ یا ۲۰ سال حکومت کی اسکے حالات کو
محمد تغلق کی نسبت دُگنے صفحات میں بیان کیا ہے محمد تغلق کی نسبت یہ اختصار بجائے خود
معنی خیز اور قابل توجہ ہے لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ محمد تغلق والے صفحات میں تاریخی
شان مفقود اور معاندانہ اسلوب بیان ہر جگہ موجود ہے تو حیرت اور بھی بڑھ جاتی ہے
ضیائے برنی اپنی تاریخ میں اکثر ترتیب زمانی کو ملحوظ رکھتا اور واقعات کو بقید سن و سال بیان
کرتا ہے لیکن محمد تغلق کے حالات میں یہ چیز بالکل غائب ہو جاتی ہے اور ستائیس سال کے
حوادث کو بالکل گڈ مڈ کر کے اور باعتبار نوع چند فصلوں میں منقسم کرنے کے بعد اس طرح
بیان کرتا ہے کہ پہلے سال کا ایک واقعہ بیسویں سال کے کسی واقعے سے متعلق نظر آتا ہو
اور پڑھنے والا ترتیب زمانی کے غائب ہو جانے کی وجہ سے اپنی فہم و فراست کو بالکل بیکار
و معطل پاتا اور اسی نتیجے کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جو ضیائے برنی نے برآمد کرنا
چاہا ہے۔

ضیائے برنی کی تاریخ کو سامنے رکھ کر کوئی شخص ہندوستان کے قابل تذکرہ واقعات
کی بطور اشارات ایک فہرست بقید سن و سال مرتب کرنا چاہے تو وہ سلطان غیاث الدین
بلبن کے شروع عہد حکومت سے لیکر غیاث الدین تغلق کے آخر عہد حکومت تک اس فہرست
کو آسانی لکھتا چلا جائے گا۔ لیکن محمد تغلق کے تذکرہ پر پہونچکر وہ دیکھے گا کہ قابل تذکرہ واقعات
تو ہیں لیکن فہرست میں اُن کی ترتیب قائم نہیں ہو سکتی ضیائے برنی محمد تغلق کے معاملے میں
اس مخصوص طرز عمل کا خود بھی معترف ہے وہ کہتا ہے کہ۔

"من در یں تاریخ کلیات مصالح جانداری و آمہات امور ملک رانی سلطان محمد نبشتہ
و در تقدیم و تاخیر ہر فتحے و اول و آخر ہر سر گذشتے و فتنہ و حادثہ نظر نینداختہ و ترتیب

نسق مراعات نمودہ کہ اہل دانش را از مطالعۂ کلیات مصالح جہانداری واہمات امور ملک رانی اعتبار و استبصار حاصل شدنیست۔"

پھر ایک دوسری جگہ فتن و حوادث کے زیرعنوان لکھتا ہے کہ۔

"واگرچہ حوادث و فتن و بغی و شطط کہ در ملک سلطان محمد از و برحسب ترتیب و تعیین تاریخ درقلم نیامدہ است و تشریح تمام نشدہ فاما جملۂ کردار کہ محصل غرض مطالعہ کنندہ بود نوشتہ ام"

تعجب کی بات یہ ہے کہ بیچارہ محمد تغلق ہی کے حالات میں کلیات واہمات کا انتخاب بلالحاظ تقدیم و تاخیر کیوں ضروری سمجھا گیا اور دوسرے بادشاہوں کے حال پر یہ مہربانی کیوں نہیں فرمائی گئی ؎

بزم میں غیروں کی پہلے سب پہ ہے ہمپر التفات
کچھ نہ کچھ آمیز ساقی تیرے پیمانے میں ہے

محمد تغلق کے ساتھ ضیائے برنی کی یہ خصوصیت ایسی نہیں کہ اسکو نظرانداز کردیا جائے۔

ضیائے برنی کی چالاکی

ضیائے برنی محمد تغلق کی اُن خوبیوں سے جو معلوم عوام اور بطور ضرب المثل زبانوں پر جاری تھیں انکار نہیں کرتا کیونکہ اس انکار سے وہ خود اور اسکی تاریخ ذلیل ہوسکتی تھی اسی سے اُس کی دانائی اور ہوشیاری کا ایک ثبوت ہم پہونچتا ہے وہ محمد تغلق کے کسی چھوٹے سے چھوٹے عیب کو بھی ذکر کیے بغیر نہیں چھوڑتا بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے عیبوں کے تلاش کرنے اور اُنکی برائیوں کے بیان کرنے میں نہایت ہوشیاری کے ساتھ پُراثر الفاظ اور یقین دلانے والا لہجہ اختیار کرتا ہے۔ ساتھ ہی واقعات اور حوادث کی ترتیب زمانی کو بگاڑ کر اسنے اس طرح مرتب کردیا ہے کہ پڑھنے والا خواہ مخواہ اس سلطان سے بدعقیدہ ہوجاتا ہے ضیائے برنی نے محمد تغلق کے معاملہ میں بڑی ہی چالاکی سے کام لے کر خود ہی اس کو جامع اضداد قرار دیدیا ہے۔ ضیائے برنی نے سلطان محمد تغلق کے کارناموں کا تذکرہ تو حد سے زیادہ مختصر کردیا ہے لیکن اسکے اخلاق و عادات کا بیان کرنے میں بہت تفصیل اور غیرضروری طوالت سے کام لیکر اوراق رنگتا چلا گیا ہے۔ اس کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے مبالغہ آمیز الفاظ جو اثر سے بالکل خالی ہوتے ہیں بکثرت استعمال کرتا ہے اور بیچ بیچ میں ایسے فقرات لکھ جاتا ہے جس سے تمام مذکورہ مدحیہ الفاظ کا اثر زائل ہوکر اسکی برائی بسلسلۂ یقین مستحکم

ہو جاتا ہے مثلاً وہ لکھتا ہے کہ

"باریتعالیٰ وتقدس اسمائہ سلطان مغفور محمد بن تغلق شاہ را از عجائب آفرینش و نوادر آفریدگان آفریدہ بود وبہیچ تشبیہ وتمثیل آں نہ در آسمان گنجد و نہ زمین احتمال کند متصف گردانید و در جبلت او خاص اوصاف جہانگیری ولوازم اخلاق جہانداری منظور گردانید و در رگ رگ وموئے موئے او جمشیدی وکیخسروی سرشتہ وبہیچ کسے فرمانروائی ربع مسکون قرار نمیگرفت او را آراستہ وسینۂ او را آئینہ گرداننے کہ بر جن وانس آمرشود پیراستہ"

اسی قسم کے الفاظ لکھتے لکھتے بطور طنز کہتا ہے کہ۔

"و در زمانۂ اخیر جمشیدی وفریدونی ظاہر شدہ و در اعصار وابسیں سلیمانی وسکندری ظاہر گشتہ"

آگے چلکر کہتا ہے کہ

"خواستے کہ در جہان کیومرثی وفریدونی کند وبر عالمیان جمشیدی وکیخسروی سرافرازی ورزد وبمرتبۂ سکندری کفایت نماید ومرتبت سلیمانی متعالی گردد وامر او بر جن وانس نفاذ یابد واحکام نبوت وسلطنت از دار السلطنت او صادر شود وپادشاہی را با پیغمبری جمع کند ومن در مشاہدۂ علو ہمت کہ او اعجب العجائب آفرینش بود حیران وسراسیمہ میگشتم کہ اگر ہمت آں پادشاہ را بہمت فرعونی ونمرودی تشبیہ کنم کہ علو ہمت ایشاں جز خدائے کردن وبندگان خدائے را در ربقۂ بندگی خود در آوردن در دل مقام نکردہ است وحصول ہیچ دیگر جز خدائے متفوق گشتہ نتوانم زیرا کہ اداء صلوٰۃ خمسہ واعتقاد اسلامی موروث وسائر طاعات وعبادات سلطان محمد مانع ایں چنیں اعتقادے میشود"

ضیائے برنی کے ان الفاظ کو سلطان محمد تغلق کی مدح وثنا سمجھ لیا اسکی نسبت گالیاں تصور کر لو۔ اسی قسم کی تو تعریفیں عبارت میں ضیائے برنی نے مسلسل آٹھ دس صفحے رنگ ڈالے ہیں جن میں سلطان محمد تغلق کی ہجو اور ہجو ملیح کے سوا کوئی مضمون نہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسکے سینہ میں انتقام کا ایک سمندر موجزن ہے جس میں کسی طرح سکون پیدا نہیں ہوتا۔ اسکے بعد دوسرے باب میں وہ سلطان محمد تغلق کی حماقتیں اور غلط کاریاں گنوانی شروع کر دیتا ہے اور اسی قسم کا مخصوص اداے بیان اختیار کرتا ہے۔ ایک سب سے بڑا ظلم ضیائے برنی نے محمد تغلق پر یہ کیا ہے کہ جابجا اس بات کی شکایت

کرتا ہے کہ سلطان محمد تغلق نے پُرانے زمانے کے اکثر ضوابط و آئین منسوخ کر کے نئے ضوابط جن کا نام اُس نے اسلوب رکھا تھا ایجاد کیے اور سلطنت کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جس کے متعلق نئے اسلوب جاری نہ کیے ہوں وہ ان اسالیب جدیدہ کے جاری کرنے کو بُرا تو بار بار بتاتا ہے لیکن ان جدید ضوابط کو پیش نہیں کرتا۔ ایک جگہ کہتا ہے کہ یہ نئے ضوابط عقلی اور منطقی طور پر تو بڑے اچھے تھے لیکن ان پر عمل کرنا اور ان کا رائج ہونا دشوار تھا یہاں بھی کسی ایسے ضابطے کو بطور مثال نقل نہیں کیا تاکہ کتاب کے پڑھنے والے کو کچھ تو اندازہ ہو جاتا کہ وہ نئے قوانین کس قسم کے تھے اور جو منسوخ کیے گئے تھے وہ کیسے تھے یہ تذکرہ آگے بھی آنے والا ہے۔

بہرحال ضیائے برنی کی تاریخ کا بغور مطالعہ کرنے والے کو اس بات کا اقرار کرنا پڑے گا کہ مولانا ضیاء الدین برنی کو سلطان محمد تغلق سے نفرت تھی اور انھوں نے بڑی قابلیت اور ہوشیاری کے ساتھ واقعہ نگاری میں دروغ بیانی کو دخل دیئے بغیر اور اپنے مرتبہ تاریخ نگاری کی بظاہر حفاظت کرتے ہوئے ایسا طرز عمل اختیار کیا اور اسکے حالات کو اس طرح ترتیب دیا کہ اسکی خوبیاں زیر حجاب آگئیں۔

محمد تغلق کا جامع اضداد ہونا

محمد تغلق کے حالات معلوم کرنے کے لیے ضیائے برنی جیسے لائق اور ہم عہد مورخ سے بہتر دوسرا شخص نہیں مل سکتا تھا لہٰذا بعد کے ہر ایک مورخ نے ضیائے برنی کی تاریخ کو محمد تغلق کے لیے سب سے بہتر اور مستند تاریخ سمجھا۔ جو کچھ اور جس طرح وہ لکھ گیا تھا اسی کی نقل سب نے اپنے اپنے الفاظ میں کر دی اور اس طرح تاریخ کا ایک مسلمہ مسئلہ یہ بن گیا کہ سلاطین عالم میں محمد تغلق بہت بڑا عقلمند اور بہت بڑا بیوقوف بہت بڑا خوش اخلاق اور بہت بڑا بد خلق۔ بہت بڑا متواضع و منکسر المزاج اور بہت بڑا جابر و متکبر۔ بہت بڑا رحمدل اور بہت بڑا ظالم و سفاک مختصر یہ کہ جامع اضداد سلطان گذرا ہے۔ مانا کہ خوارق عادات کا ظہور دنیا میں وقتاً فوقتاً ہوتا رہا ہے لیکن فہم و فراست سے کام لینے اور واقعات کی چھان بین میں خوب سوچنے سمجھنے والوں کو اپنے دل کی تسکین حاصل کرنے اور امکانی کوشش کو انتہا تک پہونچانے سے روکنے کا حق غالباً کسی کو حاصل نہیں۔ تعجب ہے کہ اضداد کے جمع ہونے کو محال قرار دیکر دنیا کے بڑے بڑے پیچیدہ معقولی و منطقی مسائل تو طے کیے جائیں لیکن محمد تغلق کے معاملے میں ضیائے برنی کی تاریخ

فیروز شاہی کو پیش کر کے اُس محال کو ممکن و موجود بلکہ محسوس و مشہود کا جامہ پہنا دیا جائے

ضیائے برنی محمد تغلق سے کیوں ناراض تھا ہمکو تاریخی مطالعہ کرنے والے طالبعلم کے اس سوال کا جواب ضرور دینا چاہیے کہ ضیائے برنی کو محمد تغلق سے نفرت کیوں تھی اور محمد تغلق کی اصل تصویر جسکو ضیائے برنی نے چھپا دیا ہے کیسی تھی ؟

اس سوال کے پہلے حصے کا جواب جو پروفیسر گارڈنر براؤن کے متذکرۂ بالا مضمون میں موجود ہے اس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ" ضیائے برنی ایک مذہبی خیال کا شخص تھا وہ مسلمان مولویوں کے اقتدار کا خواہاں تھا۔ محمد تغلق علمائے دین کی ماتحتی میں رہنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ ہندوؤں کے ساتھ بڑی بڑی رعایتیں اور احسانات کرتا اور انکے اقتدار کو بڑھاتا تھا اس لیئے ضیائے برنی محمد تغلق سے خوش نہ تھا۔ پروفیسر صاحب ممدوح کے نزدیک محمد تغلق اسی قسم کا وسیع المشرب بلکہ لا مذہب شخص تھا جیسا کہ اُس سے دو سو سال کے بعد ہندوستان کا پادشاہ اکبر تھا۔ جس طرح اکبر کی ہندو نوازی سے بعض مسلمان ناخوش ہوئے اسی طرح ضیائے برنی محمد تغلق سے ناخوش ہوا" میں اس جواب کو صحیح اور غلطی سے پاک نہیں سمجھتا۔ محمد تغلق کی ہندو نوازی لا مذہبیت کی وجہ سے ہرگز نہ تھی وہ سچا پکا مسلمان۔ پابند صوم و صلوٰۃ اور انتہا درجہ کا متبع شریعت تھا۔ اُسنے ساری عمر کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا۔ کبھی زنا کے پاس نہیں پھٹکا۔ حضرت شاہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو اُن کے جنازے کو اس سلطان نے خود کاندھا دیا اور کفن دفن میں آخر تک معمولی آدمیوں کی طرح شریک رہا۔ خود ضیائے برنی کو سلطان کی پابندئ شرع کا اقرار ہے وہ کہتا ہے کہ۔

"باریتعالیٰ سلطان محمد را از عجائبات آفرینش در وجود آوردہ و ادراک کمالات و صفات متضادہ او در حوصلۂ علم علما و عقل عقلائی گنجد و بحیرت العقول ثمرہ میدہد و چگونہ در اوصاف او حیرت و سراسیمگی بار نیارد کہ شخصیے را کہ اسلام مو رو ثی بود و پنج وقت نماز فرائض ادا کند و ہیچ مسکرے از مسکرات نہ چشد و از زنا و لواطت و نظر بحرام و خیانت نورزد و ہیچ قمارے نبازد و از فسق و فجور مستعد اجتناب و احتراز نماید و ایں ہمہ خون مسلمانان سنی و مومنان صافی اعتقاد چوں جوئے آب بر طریق سیاست پیش در اخول سلطانی رواں گرداند و آنچناں بسیاری سیاست اہل اسلام کہ قطرۂ خون ایشاں

عنداللہ عزیز تر از دنیا و ما فیہا ست دل او نہ ہراسد۔"

دیکھو سلطان کی وہ تمام خوبیاں جو اسکے سچے پکے مسلمان ہونے کی دلیل ہیں بیان کرنے کے بعد اس بات کی شکایت کرتا ہے کہ وہ اپنے دروازے کے سامنے مسلمانوں کا خون بہانے میں ذرا تامل نہیں کرتا۔

ناراضی کی وجہ ہندو نوازی نہ تھی ضیائے برنی اس بات کا شکوہ نہیں کرتا کہ سلطان ہندوؤں پر کیوں مہربان ہے یا ہندوؤں پر سختی کیوں نہیں کرتا بلکہ وہ بار بار اور بڑے جوش و غضب کے لہجے میں یہی کہتا ہے کہ محمد تغلق کو مسلمانوں کے قتل کرنے اور مسلمانوں کو اذیت پہونچانے میں ذرا تامل نہیں۔ اول سے آخر تک محمد تغلق کا تمام حال تاریخ برنی میں پڑھ جاؤ۔ بیسیوں جگہ اس کو اسی بات کا شاکی پاؤگے کہ محمد تغلق مسلمانوں کے قتل کرنے اور سزا دینے میں بہت بیباک ہے۔ لیکن ہندو نوازی کا شکوہ کہیں نظر نہ آئے گا اوپر کے اقتباس میں بھی ضیائے برنی کے آخری الفاظ کو دیکھو کس موثر پیرایے میں لکھے ہیں ضیائے برنی نے صرف ایک جگہ ہندوؤں کے معاملے میں محمد تغلق کی شکایت کی ہے جہاں یہ ذکر کیا ہے کہ ہندوؤں نے دھوکا اور فریب دیکر چاندی سونے کے سکے تانبے کے سکوں کے عوض جمع کر لیئے اور خوب مالدار ہو گئے۔ لیکن سلطان نے کوئی تدارک نہیں کیا اور ناجائز طور پر فراہم کیا ہوا روپیہ ہندوؤں سے واپس نہیں مانگا۔ یہ ایک بہت ہی معمولی سی بات ہے جو بالکل مبیاختگی کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ ضیائے برنی محمد تغلق سے اسلیئے ناراض نہ تھا کہ وہ ہندو نواز کیوں ہے اگر ایسا ہوتا تو وہ ہندو نوازی کی ہجو میں دریا بہا دیتا اور خوب آزادی سے لکھتا لیکن وہ زمانہ آجکل کا زمانہ نہ تھا جبکہ مسلمانوں کی سلطنت ہندوستان سے مٹ جانے کے بعد ہندو مسلمانوں کے درمیان رقابت اور مخالفت کے طوفان برپا ہیں۔ اسلام نے غیر مسلم رعایا کے ساتھ بے انصافی کرنے اور ان پر ظلم و ستم روا رکھنے کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں دی اور مسلمانوں نے اپنے عہد حکومت میں کبھی بھولکر بھی اس کا خیال نہیں کیا۔ محمد تغلق کی ہندو نوازی کا سبب اس کا مسلمان اور پابند شرع ہونا تھا نہ لامذہب ہونا۔ جیسا کہ پروفیسر گارڈنر براؤن نے سمجھا ہے۔ ضیائے برنی کا محمد تغلق سے ناراض ہونا بھی اس لیئے نہیں تھا کہ وہ ہندو نواز تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ وجہ ناراضی کسی طرح چھپ نہیں سکتی تھی۔

ضیائے برنی کی مذہبیت

پروفیسر موصوف کا یہ کہنا بھی کہ ضیائے برنی ایک مذہبی شخص تھا کسی قدر تشریح طلب ہے۔ ضیائے برنی نے اور اسی قریبی زمانے کے دوسرے مؤرخ شمس سراج عفیف نے جو تاریخیں لکھی ہیں وہ دونوں ایک ہی نام یعنی تاریخ فیروز شاہی کے نام سے موسوم ہیں میرے سامنے اسوقت دونوں کتابیں موجود ہیں میں نے دونوں کا بار بار بغور مطالعہ کیا ہے شمس سراج عفیف بھی اگرچہ گور پرستی اور بدعات کی جانب بہت مائل ہے تاہم اس میں مذہبیت زیادہ ہے اسکے مقابلے میں ضیائے برنی کو مذہبی شخص کہتے ہوئے دل ہچکچاتا ہے۔ ضیائے برنی نے خاندان غلامان کے آخری بادشاہ کیقباد کی امرد پرستی و شراب خواری وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے اپنی قابلیت انشاپردازی اور شاعرانہ مضمون آفرینی کا اظہار جس طرح مزے لے کر کیا ہے اور بوڑھاپے میں (کیونکہ اسنے محمد تغلق کی وفات کے بعد تاریخ لکھنی شروع کی تھی) جس حسرت کے ساتھ اپنی رندمشربی کا پتا دیا ہے وہ پڑھنے اور سمجھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے اور پڑھنے والے کو مجبوراً یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ ضیائے برنی ایک منشی۔ امیرزادہ ذی عزت۔ ہوشیار۔ سلیقہ شعار۔ عالموں اور صوفیوں کا صحبت یافتہ سب کچھ سہی لیکن علم دین کا عالم نہ تھا نہ پابندئ شرع کا اس کو خیال تھا۔ عام پڑھے لکھے مسلمانوں کو جسقدر دینی واقفیت ہوا کرتی ہے وہی اسکو بھی حاصل تھی دینی معلومات اور دینی مسائل میں غور و انہماک اسکو میسر نہ تھا شمس سراج عفیف اپنی کتاب میں جابجا آیات قرآن و احادیث نبوی کو نہایت بے ساختگی اور سلیقہ سے نقل کرتا ہے لیکن ضیائے برنی کے یہاں یہ چیز بہت ہی شاذ ہے شمس سراج عفیف نے کسی جگہ بھی متانت و سنجیدگی کو ہاتھ سے نہیں دیا لیکن ضیائے برنی کی تاریخ کے بعض صفحات جہاں وہ کسی جشن یا مجلس عیش کا ذکر کرتے ہوئے اپنی جادو نگاری کا اظہار کرتا ہے اس قابل نہیں ہیں کہ کوئی بیٹا اپنے باپ کو یا کوئی باپ اپنے بیٹے کو پڑھ کر سنا سکے۔ لہذا جس طرح محمد تغلق کو مذہب سے بے پروا کہنا اور اس کی ہندو نوازی کا سبب لامذہبیت بتانا غلط ہے اسی طرح ضیائے برنی کی مذہبیت کو ضیائے برنی کی ناراضی کا سبب قرار دینا بھی سراسر غلط ہے

بدعات مراسم و اوہام پرستی کا طوفان

محمد تغلق کے ساتھ ضیائے برنی کی ناراضی و نفرت کے اسباب تلاش کرنے میں اس زمانے کے ممالک اسلامیہ کی حالت پر بھی [illegible]

پر غور نظر ڈالنی ازبس ضروری ہے ورنہ اصل حقیقت سمجھ میں نہیں آسکے گی۔ ساتویں صدی ہجری کے وسط میں فتنۂ "تاتار" نے بغداد کے اندر خلافت عباسیہ کا چراغ گل کر دیا اور عالم اسلامیہ میں سخت اتھل پتھل اور افراتفری برپا ہوئی تو ہزارہا مسلمانوں نے دنیوی کاموں اور اس مادی دنیا کی سرگرمیوں سے متنفر و مایوس ہو کر گوشہ نشینی اور ترک علائق کے بعد خاموش زندگی شروع کی۔ جابجا صوفیوں کی خانقاہیں آباد نظر آنے لگیں یہی خانقاہیں مسلمانوں کا قبلہ توجہ بن گئیں اور اس قسم کے نغمے سنائی دینے لگے۔

بہ گردِ کعبہ کے گردم کہ روئے یار من کعبہ

طوافِ یار خود گردم بہ بوسم پائے مستاں را

تبت۔ منگولیا۔ ترکستان۔ خراسان۔ ایران۔ عراق۔ شام۔ آذربائیجان سب مغلوں کے زیر نگیں تھے جو غیر مسلم اور مسلم کش تھے۔ بعض عالموں اور بعض صوفیوں نے ان کافر مغلوں کو اسلام کی خوبیوں سے واقف کرنے کی مبارک کوششیں کیں۔ غیر مسلم فرمانرواؤں کو مسلمان بنانے اور اسلام کی طرف متوجہ کرنے کی مشکلات کے ساتھ ایران و خراسان کی اس مخصوص آب و ہوا نے جو ابو مسلم خراسانی اور عباسیوں کی خفیہ سازشوں کے زمانے سے موجود اور حسن بن صباح اور اسکے جانشینوں کی مسلسل کوششوں کے سبب طوفان الحاد بن چکی تھی بلکہ تصوف کی خانقاہوں کو ایک ایسے قالب میں ڈھال دیا کہ بمشکل ان کو نیم مذہبی ادارات کہا جا سکتا تھا۔ حکومت کے چھن جانے کے بعد جیسا کہ ہر ایک قوم کے اخلاق معاشرت۔ تمدن۔ خیالات اور ہمت و حوصلہ پر گہرا اثر پڑا کرتا ہے اسی طرح مسلمانوں کی قوم بھی متاثر ہوئی۔ وسعت حوصلہ کی بجائے تنگ دلی اور کوتاہ نظری پیدا ہونے لگی۔ مذہب پر یہ اثر پڑا کہ بات بات پر کفر و الحاد کے فتوے عالم نما جاہلوں کی طرف سے صادر ہونے لگے۔ حکمتِ شریعت جس کا نام تصوف تھا وہ بھی ایک عجیب و غریب قالب میں ڈھل گئی اور تصوف اپنے اصل مفہوم سے بالکل جدا ہو گیا۔ جاہ پرستی و دنیا طلبی کے جذبے نے بیدار ہو کر مسلمانوں میں دین کو دنیا پر قربان کرنے کا طوفان برپا کر دیا۔

ہندوستان میں جن مسلمانوں نے اسلامی شہنشاہی قائم کی تھی وہ سب جنگی خاندان اور سپاہی پیشہ لوگ تھے نومسلموں کی ایک بڑی تعداد مبلغین اسلام اور صوفیائے کرام کی کوششوں سے موجود ہو گئی تھی جن میں وہ نومسلم بھی شامل تھے جو خود خلیفہ بنا

کو مغلہ یا مولا یا نو مسلم کہا جاتا تھا
مسلمان ہو کر اسی ملک میں رہ پڑے تھے اور ان
محمد تغلق بغداد کی تباہی سے ساٹھ ستر سال بعد تخت نشین ہوا تھا۔ اس ساٹھ یا ستر سال
میں سادات و شیوخ کی ایک بہت بڑی تعداد خراسان و ایران و عراق سے پہلی مرتبہ
ہندوستان میں آئی۔ ہندوستان کی اسلامی سلطنت نے چونکہ مغلوں کو ہندوستان میں
ذرا بھی قدم جمانے کا موقع نہیں دیا اور ہر مرتبہ ان کو شکست دے دے کر بھگا دیا تھا لہذا
سادات و شیوخ کا مذکورہ سیلاب ہندوستان کی طرف متوجہ ہو گیا ان باہر سے آنیوالے
مسلمانوں میں بڑی تعداد انھیں لوگوں کی تھی جو خراسان و ایران کی خانقاہوں سے متاثر
اور ان کی عظمت کے قائل تھے۔ ساتھ ہی ملاحدۂ الموت بھی جنکی سلطنت بغداد کی تباہی
سے ایک سال پہلے برباد ہو چکی تھی۔ قہستان سے ہندوستان ہی میں بھاگ آئے تھے
اور یہاں آکر ہندوستان کے مختلف حصوں میں تصوف کی اکثر خانقاہوں کے بانی بنگئے تھے
غرضکہ جس طرح ایران و خراسان و عراق اور دوسرے اسلامی ممالک میں قرآن و حدیث
کے درس کا رواج کم ہو جانے سے ہزارہا بدعات کے مجموعہ کو اسلام سمجھ لیا گیا تھا اسی طرح
ہندوستان میں بھی بہت سے افعال شرکیہ و بدعیہ نے رواج پاکر اعمال اسلامیہ کا جامہ
پہن لیا اور وحدت وجود کے عقیدے نے ہندو تصوف کو اپنے موافق اور موید پاکر
ہندوستان میں ایک عالمگیر طوفان الحاد برپا کر کے تصوف کے نام سے جاہل مسلمانوں
کی عقیدت و تعظیم کو باسانی اپنی طرف جذب کر لیا۔ سلطان ناصر الدین محمود اور سلطان
غیاث الدین بلبن کے عہد حکومت میں مغلوں کے ستائے ہوئے بہت سے امراء خراسان
و عراق و ایران سے فرار ہو ہو کر ہندوستان آگئے تھے جیسا کہ پہلی جلد یعنی گذشتہ باب میں
بیان ہو چکا ہے ان لوگوں کے ساتھ ہی مذکورہ ملکوں کے صوفیوں اور مذہبی لوگوں کا
سیلاب بھی ہندوستان میں داخل ہو گیا تھا۔ ناصر الدین محمود اور غیاث الدین بلبن کی زبردست
اور منظم سلطنت کے زمانے میں اس جدید سیلاب کا کوئی نمایاں اثر ظاہر نہ ہوا معز الدین کیقباد
کی چار سالہ سلطنت میں جو فسق و فجور اور سخت گمراہی و لامذہبی کا زمانہ تھا۔ باطل کی تمام
قوتوں نے عملی جامہ پہنکر اپنے آپ کو نمایاں کر دیا اور اسی زمانے میں ایران کے ان مزدکی
اعمال نے جو ملاحدۂ الموت کے ذریعہ ہندوستان میں آئے ہندوستان کے شاکت مت
اور بام مارگی عقائد و اعمال کے ساتھ ممتزج ہو کر وہ صورت اختیار کی جسکو افوائہا بعض

مسلمان کہلانے والے قلیل التعداد فرقوں کی مخصوص عہد کی طرف منسوب کردیا جاتا ہے پہلی جلد میں سلطان علاء الدین خلجی کے حالات میں ان بے حیاؤں کے مٹائے جانے کا ذکر ہوچکا ہے سلطان جلال الدین خلجی بہت نیک نیت اور پاک باطن سلطان تھا مگر بوڑھاپے کیوجہ سے نرم دلی عفو اور درگذر کی صفت اسکے مزاج میں بہت بڑھ گئی تھی اور اسی لیئے گذشتہ چہار سالہ بدتمیزیوں کا کما حقہ انتظام نہ ہوا تاہم سیدی مولا جو سلطان بلبن کے عہد حکومت میں وارد ہند ہوا تھا، سلطان جلال الدین خلجی کے عہد حکومت میں مقتول ہوا اور آجتک اسکی حیثیت و حالت کا معمہ حل نہ ہوسکا کسی نے اسکو ولی کامل بتایا اور کسی نے ملحد اور فدائی ثابت کیا اور کہا کہ وہ ہندوستان کی سلطنت اسلامیہ کا تختہ الٹنا چاہتا تھا۔ معزالدین کیقباد ہی کے عہد حکومت کی پیدا شدہ بدتمیزیوں کی شکایت سلطان جلال الدین خلجی ان الفاظ میں کرتا ہے کہ۔

«ہر روز ہندوان مندل زنان و بوق زنان در زیر کوشک من میگذارند و در جون (جمن) می آیند و بت پرستی می کنند و احکام شرک و کفر را در نظر ما قوادگان بے حمیت کہ خود را پادشاہ مسلمان میخوانانیم و بادشاہ اسلام میگویانیم رواج میدہند»

سلطان علاء الدین خلجی کے عہد حکومت میں ملکی انتظام تو بہت اچھا رہا لیکن مسلمانوں کی اصلاح اور پابندی کتاب وسنت کی جانب قطعاً کوئی توجہ کسی نے نہیں کی اور بدعات ولغویات کا طوفان برابر ترقی پذیر اور مسلمانوں کے عقائد و اعمال کو مسلسل ماؤف کرتا رہا غرض ۶۸۵ھ سے ۷۲۵ھ تک چالیس سال کا زمانہ ہندوستان پر ایسا گذرا کہ الحاد وبیدینی اور شرک و بدعت کو شایع ہونے اور رواج پانے کا خوب موقع ملا۔ اس تاریکی میں اگر کسی جگہ دین وملت کی روشنی موجود تھی تو وہ دہلی میں حضرت شاہ نظام الدین اولیاء رحمہ اور انکے تربیت کردہ بزرگوں کے طفیل تھی یا ملتان میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے خاندان اور انکے مریدین کے ذریعہ موجود پائی جاتی تھی۔ انھیں دونوں مرکزوں سے جو لوگ وابستہ تھے وہ جہاں کہیں بھی تھے صراط مستقیم سے نہیں بہکے تھے۔ افسوس اور حسرت کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان ہر دو بزرگوں کے متعلق آجکل جو عام تصور ہے وہ نہایت مسخ شدہ اور اصلیت سے بہت کچھ مختلف ہے۔ انھیں مذکورہ چالیس سال میں قاضی القضاۃ اور شیخ الاسلام کے مناصب بالکل بیکار و معطل اور محض برائے نام رہے

سلطان شمس الدین التمش۔ سلطان ناصر الدین محمود اور سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں امور مذہبی کی حفاظت و نگرانی اور اجرائے احکام شرع کا کام قاضی القضاۃ اور شیخ الاسلام سے متعلق اور یہ محکمہ نہایت زبردست اور با اثر سمجھا جاتا تھا اور اس محکمہ کے ذریعہ شرک و بدعت اور الحاد و بیدینی کے انسداد اور روک تھام کا ضروری اہتمام تھا۔ معز الدین کیقباد کے زمانے سے محکمۂ امور مذہبی ایک کھیل اور تمسخر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ شہروں اور قصبوں سے مذہبی عدالتیں بالکل برطرف ہو گئیں اور کسی بادشاہ یا صوبہ دار یا عامل کو صدور احکام کے لیئے مذہبی مشورہ اور احکام شرع کے معلوم کرنے کی قطعاً ضرورت نہ رہی۔ سلطان محمد تغلق نے پھر از سر نو محکمہ امور مذہبی کو نہایت احتیاط اور مضبوطی کے ساتھ قایم کیا تھا لیکن ابھی تلافی مافات نہ ہونے پائی تھی کہ فتنے برپا ہوئے اور سلطان فیروز تغلق کے زمانے میں وہی خراب حالت پورے جوش کے ساتھ پھر عود کر آئی۔ اس زمانے میں ہندوستان کے اندر اسلام کی صورت عام طور پر کس قدر مسخ ہو چکی تھی اس کا اندازہ کسی قدر سلطان فیروز تغلق کے مندرجہ ذیل الفاظ سے بھی کیا جا سکتا ہے۔

قومے بلباس دہریہ و ترک و تجرید مردماں را گمراہ میکردند و مرید می ساختند و کلمات کفر می گفتند طائفہ ملحدان و اباحتیان جمع شدہ بودند و خلق را بالحاد و اباحت دعوت میکردند و در شبے بمقامے معین جمع می شدند از مردان محرم و غیر محرم و طعام و شراب درمیان می آوردند و می گفتند ایں عبادت ست و زنان و مادران و خواہران یکدیگر کہ دراں شب جمع می آوردند جامۂ ہر کہ بر دست کسے از ایشاں می افتادے با او زنا کردے ۔ پیران ایشاں شیعہ بودند شیعی مذہباں کہ ایشاں را روافض میگویند بسبب رفض و شیعہ مردم را دعوت میکردند و رسالہا و کتابہا دریں مذہب پرداختہ و تعلیم و تدریس پیشہ ساختہ بودند و جناب خلفائے راشدین و ام المؤمنین عائشہ صدیقہ و جمیع صوفیائے کبار رضی اللہ عنہم را سب صریح و شتم قبیح می گفتند و تواطت میکردند و قرآن مجید را ملحقات عثمانی میخواندند رسم و عادتے کہ در دین اسلام جائز نیست و در شہر مسلمانان جبلت شدہ بود کہ عورات در ایام متبرکہ جماعت جماعت پالکی سوار و گردون سوار و ڈولہ سوار و اسپ سوار و ستور سوار فوج فوج و جوق جوق پیادہ از شہر بیروں می آمدند و بمزارہا میرفتند۔"

([illegible])

ہندوستان میں جس طرح شرک و بدعت و الحاد کا طوفان برپا تھا اسی طرح ایران و خراسان و عراق و شام وغیرہ دوسرے ممالک اسلامیہ میں بھی علی قدر مراتب دوسری مختلف رنگتوں اور مختلف حالتوں میں اسی زمانے میں شرک و بدعت کا زور شور پایا جاتا تھا۔

مردان باخدا اس دور فتن میں جس شخص نے امت مسلمہ کی سب سے زیادہ رہبری اور خدمت تجدید و اصلاح کا کام انجام دیا وہ حضرت شیخ الاسلام تقی الدین امام ابن تیمیہ حرانی رحمۃ اللہ علیہ تھے جو مسلمانوں میں آٹھویں صدی ہجری کے مجدد تسلیم کیئے گئے اور جنھوں نے حدیث نبوی اِنَّ اللّٰہَ یبعث لھٰذہ الامۃ علیٰ راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا (ابوداؤد بروایت ابی ہریرہ) کے موافق آٹھویں صدی ہجری کی ابتدا میں اپنے فرائض مجددیت کو بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیکر شرک و بدعت کے طوفان کا بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ آپ نے ایک بہادر سپہ سالار کی حیثیت سے بھی کافروں کے مقابلے میں تلوار چلا کر صف قتال میں دشمنوں کی گردنیں اڑائیں۔ وعظ و پند اور درس و تدریس کے ذریعہ بھی علم و حکمت کی روشنی پھیلائی تحریر و تصنیف کے ذریعہ بھی وہ سامان فراہم کر دیا جو آج تک شرک و بدعت کے آہنی قلعوں کو ریزہ ریزہ کر دینے کے لیے کام میں لایا جا رہا ہے آپ نے مسلمانوں کی تنگدلی اور کافر سازی یعنی کفریہ فتووں کے نامعقول رواج کو روکنے میں بھی بڑی مؤثر کوششیں فرمائیں اور عالم اسلام کی عام بیماریوں کی صحیح تشخیص کے بعد درپے علاج ہوئے۔ آپ نے وحدت وجود کے عقیدے کی تردید میں حضرت شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی کے معتقدین کی ناراضی کا بھی مطلق خیال نہیں کیا۔ تبلیغ دین حنیفی کے لیئے بادشاہوں کے درباروں اور دور دراز ملکوں میں آپ کے شاگردوں خادموں اور آپ کے خطوط نے بڑے بڑے عظیم الشان کام انجام دیئے اس جگہ امام ممدوح کی عظیم الشان کوششوں کو بالتفصیل بیان کرنے کا موقع نہیں ہے۔

جیسا کہ ہر ایک حامی حق کی مخالفت دنیا میں ضرور ہوا کرتی ہے حضرت امام ابن تیمیہ کی بھی مخالفت ہوئی اور انکی زندگی کا ایک حصہ سنت یوسفی کے پورا کرنے یعنی جیلخانہ کی سختیاں سہنے میں گذرا مگر وہ اپنے کام سے غافل نہیں ہوئے اور اُن آخری چند سال میں جبکہ وہ دمشق کے قلعے میں محبوس و نظر بند تھے انکے مشن کو

سب سے زیادہ کامیابی اور وسعت حاصل ہوئی ۷۲۶ھ میں ابن بطوطہ بھی دمشق پہونچکر
اُن کے وعظ و درس سے مستفیض ہوا۔ ذیقعدہ ۷۲۸ھ میں امام ممدوح نے بحالت
قید وفات پائی تو دمشق میں ڈھائی لاکھ اور ایک دوسری روایت کے مطابق پانچ
لاکھ آدمی اُن کے جنازے کے ہمراہ تھے۔ ملک چین میں بھی مسلمانوں نے ان کی وفات
کا حال سنکر نماز جنازہ غائبانہ ادا کی اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کی اور انکے مشن
کی شہرت و کامیابی کس قدر وسیع تھی۔ اب بڑی آسانی سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے
کہ ہندوستان جہاں ایک اسلامی سلطنت قائم تھی حضرت امام ممدوح کے دائرہ اصلاح
و تجدید سے باہر اور بے نصیب نہیں رہ سکتا تھا۔ اُس زمانے میں مصر و شام کے اندر یہاں کے
لوگوں کا موجود ہونا اور وہاں کے لوگوں کا ہندوستان میں آنا جبکہ تاریخوں اور علماء کے
تذکروں سے ثابت ہے تو شرک و بدعت اور اوہام پرستی کے استیصال کی تحریک کا
ہندوستان تک پہونچنا ذرا بھی خلاف توقع نہیں بلکہ اس خالص دینی تحریک کا ہندوستان
تک جہاں بدعات و مراسم پرستی کے طوفان برپا تھے نہ پہونچنا سخت حیرت انگیز ہوتا
چنانچہ ہندوستان میں کتاب و سنت کے داعی ضرور آئے جنکے مقاصد میں اشاعت علم
حدیث کے ساتھ تنظیم بین المسلمین اور مفید اسلام سیاسی امور بھی شامل تھے۔ انھیں لوگوں
میں سے مولانا شمس الدین ابن الحریری جو مصر کے حنفی قاضی اور حضرت امام ابن تیمیہ رحمہ
کی حمایت کے سبب عہدۂ قضا سے معزول کر دیئے گئے تھے ۸۰۰ھ میں بعہد سلطان
علاء الدین خلجی ہندوستان آئے اور حدیث کی چار سو کتابیں اپنے ہمراہ لائے۔ غالبًا
یہ سب سے پہلا قابل تذکرہ ذخیرۂ احادیث تھا جو ہندوستان میں آیا۔ انھوں نے ملتان
میں اپنے ہمنام شیخ شمس الدین فضل اللہ رحمہ کے پاس قیام کیا انکے مرید بھی ہوئے اور
یہاں مولانا شمس الدین ترک کے نام سے مشہور ہوئے (اُس زمانے میں ہندوستان کے
اندر مصری اور رومی لوگوں کو حکومت سلجوقیہ کی وجہ سے عام طور پر ترک کہا جاتا تھا
مثلاً خواجہ احمد ایاز کو بھی اس زمانے کے مؤرخین خواجہ احمد ایاز ترک لکھتے ہیں حالانکہ خواجہ
احمد ایاز رومی تھا اور بھی کئی مصری اشخاص اس زمانے میں ہندوستان کے اندر ترک کہلاتے
تھے) دینی معاملات میں سلطان علاء الدین خلجی کی غفلت و بے راہ روی کا حال سنکر
اُسکے پاس اشاعت علم حدیث کی ضرورت و اہمیت پر ایک رسالہ لکھ کر بھی بھیجا اور

خود یہاں کے حالات سے واقف ہو کر ملتان ہی سے واپس چلے گئے۔ ضیائے برنی نے اُن کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے کہ۔

"محدثے بے نظیر عالم کہ او را مولانا شمس الدین ترک میگفتند و در ملتان چہار صد کتاب حدیث برابر آوردہ بود چوں شنید کہ سلطان علاء الدین نماز نمیگذارد و در جمعہ نمی آید پیشتر نیامد و مرید شیخ شمس الدین فضل اللہ پسر شیخ الاسلام صدر الدین شد و از انجا کتابے در علم حدیث شرح کردہ در مدح سلطان مبالغت نمود و با یکرسالہ پارسی بر سلطان فرستاد و در آں رسالہ نوشتہ کہ من از مصر قصد خدمت پادشاہ شہر دہلی کردہ بودم و تا از برائے خدائے و مصطفےٰ را مذہب علم حدیث در دہلی ثابت کنم و مسلماناں را از عمل کردن روایت دانشمنداں بیدیانت برہانم ولیکن چوں شنیدم کہ پادشاہ نماز نمیگذارد و در جمعہ حاضر نمیشود ہم از ملتان باز گشتم"

آگے چلکر اسی سلسلے میں مولانا شمس الدین ترک سلطان خلجی کو لکھتے ہیں کہ۔

"شنیدہ ام کہ در شہر تو احادیث مصطفےٰ ترک می آرند و نمی دانند کہ دراں شہر کہ باوجود حدیث عمل بروایت کنند آں شہر چگونہ خشت نشود و بلاہائے آسمانی دراں شہر نبارد و شنیدہ ام کہ در شہر تو دانشمنداں بدبخت سیاہ روئے کتابہا و فتاواہائے شقاوت در مسجدہا پیش نہادہ نشستہ اند و حیل می ستانند و بتاویل و تزویر و حیلہ ہائے گوناگوں حق مسلماناں باطل می کنند و خود ہم غرق می شوند۔"

مبلغین احادیث نبوی نیز متکلمین کی آمد کا سلسلہ اسکے بعد بھی جاری رہا چنانچہ قاضی عضد الدین بن عبد الرحمن مصنف متن مواقف جو علم کلام کے امام سمجھے جاتے ہیں عہد علائی کے آخری ایام میں ہندوستان تشریف لائے اور دیپالپور میں قیام فرماکر محمد تغلق کو کئی سال تعلیم دیتے رہے انہیں کے فیض صحبت کا نتیجہ تھا کہ محمد تغلق میں انتہائی روشن خیالی پیدا ہو گئی تھی۔ قاضی عضد الدین یہاں سے شیراز پہونچے اور چند روز کے بعد ابو اسحٰق والی شیراز کی مصاحبت میں داخل ہوئے اسکے بعد اور بھی روشن خیال علماء ہندوستان میں آتے رہے ملتان میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمہ ایسے بزرگ تھے جنکے تعلقات شام و مصر و عراق وغیرہ کے عالموں سے ہمیشہ قائم رہے اُنکی خدمت میں دوسرے ممالک کے طلباء اور علماء آتے رہتے تھے۔ خود اُنکے داماد حضرت فخر الدین عراقی رحمہ جو مشہور شاعر بھی تھے

دمشق جا کر ۶۶۶ھ میں فوت ہوئے اُن کے بیٹے اور پوتے بھی حجاز و شام و عراق و مصر جا جا کر رہتے اور ہندوستان واپس آتے رہے۔ خود حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رح وہ بزرگ تھے جنھوں نے شام و عراق وغیرہ میں پندرہ سال مسلسل علم حدیث کی تحصیل مختلف اساتذہ سے کی۔ پھر حضرت شیخ کمال الدین یمنی سے جن کا شمار محدثین کبار میں ہے مدینہ منورہ میں ترپن سال تک حدیث پڑھتے اور دوسروں کو پڑھاتے رہے اسکے بعد مدینہ سے بغداد آکر شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صرف سترہ روز کی صحبت کے بعد حضرت قدس خلافت حاصل کر کے شیخ الشیوخ ممدوح کے حکم کے موافق ملتان آئے اور یہاں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا اُن کے بیٹے حضرت شیخ صدر الدین عارف رحمہ رات دن قرآن کریم کے پڑھنے اور اس پر تدبر کرنے میں خاص طور پر مصروف رہتے تھے اُن کو فہم قرآن میں وہ اعلیٰ مرتبہ حاصل تھا کہ اس زمانے میں اپنا نظیر نہ رکھتے اور اسی لیئے عارف کے لقب سے مشہور تھے مولانا علم الدین نبیرۂ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمہ حضرت امام ابن تیمیہ رحمہ کے صحبت یافتہ اور سلطان محمد تغلق کو سب سے زیادہ بدعات و اوہام پرستی کے قلع قمع پر آمادہ کرنے والے شخص تھے۔ بعد کے لوگوں نے ملتان کے اس محترم خاندان کے ساتھ جو جو باتیں اور جو جو حکایتیں اپنی جاہلانہ خوش عقیدگی کی راہ سے چسپاں کیں اُن کی وجہ سے آجکل اس بات کا تسلیم کرنا بھی دشوار ہوگیا ہے کہ ان بزرگوں کو قرآن و حدیث سے بھی کوئی تعلق تھا یا نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بالکل یہی حالت حضرت شیخ نظام الدین اولیا رحمہ کی ہے جنھوں نے اوّل مولانا علاء الدین اصولی سے علم دین پڑھا اور پچیس سال کی عمر تک بدایوں میں مصروف تحصیل علم رہ کر دہلی آئے اور دہلی کے سب سے بڑے عالم علم دین خواجہ شمس الدین خوارزمی کی خدمت میں انتہائے شوق و التفات کے ساتھ مقامات حریری ختم کی پھر علم حدیث کی تحصیل میں خصوصیت سے مصروف ہوئے پھر منہاج سراج مصنف طبقات ناصری کے حلقہ درس میں شامل ہوئے پھر مولانا نجیب الدین متوکل برادر شیخ فرید الدین مسعود گنجشکر رحمہ سے کسب علوم کے بعد انھیں کی رہبری سے حضرت خواجہ گنجشکر رحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جنکی مجلس میں مولانا بدر الدین اسحٰق بخاری جامع معقول و منقول اور مولانا شیخ جمال الدین ہانسوی وغیرہ متبحر علما پہلے سے موجود تھے

وہاں سے فیض روحانی حاصل کرنے کے بعد دہلی آکر مخلوق خدا کی تعلیم و تربیت میں مصروف ہوئے کوئی بے علم یا کم علم شخص آپ کے پاس مرید ہونے کو آتا تو آپ حکم دیتے کہ اول علم دین حاصل کرو۔ آپ اپنے مریدوں اور شاگردوں کو نصیحت فرماتے کہ۔

زاہد بے علم مسخرۂ شیطان باشد

آج اگر حضرت شاہ نظام الدین اولیاء رحمہ کے نام لیواؤں کی خدمت میں کسی حدیث صحیح کو پیش کرکے کسی غیر مشروع بات کے ترک کرنے کی فرمائش کی جاتی ہے تو وہ اپنی آبائی تقلید جامد کی دلدل سے نکلنے پر ہرگز رضامند نہیں ہوتے لیکن سلطان غیاث الدین تغلق نے آپ کے خلاف ترپن مولویوں کو جمع کیا اور اُن سب مولویوں نے آپ کو مجرم و گنہگار قرار دیا۔ سلطان نے حضرت نظام اولیا رحمہ کو ان مولویوں کے روبرو بلاکر جواب طلب کیا۔ قاضی رکن الدین قاضی شہر جو آپ کا سخت مخالف تھا ان ترپن مولویوں کی طرف سے آپ کے ساتھ گفتگو اور مباحثہ کرنے کے لیئے منتخب ہوا۔ آپ نے اپنے طرز عمل کی تائید میں حدیث نبوی پیش کی۔ قاضی رکن الدین نے کہا کہ تم جبکہ مقلد ہو تو حدیث کیوں پیش کرتے ہو امام ابو حنیفہ رحمہ کا کوئی قول پیش کرو حضرت نظام اولیاء رحمہ نے فرمایا کہ او نادان! تو قول مصطفےٰ کو سنکر بھی مجھ سے قول ابو حنیفہ کا مطالبہ کرتا ہے؟ فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں۔

الغرض پادشاہ قاضی رکن الدین را کہ حاکم شہر بود و بعداوت شیخ (نظام اولیاء) تفاخر داشت بہ بحث اشارت کرد و او رو بہ شیخ کردہ گفت در بابت سرود و سماع چہ حجت داری شیخ بحدیث نبوی السماع لاھلہٖ متمسک گشت۔ قاضی گفت ترا با حدیث چہ کار تو مرد مقلدی روایتے از ابو حنیفہ بیار تا بمعرض قبول افتد شیخ گفت سبحان اللہ حدیث صحیح مصطفوی نقل میکنم و تو از من روایت ابو حنیفہ میخواہی شاید کہ ترا رعونت حکومت بریں میدارد .... و پادشاہ چوں حدیث پیغمبر شنید متفکر شدہ ہیچ نہ گفت"

اس جگہ یہ بھی بتادینا ضروری ہے کہ آج کل کے جاہلوں میں یہ بھی مشہور ہے کہ حضرت امام ابن تیمیہ تصوف اور صوفیوں کے دشمن تھے۔ اس خیال غلط کو صحیح مان لینے سے یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ حضرت امام ابن تیمیہ کے شاگردوں اور ہمخیال لوگوں کو نظام اولیا اور ملتان کے سہروردی خاندان سے کیا حمایت حاصل ہوسکتی تھی لیکن اس خیال خام کو

دور کرنے کے لئے کتاب تقصار جیود الاحرار من تذکار جیود الابرار مصنفہ حضرت نواب صاحب مرحوم کے یہ الفاظ جو امام ابن تیمیہ کی شان میں لکھے ہیں کافی ہیں۔

"در سلوک شانے عظیم داشت حکایات کرامات و روایات برکات او بیش از حصر است"

اسی کتاب میں آگے چل کر دوسری جگہ کتاب مناقب الاولیا کے حوالہ سے مسئلہ سماع کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔

"شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ دریں باب موافق نظام اولیا است"

غرض کہ ہندوستان میں ملتان کا محترم خاندان اور حضرت شاہ نظام الدین اولیاء رحمہ کی ذات با برکات دو ایسے مرکز تھے جہاں کتاب وسنت کے داعیوں کو ہر قسم کی مدد مل سکتی اور سہولت بہم پہونچ سکتی تھی۔ شیخ زادہ دمشقی جس کا اصل نام کسی مورخ نے نہیں لکھا یقیناً انھیں لوگوں میں سے ایک ہے جو تبلیغ حق کے لئے ہندوستان آئے تھے فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں کہ۔

شیخ زادہ دمشقی و عبید شاعر کہ دراں حین بہندوستان آمدہ ملازمت الغ خاں (محمد تغلق) بسر می بردند و کمال تقرب داشتند"

عبید شاعر جسکو عبید حکیم بھی کہا گیا ہے ہندوستان میں نووارد نہ تھا کیونکہ عہد خلجیہ میں بھی اس کا یہاں موجود ہونا ثابت ہے چونکہ عبید شاعر اور شیخ زادہ دمشقی کا نام ساتھ ساتھ لیا گیا ہے اسلئے فرشتہ کو دھوکا لگا ہے کہ عبید شاعر بھی نووارد تھا حالانکہ نووارد حضرت شیخ زادہ دمشقی تھا اور وہ غالباً حضرت نظام اولیاء رحمہ ہی کے ذریعہ شاہزادہ محمد تغلق کی صحبت میں داخل ہوا تھا۔

ریاکار مولویوں اور باخدا لوگوں کا مقابلہ اس زمانے میں مسلمان مولویوں کی کیا حالت تھی اس کا نقشہ ان الفاظ میں موجود ہے جو شیخ شمس الدین رحمہ نے سلطان علاء الدین خلجی کو مخاطب کرکے لکھے ہیں اور جو اوپر درج ہو چکے ہیں۔ دہلی کے مفتیوں قاضیوں۔ اور مولویوں نے کتاب وسنت کے وعظ اور بدعات کی مخالفت کو زندقہ والحاد و فلسفہ کے خطابات دئیے۔ جامد مقلدین اور اوہام پرست جاہلوں نے جو بدعیہ و شرکیہ مراسم کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے ہمارے زمانے کے

ان لوگوں کی طرح جو فقہ حنفی سے بھی ناواقف ہیں اور علمائے دیوبند کو بھی وہابی۔ غیر مقلد اور کافر تک کہہ دیتے ہیں مخالفت کا شور مچایا۔ حضرت نظام اولیاء رحمہ بہت بڑے آدمی تھے انھوں نے نہ کبھی پہلے ان مفتیوں اور مولویوں کی پرواہ کی تھی نہ اب ان کے شور مچانے سے ان عاملان حدیث اور متبعین کتاب و سنت کی حمایت ترک کی۔ صوفی کبھی مقلد اور مراسم پرست نہیں ہوا کرتا۔ آج اس بات کا سمجھنا بیحد دشوار ہو گیا ہے کہ حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کسقدر وسیع الخیال اور کیسے باخبر بزرگ تھے انکے مریدین اور خلفاء اکثر شافعی مذہب کے پابند علماء بھی تھے چنانچہ مولانا علاء الدین انھیں میں سے تھے۔ مولانا ضیاء الدین سنّامی پابندی شرع اور عمل بالحدیث کے معاملے میں خصوصی شہرت رکھتے تھے شیخ شرف الدین بوعلی شاہ قلندر کی مونچھیں بہت بڑھی ہوئی تھیں کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ انسے مونچھیں کے کٹوانے کی فرمائش کرتا مولانا ضیاء الدین سنامی کو معلوم ہوا تو قینچی لیکر پہونچے اور اپنے ہاتھ سے ان کی مونچھیں کاٹ دیں اسکے بعد قلندر صاحب ہمیشہ اپنی مونچھیں کٹواتے رہتے تھے۔ یہی مولانا ضیاء الدین سماع کے معاملے میں ہمیشہ نظام اولیا پر اعتراض کرتے اور بہ درشتی پیش آتے حضرت نظام اولیاء ہمیشہ اُن سے معذرت کے سوا اور کچھ نہ کہتے۔ جب مولانا ضیاء الدین کو مرض الموت لاحق ہوا تو سلطان المشائخ عیادت کے لیئے گئے مولانا نے اپنی پگڑی سلطان المشائخ کے پاؤں میں ڈالدی اور اپنی درشتی و سخت گیری کی معافی چاہی۔ سلطان المشائخ نے پگڑی اٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگائی اور فرمایا کہ "یکذات بود حامئی شریعت حیف کہ آں نیز نماند" اسی طرح ایک مرتبہ سلطان المشائخ نظام اولیاء کے اکثر مرید کسی مجلس میں موجود تھے وہاں گانا شروع ہوا تو شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے ان کے دوستوں نے باصرار روکنا اور بٹھانا چاہا انھوں نے جواب دیا کہ یہ خلاف سنت ہے دوستوں نے کہا کہ جب تمہارے شیخ گانا سن لیتے ہیں تو تم کیوں نہیں سنتے کیا تم شیخ سے منحرف ہو گئے ہو شیخ نصیر الدین نے جواب دیا کہ "مشرب پیر حجت نمیشود دلیل از کتاب و حدیث باشد" بعض لوگوں نے یہ واقعہ حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں عرض کیا آپ نے سنکر فرمایا "محمود راست میگوید حق آنست کہ او میگوید" فوائد الفواد میں خواجہ حسن حضرت نظام اولیاء رحمہ کی مجلس کا حال لکھتے ہیں کہ "سخن در سماع افتاد یکے از حاضران گفت کہ مگر دریں وقت حکم شدہ است

کہ خدمت مخدوم را ہر وقت کہ باید سماع بشنود او را حلال است خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر (نظام اولیاء) فرمود کہ چیزے کہ حرام است بحکم کسے حلال نشود و چیزے کہ حلال ست بحکم کسے حرام نشود" لیکن نظام اولیاء رحمہ عالم نما جاہلوں مراسم پرست مولویوں۔ قاضیوں اور ریاکار مفتیوں کی جو حدیث نبوی ان من العلم جہلا کے مصداق تھے ذرا بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔ ایسے ہی مولویوں اور فقیہوں کی شان میں مولانا جامی نے فرمایا ہے کہ

عارفے از کوہ بصحرا گذشت	دید عزا نہ دل بدامان دشت
دل زغم وسوسہ پرداختہ	دیدہ ز نیرنگ تہی ساختہ
گفت باو عارف صحرا نورد	کز چہ دریں بادیہ ہرزہ گرد
کار تو در صومعہ و خانقاہ	باز چرا ماندۂ از کارگاہ
تفرقہ بخش صف طاعت نۂ	رخنہ گر سلک جماعت نۂ
رہزن دوران بدل بدسگال	طنز کناں داد جواب سوال
کز برکات علمائے زماں	فارغم از کشمکش این و آں
دشت مرا باز ازیں جد و جہد	حیلہ گریہائے فقیہان عہد
یک تن ازیں طائفۂ بوالہوس	از پئے گمراہی کونین بس

انھیں لوگوں نے حضرت سلطان المشائخ نظام اولیاء رحمہ سے سلطان غیاث الدین تغلق کو بدظن کیا اور اس سے جبکہ وہ بنگالے کے سفر میں تھا حضرت ممدوح کے نام تہدیدی حکم بھجوایا۔ جسکے جواب میں نظام اولیاء رحمہ کی زبان مبارک سے "ہنوز دلی دور است" کا مشہور جملہ نکلا۔

"چوں سلطان تغلق از خدمت شیخ نظام الدین اولیاء رنجیدہ بود بشیخ پیغام نمود کہ چوں من بدہلی برسم شیخ از شہر بدر رود شیخ گفت ہنوز دہلی دور است و ایں لفظ درمیان اہل ہند مثل شدہ است و مشہور است کہ سلطان محمد تغلق را بشیخ ارادت تمام بود و نہایت اعتقاد داشت"

(طبقات اکبری)

ضیائے برنی کے بعض بزرگوں اور اسکے ممدوح علاء الدین خلجی کو حضرت نظام اولیاء رح سے چونکہ عقیدت و ارادت تھی اسلیئے وہ بھی اُن سے عقیدت کا اظہار کرتا تھا لیکن

اُسنے غیاث الدین تغلق اور حضرت نظام اولیا رحمہ کے تعلقات کی کشیدگی اور غیاث الدین تغلق کے مذکورہ گستاخانہ پیغام کا تذکرہ اپنی تاریخ میں اسلیئے نہیں کیا کہ یہ پیغام اُن لوگوں کی سعی و کوشش کا نتیجہ تھا جنکو ضیائے برنی علمائے دین اور مفتیان شرع متین یقین کرتا اور اُن سے دلی ہمدردی رکھتا تھا۔ بالکل اسی طرح مصر کے قاضیوں اور مفتیوں سے حضرت امام ابن تیمیہ رحمہ کے خلاف سلطان مصر کو بھڑکانے کی کوششیں کی تھیں۔

ضیائے برنی کس عقیدہ کا آدمی تھا

خواجہ خطیر و ملک انور جنیدی۔ خواجہ مہذب بزرگ۔ قاضی رکن الدین۔ قاضی سماء الدین وغیرہ وہ لوگ تھے جو حکومت تغلقیہ سے پہلے بھی دینی عالم سمجھے جاتے تھے ان لوگوں کو سلطان غیاث الدین تغلق نے اپنی مصاحبت کا فخر عطا کرکے دربار میں بیٹھنے کی اجازت دے رکھی تھی اور اکثر معاملات میں اُن سے مشورے لیتا تھا۔

"خواجہ خطیر و ملک انور جنیدی و خواجہ مہذب بزرگ کہ دائم نزد بادشاہان سابق عتبار داشتند مواخت و بمواجب و انعام سرفراز گردانیدہ رخصت نشستن مجلس ارزانی فرمودہ قوانین وضوابط سلاطین سابق کہ در باب استقامت ملک و انتظام احوال خلق وضع کردہ بودند از ایشان پرسیدے و تبعیت آں نمودے" (فرشتہ)

سلطان غیاث الدین تغلق انھیں مذکورہ حضرات سے مشورے لیتا تھا اور یہ سب کے سب مراسم پرست تھے۔ ضیائے برنی سلطان غیاث الدین تغلق کی نسبت لکھتا ہے کہ

"قاضیان و مفتیاں و داد بک و محتسبانِ عہد او را آبروئے بس بسیار و آشنائے تمام پیدا آمدہ بود"

پھر آگے چل کر لکھتا ہے کہ۔

"سلطان غیاث الدین تغلق با اعتقاد پاکیزہ آراستہ بود"

پھر آگے چل کر لکھتا ہے کہ۔

"و اعتقاد مسلمانی سلطان تغلق شاہ از کلمات بدمذہباں و معقولیاں و راہ درویشی بددینان ملوث نگشتہ"

غور کرنے کے قابل بات یہ ہے کہ ضیائے برنی نے سلطان غیاث الدین تغلق کے عقیدے کی خوبی اور معقولیوں یعنی بدمذہبوں اور بددینوں کی باتوں سے مجتنب

رہنے کا تذکرہ اس خصوصی اہتمام سے کیوں کیا ہے؟ محمد تغلق کی نسبت بھی ضیائے برنی کے ارشادات سُن لیجیے۔

"با سعد منطقی بد مذہب و عبید شاعر بد اعتقاد و نجم انتشار فلسفی صحبت و مجالست افتاد آمد و شد مولانا علم الدین کہ اعلم فلاسفہ بود در خلوت او بسیار شد و آں ناجوانمرداں کہ مستغرق و مبتلا و معتقد معقولات بودند در مباحثہ و مکالمہ و نشست و خاست علم معقولات را کہ واسطۂ بد اعتقادی مذہب سنت و جماعت و وسیلت ناستوار ای تنبیہات و تحذیرات صدبیت و چہار ہزار نقطۂ نبوت است در خاطر سلطان محمد چناں نشاندند کہ منقولات کتب سماوی و احادیث انبیا کہ عمدۂ ایمان و ستون اسلام و معدن مسلمانی و منبع نجات و درجات است چنانچہ باید و شاید جائے نماند و ہر چہ برخلاف معقول بود نشنیدی بہ یقین در خاطر مبارک او نہ نشستے کہ اگر در دل سلطان معقولات فلاسفہ احاطت نہ کردے و در منقولات آسمانی شوقے و رسوخے بودے باچنداں فضیلت جمیلہ و اوصاف سینہ کہ ذات او بداں متحلی بود ہرگز نتوانستے کہ برخلاف قال اللہ و قال رسول اللہ و قال انبیاء و قال العلماء در کشتن مومنے موحد حکم کند فاما از جہت آنکہ معقولات فلاسفہ کہ مایۂ قساوت و سنگدلی ست تمامی دل او را فرو گرفتہ بود در سیاست مسلماناں و قتل موحداں خوے و طبیعت او گشتہ و چندیں علماء و مشائخ و سادات و صوفیان و قلندران و نویسندگان و لشکریان را سیاست فرمود"

ضیائے برنی کے ان الفاظ کو دو مرتبہ پڑھو اور غور کرو کہ اس زمانہ میں معقولات و فلسفہ کو کیا سمجھا جاتا تھا اور قال العلماء کو کس طرح قال اللہ و قال رسول اللہ کا ہم مرتبہ اور جزو لازم قرار دیا جاتا تھا۔ ضیائے برنی قساوت و سنگدلی اور قتل مسلم کو حقیقت ثابتہ اور علوم متعارفہ کے طور پر معقولات فلاسفہ کا نتیجہ سمجھتا ہے۔ اس بات پر بھی غور کرو کہ ضیائے برنی اوپر کے اقتباس میں ملک سعد الدین کو سعد منطقی بد مذہب کا خطاب کس غیظ و غضب کے ساتھ دے رہا ہے یہ وہی سعد منطقی ہے جو حضرت شاہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد رشید اور مرید با اخلاص ہے جسکو سلطان جلال الدین فیروز خلجی نے حضرت امیر خسرو کے ساتھ شاہ صاحب ممدوح کی اجازت سے اپنی مصاحبت میں داخل کیا تھا اور جس کا ذکر سلطان جلال الدین کے حالات میں ضیائے برنی خود ان الفاظ میں

کر چکا ہے کہ۔

"امیر خسرو از مقربان درگاہ او شد و شغل مصحف داری فرمودہ جامۂ کہ ملوک کبار یافتندے امیر خسرو ہم چناں جامہ با کمر بند سپید یافتے و ملک سعد الدین منطقی را کہ در مجلس شکرستانی بود (یعنی حضرت نظام اولیاء رحمہ کی مجلس میں رہتا تھا) از جامۂ پلاس قلندری بیروں آوردہ در خیل امرا گردانید۔"

یہی ملک سعد الدین یا سعد منطقی ہے جسے مولانا شمس الدین ترک کے مذکورہ فارسی رسالہ کو جب بعض امیروں نے سلطان علاء الدین کے پاس پہونچنے سے روک لیا تو اُسنے سلطان کو اسکی اطلاع دی اور سلطان علاء الدین نے اس رسالہ کو طلب کیا ضیائے برنی کے الفاظ ہیں۔

"و ازاں محدث ایں کتاب وایں رسالہ بر بہاء الدین دبیر رسیدہ بہاء الدین کتاب پیش سلطان علاء الدین رسانید رسالہ را نہ رسانید و از طرف قاضی حمید پنہاں داشت و من از ملک قرابیگ شنیدہ ام کہ سلطان از سعد منطقی شنید کہ اینچنیں رسالہ رسیدہ است آں رسالہ را طلبید۔"

یہی سعد منطقی ہیں جنکی تصنیف مراۃ العارفین ہے اور جو بعد میں حضرت خواجہ رکن الدین ملتانی کے مرید ہوئے۔ اولیائے کرام میں ان کا شمار رہے۔ ضیائے برنی نے سلطان علاء الدین خلجی کے حالات بیان کرتے ہوئے ایک جگہ اپنے استادوں کی فہرست لکھی ہے جنکے سامنے اسنے زانوئے شاگردی تہ کیا تھا اس فہرست اساتذہ میں "مولانا نجم الدین انتشار" کا نام بھی ہے لیکن یہاں محمد تغلق کے مصاحبین کا نام لیتے ہوئے حقارت کے ساتھ اپنے استاد کو وہ صرف "نجم انتشار" کہتا ہے۔ عہد علائی کے شعرا کی فہرست میں وہ عبید شاعر کو "عبید حکیم" لکھتا ہے لیکن اس عبید حکیم کو وہ اب "عبید شاعر بد اعتقاد" کے نام سے یاد کر رہا ہے کسی خاص وجہ سے اسنے مولانا علم الدین نبیرۂ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمہ کا نام حقارت سے نہیں لیا لیکن اپنے نزدیک اسنے انکو بھی "اعلم فلاسفہ" کہکر بہت بڑی گالی دی ہے اور آگے چل کر ان سب کو "ناجوانمرداں" کہکر اپنا دل ٹھنڈا کیا ہے۔ حضرت مولانا علم الدین نبیرۂ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمہ وہ بزرگ ہیں جو مکہ و مدینہ و مصر و شام وغیرہ میں عرصۂ دراز تک رہ آئے تھے۔

"مولانا علم الدین کہ علامئہ دہر بود گفت من سفر مکہ و مدینہ و مصر و شام کردہ ام" (فرشتہ)
اور انھوں ہی نے دہلی کے تریپن مولویوں اور سلطان غیاث الدین تغلق کے منشا کے خلاف حضرت شاہ نظام الدین اولیاء رحمہ کی نہایت موثر تائید و حمایت کر کے حضرت شاہ صاحب ممدوح کو مولویوں اور مفتیوں کے حملے سے بچایا تھا اور یہی وہ مولانا علم الدین ہیں جو حضرت امام ابن تیمیہ کی صحبتوں میں شریک رہ کر انکی مصیبتوں مباحثوں اور استقامتوں کو بخوبی دیکھ کر ۷۱۵ھ میں ہندوستان واپس آئے تھے۔
غالباً اب بآسانی سمجھ میں آجائے گا کہ ضیائے برنی کی نگاہ مذہب کے معاملے میں کس قدر تنگ اور کج واقع ہوئی تھی وہ بدعیہ و شرکیہ مراسم کے مجموعہ کو جنکا طوفان مصر و شام سے لیکر دہلی و بخارا تک امڈا ہوا تھا اور جنکی تفصیل اس زمانے کی تصانیف بالخصوص حضرت امام ابن تیمیہ کی تصنیف میں موجود ہے جزو اسلام اور عین اسلام یقین کرتا تھا وہ تقلید جامد میں شرابور اور ہر معقول بات کو کفر و الحاد سمجھتا تھا۔ یہ خصوصیت کچھ ضیائے برنی ہی کو حاصل نہ تھی بلکہ اس زمانے کے عام مسلمانوں کی یہی حالت تھی۔ ضیائے برنی بڑے سے بڑے عالم اور اپنے بڑے سے بڑے محسن اور عزیز کو فلسفہ اور معقولات سے تعلق رکھنے کے الزام میں مردود اور لعنتی قرار دینے کے لئے تیار ہے۔ علم حدیث اور عمل بالحدیث کو وہ معقولات و فلسفہ کہتا ہے۔ حدیث اور علم حدیث کے صرف نام کی اس کے دل میں عزت ہے لیکن جب مراسم بدعیہ و شرکیہ کو ترک کرا کر حدیث پر عمل کرنے کی ترغیب دیجاتی ہے اور اسکے لئے دلائل پیش کیے جاتے ہیں تو وہ اپنے مراسم کو اصل شریعت کہکر ترویج احادیث نبوی کی کوشش کا نام معقولات و فلسفہ رکھتا اور آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ یہ بھی غور کرنے کے قابل بات ہے کہ مولانا شمس الدین ترک ملتان سے سلطان علاء الدین خلجی کے پاس عمل بالحدیث کی ترغیب میں رسالہ لکھکر بھیجتے ہیں اس زمانے کے مولوی اور مفتی اس کو اپنے عقائد اور مقاصد کے خلاف سمجھکر سلطان تک نہیں پہونچنے دیتے لیکن ملک سعد الدین سلطان سے ذکر کر کے اس رسالے کو سلطان تک پہونچانے کی کوشش کرتا ہے (جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے) جس سے صاف ثابت ہے کہ ملک سعد الدین عمل بالحدیث کا بہت بڑا حامی ہے اور عمل بالحدیث کے مقابلے میں وہ مولویوں قاضیوں اور مفتیوں کے ناراض ہونے کی پرواہ نہیں کرتا

اسی ملک سعد الدین کو ضیائے برنی "سعد منطقی بدمذہب" کا خطاب دیتا ہے۔ قدبروا ضیائے برنی کے دل ہی دل میں پیچ وتاب کھاتے رہنے اور سلطان محمد تغلق کے عہد حکومت میں کچھ بھی بس نہ چلنے کا اندازہ اسکے ان الفاظ سے جو وہ محمد تغلق کی نسبت لکھتا ہے بخوبی ہو سکتا ہے۔

"۔ و در معقولات فلاسفہ رغبتے تمام داشت وچیزے از علم معقول ہم ازو بودو در طبیعت او چناں جائے گرفتہ کہ ہر چہ خبر معقول بشنیدے بیقین باور نہ کردے و فی الجملہ کدام فاضل و عالم و شاعر و دبیر و ندیم و طبیب را زہرۂ آں نبودے کہ در خلوت سلطان محمد مقدمۂ در علم خود بجسب دانش خود تقریر تواند کرد و بزعم وظن خود از بسیاری سوالات گلوگیر سلطان محمد سخن خود را بپایاں تواند رسانید"

پھر آگے چلکر کہتا ہے کہ۔

"وا چنداں کافر نعمت کہ سیہ سپیدی خوانده بودم و از علمے کہ ازاں شرف دارد چیزے داشتیم وا ز طمع وحرص دنیا نفاتہا ورزیده و مقرب سلطان شده در قضیۂ سیاست کہ نامشروع بودے حق پیش سلطان نمی گفتیم" ○

محمد تغلق کی سب سے بڑی خطا اُس کی روشن خیالی تھی | غیاث الدین تغلق ایک تجربہ کار سپہ سالار

اور ہوشیار فرمانروا تھا اس کو علم وفضل اور درس وتدریس سے کوئی خصوصی واسطہ نہ تھا اس کی ساری عمر شمشیر زنی اور مغلوں کو شکستیں دینے میں گذری تھی محمد تغلق کو سپہ سالاری وشمشیر زنی کے ساتھ علم وفضل اور کتب بینی میں بھی بہرہ وافی حاصل تھا وہ پیدائشی طور پر بھی بڑا ذہین و باریک بین تھا جس طرح ہندوستان کے بعض دوسرے علماء نے کتاب و سنت اور احادیث نبوی کے مقابلے میں رسم ورواج کو بیہودہ چیز قرار دیکر بدمذہب۔ بیدین فلسفی وغیرہ خطابات حاصل کیئے اسی طرح محمد تغلق بھی (باصطلاح ضیائے برنی) بدمذہب اور بیدین ہو گیا تھا اور اسی لیئے ضیائے برنی اُسکے معاملے میں از خود رفتہ ہو کر اپنے مرتبۂ تاریخ نویسی کو قائم نہیں رکھ سکا اور اسی لیئے ورنگل کے راجہ اور امرائے علائی کی سازباز کو بیچارے عبید شاعر اور شیخزادہ دمشقی کے سر تھوپا گیا اور یہی وجہ تھی کہ عبید شاعر کے خلاف مفتیان دہلی نے قتل کا فتوے دیکر غیاث الدین تغلق کے ہاتھ سے قتل کرایا شیخزادہ دمشقی

خوش قسمت تھا کہ اُن لوگوں کے پنجے میں گرفتار ہونے سے بچ گیا۔ اور ہندوستان سے اپنی جان بچا کر لے گیا۔ یہی سبب تھا کہ محمد تغلق کی سلطنت کو ناکام رکھنے اور فسادات برپا کرنے کی مسلسل کوششیں اس گروہ نے جاری رکھیں اور اس خوش خصال و پاک طینت سلطان کو دیوانہ بنا کر چھوڑا۔ محمد تغلق کی روشن خیالی اس زمانے کے مفتیوں کے لئے کسقدر باعث تکلیف و اذیت ہوگی اس کا اندازہ یوں بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت امام ابن تیمیہؒ کے خلاف مصر کے اٹھارہ مفتیوں نے ملحد اور وجب القتل ہونے کا فتویٰ دیا تھا اور مصر کا سلطان باوجود اسکے کہ امام ممدوح کو بے گناہ جانتا تھا مفتیوں کے اثر اور بغاوت کے خوف سے ان کو قید کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ بڑی خیر ہوئی کہ شیخ الاسلام حضرت شاہ نظام الدین اولیاء رحمہ سلطان غیاث الدین تغلق کی وفات سے چند ماہ بعد فوت ہو گئے تھے ورنہ سلطان محمد تغلق کے عقاید کی ذمہ داری حضرت ممدوح کے فیض یافتہ و تربیت کردہ لوگوں مثلاً ملک سعد الدین وغیرہ پر عائد کر کے جس طرح اُن کو گالیاں دی گئی ہیں اسی طرح حضرت ممدوحؒ کی شان میں بھی گستاخی کرنے پر ضیائے برنی مجبور ہو جاتا۔ خواجہ جہاں ملک احمد ایاز رومی سلطان محمد تغلق کا وزیر اعظم اور ہمہ صفت موصوف شخص تھا اسکی نیکی اور پاکی کا اندازہ اس طرح بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت نظام اولیا رحمہ نے اپنی دستار خاص اسکو عنایت کی تھی۔ کسقدر حیرت اور حسرت کا مقام ہے کہ ایسے برگزیدہ شخص کو محض اس خطا پر کہ وہ سلطان محمد تغلق کا وزیر اعظم اور سلطان کا ہمخیال و ہم عقیدہ تھا ضیائے برنی اپنی تنگ خیالی کی وجہ سے گالیاں دیتا ہے ہمکو شمس سراج عفیف کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ اُسنے ملک احمد ایاز کے دینی مرتبے کے متعلق صحیح واقفیت بہم پہنچائی ورنہ ممکن تھا کہ ہم بھی اس باخدا انسان کی شان میں ضیائے برنی کے ہمنوا ہو کر گستاخی کے مرتکب ہوتے محمد تغلق کی داستان درحقیقت کتاب و سنت اور بدعات و مراسم کی معرکہ آرائی کا ایک جنگنامہ ہے۔ محمد تغلق کے متعلق یہ باتیں جہالت و بے خبری کی وجہ سے بڑی عجیب سمجھی جائیں گی اور ہندوستان میں آج بھی ایک بڑی تعداد مسلمانوں کے اندر ایسی موجود ہے جو اس موحد اور دشمن شرک و بدعت سلطان کو تبع سنت معلوم کرنے کے بعد گالیاں دینے پر آمادہ ہو جائے گی اور جو کمی ضیائے برنی سے رہ گئی ہے یہ لوگ اسے پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن مدعا یہ ہے کہ سمجھدار اور روشن خیال مسلمان اس عادل

وباخدا اور علم دوست سلطان کو اسکے اصل لباس میں دیکھیں اور اس کی شان میں کوئی گستاخانہ کلام کرتے ہوئے احتیاط سے کام لیں۔ محمد تغلق کی علم دوستی کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ اسنے تخت نشین ہونے کے بعد دہلی کے ایک مشہور عالم مولانا معین الدین عمرانی مصنف حسامی و مفتاح و حواشی کنز کو چالیس لاکھ روپیہ دیکر اپنے استاد مولانا عضد الدین مصنف متن مواقف کے پاس بھیجا کہ میری طرف سے بطور ہدیہ و نذرانہ پیش کرو اور ان کو شیراز سے ہندوستان لانے کی کوشش کرو۔ مولانا عضد الدین نے مواقف لکھکر محمد تغلق کے نام سے معنون کرنے کا قصد کیا تھا۔ وہ جب ہندوستان کو روانہ ہونے لگے تو شیراز کے حاکم ابو اسحق نے بڑی منت سماجت کے ساتھ انکو روک لیا اور وہ ہندوستان نہ آسکے بالآخر انھوں نے ابو اسحق کی خواہش کے موافق مواقف کو اُسی کے نام سے معنون کیا۔ فرشتہ کے ان الفاظ سے کہ "مولانا عضد الدین استاد خود را چہل لک تنکہ در یک روز بخشید ست" یہ مترشح ہوتا ہے کہ مولانا عضد الدین محمد تغلق کی تخت نشینی کے بعد ہندوستان تشریف لائے اور محمد تغلق نے ان کو چالیس لاکھ عطا کیئے مگر یہ صحیح نہیں وہ سلطان غیاث الدین تغلق کے بادشاہ ہونے سے بھی پہلے ہندوستان آکر محمد تغلق کے استاد رہے تھے۔

معذرت اور التجا | مجکو ہر ہر قدم پر اس بات کا خیال آرہا ہے کہ میں اس کتاب کے اصل موضوع سے بالکل جدا ہو گیا ہوں کیونکہ اس کتاب کا موضوع ہندو مسلمانوں کے تعلقات کو واضح طور پر بے پردہ کر دینا ہے اور محمد تغلق کے متعلق یہ بات صرف چند صفحات میں بیان ہو سکتی تھی۔ لیکن میں کسی غیبی تحریک سے مجبور ہو کر لکھ رہا ہوں ؎

میروم اما عنان من بدست خویش نیست
ہمچو کشتی ساخت سیل گریہ دریائے مرا

اس کتاب کے پڑھنے والوں سے مودبانہ ملتجی ہوں کہ وہ آیندہ صفحات بھی غور و اطمینان اور صبر و سکون کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں اور اپنی تھوڑی سی تضیع اوقات کو میری وجہ سے گوارا کریں۔

ضیائے برنی کی ناراضی کا دوسرا سبب | ضیائے برنی محمد تغلق سے کیوں ناراض تھا اس کا ایک سبب تو اوپر بیان ہو چکا ہے اب دوسری وجہ بھی سن لیجئے

پہلی وجہ کے بیان کرنے میں بھی میں نے اکثر ضیائے برنی ہی کو بطور گواہ پیش کیا ہے دوسری وجہ بیان کرنے میں بھی میرا ارادہ ہے کہ ضیائے برنی ہی کے الفاظ سے ثبوت بہم پہونچاؤں۔

ضیائے برنی کے خاندان اور اُسکے بزرگوں کا کوئی ذکر خاندان غلامان کے عہد حکومت میں نہیں آتا اس زمانے میں اس کا خاندان غالباً بہت ہی معمولی حالت میں ہوگا۔ ملک فخر الدین سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں شہر دہلی کا کوتوال تھا معز الدین کیقباد کے عہد حکومت میں وہ بڑھاپے کی وجہ سے خانہ نشین اور اس کا داماد ملک نظام الدین وزارت کے مرتبہ پر فائز تھا۔ اسی ملک نظام الدین نے کیقباد اور اس کے باپ ناصر الدین حاکم بنگالہ کے درمیان وہ ناگوار صورت پیدا کر دی تھی جو ناصر الدین کی سلامت روی کے سبب صلح و آشتی پر ختم ہوئی اور امیر خسرو کو مثنوی قران السعدین لکھنی پڑی۔ آخر ملک نظام الدین کی بداطواریوں سے تنگ آکر جبکہ کیقباد فالج میں مبتلا ہو چکا تھا امرائے دہلی نے ملک نظام الدین کو ہلاک کیا اور جلال الدین خلجی کو جو سامانہ کا نائب ناظم تھا سامانہ سے بلاکر کاروبار وزارت سپرد کیا اور بجائے سامانہ کے برن کا علاقہ اسکی جاگیر مقرر ہوا۔ چند ہی روز کے بعد جلال الدین خلجی تخت دہلی کا مالک ہوا تو اسنے تخت نشین ہوتے ہی ملک فخر الدین مذکور کو زمرۂ وزرا میں شامل کیا ملک فخر الدین کی دوسری بیٹی کی شادی ملک نظام الدین مذکور کے بھائی ملک حسام الدین سے ہوئی تھی جو عہد بلبنی میں باڈیگارڈ کے رسالہ کا رسالدار تھا ملک حسام الدین کی بیٹی کی شادی ضیائے برنی کے باپ سے ہوئی اور اسی رشتہ داری کے سبب ضیائے برنی کے خاندان میں امارت و عزت نے دخل پایا۔ ضیائے برنی کی ماں ملک فخر الدین کی نواسی تھی۔ ملک فخر الدین کی حویلی شاہی مکانات کے متصل بہت شاندار تھی۔ ضیائے برنی نے وہیں پرورش پائی ملک فخر الدین اور اسکے خاندان پر جلال الدین خلجی نے بڑی مہربانیاں کیں۔ ضیائے برنی کے باپ کو جلال الدین خلجی نے اپنے منجھلے بیٹے ارکلیخان کی نیابت پر مامور کر کے موید الملک کا خطاب دیا ضیائے برنی کا چچا علاء الملک کے خطاب سے مخاطب ہوکر سلطان جلال الدین کے بھتیجے علاء الدین خلجی کی نیابت پر فائز ہوا۔ غرض سلطنت خلجیہ کے شروع ہوتے ہی

ضیائے برنی کے خاندان میں امارت شروع ہوئی جب علاؤالدین خلجی نے دیوگیر کا قصد کیا تو وہ اپنی غیر موجودگی کے ایام میں ضیائے برنی کے چچا علاؤالملک کو کڑہ اور اودھ کی حکومت سپرد کر گیا تھا جب علاؤالدین خلجی ہندوستان کا پادشاہ ہوا تو اسنے تخت نشین ہوتے ہی کڑہ اور اودھ کا علاقہ جسپر وہ خود عہد جلالی میں مامور تھا علاؤالملک کو بطور جاگیر عطا فرمایا اور ضیائے برنی کے باپ مویدالملک کو برن کا علاقہ جاگیر میں دیا یہ وہی برن ہے جو سلطان جلال الدین خلجی کی جاگیر رہ چکا تھا۔ علاؤالملک کے ساتھ علاؤالدین خلجی کو بڑی محبت تھی اسے دہلی سے باہر نہیں جانے دیا کڑہ اور اودھ کا انتظام اسکے نائب کرتے تھے اور اسکو (علاؤالملک کو) دہلی کی کوتوالی کا عہدہ جو بڑی عزت اور ذمہ داری کا عہدہ تھا اعزازی طور پر عطا کیا گیا تھا۔ علاؤالملک مٹاپے کی وجہ سے زیادہ چل پھر نہیں سکتا تھا اسلیئے دربار سلطانی میں وہ مہینہ میں ایک مرتبہ حاضر ہوتا تھا۔ اب آسانی اس بات کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ عہد خلجیہ میں ضیائے برنی کے خاندان کو کیسا عروج حاصل تھا سلطان محمد تغلق نے تخت نشین ہوکر سب سے بڑا جرم یہ کیا کہ دوسرے مستحق لوگوں کو تو بڑی بڑی جاگیریں اور مناصب عطا کیئے لیکن ضیائے برنی اور اسکے خاندان والوں کو ان کی توقع کے خلاف کوئی بڑا عہدہ یا منصب عطا نہیں کیا اور سب سے زیادہ غضب یہ ہوا کہ برن کی جاگیر جسکی ضیائے برنی کو مرتے دم تک آرزو رہی محمد تغلق نے صوبہ میان دوآب کا ایک جزو ہونے کی وجہ سے خالصہ یعنی شاہی جاگیر میں شامل کر لی۔ محمد تغلق نے ضیائے برنی کو کوئی نقصان نہیں پہونچایا اور اس کی قابلیت کا صحیح اندازہ کرکے زمرۂ نویسندگان میں ایک اعلی عہدے پر مامور کیا اور دربار اہل کاروں میں اس کا شمار رہا وہ کبھی میر حسن ابن میر میران المخاطب بہ قتلغ خان شیعی کی پیشی میں کام کرتا تھا اور کبھی ملک احمد ایاز رومی خواجہ جہان کا میر منشی رہا۔ کبھی ان امرا کی طرف سے پادشاہ کی خدمت میں پیغام پہونچانے پر مامور ہوا۔ کبھی جبکہ بادشاہ سفر میں ہوتا تو بطور مصاحب سلطان کی بے تکلف صحبتوں میں شریک ہوتا تھا لیکن وہ ہمیشہ دل تنگ اور سلطان محمد تغلق سے بدل ناخوش رہا کیونکہ اس کو برن کی جاگیر سلطان نے نہیں دی۔ خود اسی کی تاریخ کے مندرجہ ذیل اقتباسات سے بہت سی مذکورہ باتوں کا ثبوت بہم پہونچتا ہے عہد بلبنی کے تذکرہ میں وہ ایک جگہ لکھتا ہے

"منکہ مولف تاریخ فیروز شاہیم از جد مادر بن خود سپہ سالار حسام الدین وکیلدر شنیدہ ام"

جلال الدین فیروز خلجی کے تذکرہ میں ایک جگہ کہتا ہے کہ:۔

"منکہ مؤلف تاریخ فیروز شاہیم در عہد جلالی قرآن تمام کردہ بودم و از مفردات گذشتہ و خط آموختہ از خدا ترساں و دانایان کہ بہ پدرم موید الملک آمد و شد داشتند شنیدہ بودم کہ در مجلس مختلف پیش پدر من گفتندے کہ عہد جلالی از نوادر عہود است"

چند صفحات آگے چلکر کہتا ہے کہ۔

"منکہ مولفم در عہد جلالی پدرم نائب ارکلیخاں بود و خانہ در کیلوگرمھی بس بلند و رفیع برآوردہ من از انجا با استادان و رفیقان بزیارت سیدی مولہ آمدم"

علاء الدین خلجی کے حملہ دیوگیر کا حال لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ جب علاء الدین کڑہ سے دیوگیر کی جانب روانہ ہونے لگا تو۔

"در غیبت خود نیابت کڑہ داودہ بعم مولف ملک علاء الملک کہ از مختصان او بود تفویض کرد و کوچ بکوچ در ایلچپور رفت"

سلطان علاء الدین خلجی کے حالات میں لکھتا ہے کہ۔

"و بر علاء الملک عم مولف در سال اول جلوس کڑہ و اودھ مقرر داشتند و موید الملک پدر مؤلف را نیابت و خواجگی برن دادند و اشغال خطیر و اقطاعات بزرگ بر نیکاں و نیکنامان و کاردانان و کارگذاران مفوض گشتہ و دہلی و تمامی بلاد و ممالک گلستانی و بوستانی شد"

آگے چل کر ایک جگہ کہتا ہے کہ۔

"و عم من علاء الملک کوتوال دہلی از سبب غایت فربہی خود در غرۂ ہر ماہے بسلام سلطان علاء الدین رفتے و حریف شراب او شدے"

اپنے چچا علاء الملک اور سلطان علاء الدین خلجی کے ایک مکالمے کا حال لکھکر اپنے چچا کے الفاظ نقل کرتا ہے کہ۔

"و ما را حیات پادشاہ و استقامت ملک پادشاہ مطلوب است کہ حیات ما و خیل و تبع ما بحیات پادشاہ و استقامت ملک پادشاہ متعلق است و اگر نعوذ باللہ منہا این ملک بدست دیگرے افتد نہ ما را و زن و بچۂ ما را و نہ خیل و تبع ما را زندہ بگذارد"

ان اقتباسات سے بخوبی ثابت ہو جاتا ہے کہ ضیائے برنی کے خاندان کو عہد خلجیہ میں

بڑا عروج حاصل تھا۔ لیکن سلطان محمد تغلق کے عہد سلطنت میں اسکے خاندان کی عزت و شوکت پر اوس سی پڑ گئی اور یہ خاندان گمنامی کی تاریکی میں روپوش ہوگیا۔ ایسی حالت میں ضیائے برنی کے دل پر کیسے کیسے سانپ لوٹتے ہوں گے اور وہ کس طرح دوسرے لوگوں کو صاحب اقتدار اور اپنے آپ کو معمولی حالت میں دیکھکر پیچ و تاب کھاتا ہوگا چنانچہ اسنے اپنی تاریخ میں سلطان محمد تغلق کا حال لکھتے ہوئے اس طرح اپنے دل کا بخار نکالا ہے۔

ضیائے برنی کے دل کا بخار | وہ کہتا ہے کہ۔

"بدست پیرامالی کہ سفلہ ترین و رزالہ ترین سفلگان و رزالگان ہندوستان است دیوان وزارت داد و برسر ملوک و امراو و الیان و مقطعان امیر گردانید"

ملک زین الدین المخاطب بہ مخلص الملک اور ملک مجد الدین المخاطب بہ مجد الملک پسران مولانا رکن الدین تھانیسری کی شان میں کہتا ہے کہ۔

"چندیں شریران کہ از گاہ آدم الی یومنا مثل آں شریران آفریدہ نشدہ اند وحجاج یوسف بغلامی وچاکری ایشاں در شرارت نشاید درکار شدہ بودند چنانکہ زین رند....... و پسران میانگی رکن تھانیسری کہ شریران زمانہ را پیشوا بود و شریر تر از شریران عالم و اخبث الناس بود۔ آں چناں بدبختے کافر صفتے را مجدالملک می گویند"

اپنی اور اپنے خاندان کی کس مپرسی کو دیکھ کر کہتا ہے کہ:۔

"چگونہ تفویض معاظم اشغال و تولیت عرصات و ولایات بزرگ بلئیان و سفلگان وبدکر تعجب نماید از پادشاہے کہ از نہایت سروری و مہتری ہمسر جمشید و موازی کیخسرو بود و شایان خدمت درگاہ خود بزرجمہران روزگار و عالی نسبان عصر را نہ پسند دبجاہیر بدا صل شغلہا و اقطاعہا دہد"

آگے چل کر اور بھی زیادہ بے قابو ہو جاتا ہے۔

"واگر تفویضات اشغال بزرگ و اقطاعات بزرگ کہ آں پادشاہ بناکسان و ناکس بچہ گاں ارزانی داشتہ و زنازادگان و رزالہ بچگان را سری و سروری داد و وعالے را بجناب بحق ایشاں وجہانے را نیاز مند در ایشاں گردانیدے بردمے

خداے وورانا ربکم الاعلیٰ زدن او حل میکنیم"

جن لوگوں کو ضیائے برنی اس طرح دل کھول کر گالیاں دے رہا ہے وہ سب شریف اور ذی علم لوگ تھے، اُن سے بہتر مدبر اور گرامی منش لوگ اس زمانے میں نہیں مل سکتے تھے۔ محمد تغلق سے زیادہ مردم شناس شاید ہی کوئی بادشاہ ہندوستان کے تخت پر بیٹھا ہو۔ اسنے ہر شخص کو اس کی قابلیت اور استحقاق کے موافق عہدے اور مرتبے عطا کیئے تھے۔ ضیائے برنی اپنی خواری ولاچاری کا حال ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

"در پیران سالی در دنیا خوار و زار و بیمقدار و لا اعتبار شده ام و در دها محتاج شده و رسوامی شوم و در عقبیٰ نمیدانم که حال من چه خواهد شد و بر من از عقوبات چه خواهد رفت"

اپنی تاریخ کی نسبت ضیائے برنی خود کہتا ہے کہ:۔

"در هر سطرے بلکه در هر کلمه لطائف و غرائب احکام انتظامی در ضمن اخبار و آثار سلاطین درج کردم و منافع و مضار جهانداری جهانداران چه بصریح و چه بکنایت و چه بعبارت و چه باشارت و چه کشاده و چه برمز آورده"

تاریخ فیروز شاہی گواہی دے رہی ہے کہ ضیائے برنی کو کنایہ، اشارہ اور رمز کی ضرورت سلطان محمد تغلق ہی کے متعلق پیش آئی ہے غالباً سوال کے اس حصے کا جواب کہ ضیائے برنی کو محمد تغلق سے نفرت کیوں تھی کافی ہو چکا ہے۔

مورخین کی مجبوریاں اور بے احتیاطیاں | ضیائے برنی نے اپنے ذاتی عناد

کی وجہ سے اس سلطان کے ستائیس سالہ عہدِ حکومت کے واقعات میں اسکی تخت نشینی اور وفات کی صحیح تاریخوں کے علاوہ سن و سال کا حوالہ صرف ایک جگہ دیا ہے کہ ۷۴۴ھ میں مصر سے حاجی سعید حرمزی خلیفہ کا فرمان لیکر آیا تھا۔ ضیائے برنی کی اس فروگذاشت یا چالاکی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعد کے مورخین میں سے کسی کو بھی محمد تغلق کے صحیح حالات لکھنے اور صحیح رائے قائم کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ہندوستان کی سیکڑوں تاریخیں (جو ضیائے برنی کے بعد لکھی گئی ہیں) مطالعہ کر ڈالیئے لیکن محمد تغلق کے متعلق صحیح تصور اور صحیح اندازہ ذہن میں ہرگز قائم نہ ہو سکے گا اور مجبور ہو کر آپ کو ضیائے برنی ہی پر غصہ آئے گا بعد کے مورخین کو کیسی کیسی ٹھوکریں لگی ہیں اس کا اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ ملا عبدالقادر بدایونی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ ترم شیریں خاں مغل ۷۲۹ھ میں ہندوستان آیا۔ اسی کو فرشتہ ۷۳۰ھ کا واقعہ بتاتا ہے۔ بدایونی گرشاسپ کی بغاوت کو ۷۲۷ھ کا واقعہ بتاتا ہے اور الفنسٹن اسی واقعہ کو ۷۳۹ھ سے منسوب کرتا ہے۔ ملا صاحب بدایونی کہتے ہیں کہ بہرام ایبہ ۷۲۸ھ میں مقتول ہوا اور الفنسٹن اور ذکاء اللہ اسے ۷۳۹ھ اور ۷۴۰ھ کا حادثہ بتاتے ہیں۔ محمد تغلق کے بہت سے حالات معلوم کرنے کے لیئے آج کل کے مؤرخ بالخصوص انگریزی مورخ سفرنامہ ابن بطوطہ کو سب سے زیادہ معتبر تصور کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ سفرنامہ ابن بطوطہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں کسی بے جا حمایت یا نفرت کو دخل نہیں ہے اور یہ کتاب ابن بطوطہ نے ہندوستان سے باہر سوفت لکھی تھی جبکہ اس کو دوبارہ ہندوستان آنے اور محمد تغلق سے ملنے کی توقع نہ تھی لیکن سفرنامہ ابن بطوطہ سے فائدہ حاصل کرنے میں ان باتوں کا خیال کوئی نہیں کرتا کہ ابن بطوطہ ۷۳۴ھ میں ہندوستان آیا اور ۷۴۸ھ میں ہندوستان سے رخصت ہو گیا قریباً ۱۴ سال اسنے ہندوستان میں گذارے۔ ملتان۔ دہلی۔ گوالیار۔ دیوگیر۔ کرناٹک۔ ملابار وغیرہ ہندوستان کے تمام صوبوں میں پہونچا نہ اسکے پاس کوئی روزنامچہ تھا نہ وہ یہاں سے کوئی یادداشت لکھ کر لے گیا تھا۔ کیونکہ اس کا تمام سامان و اسباب ہندوستان سے روانہ ہونے کے بعد کئی مرتبہ ضایع ہو گیا ہے اور وہ صرف اپنی جان ہی سلامت بچا سکا ہے سنہ [illegible]ھ کے بعد یعنی ہندوستان سے روانہ ہونے کے بائیس سال بعد اسنے اپنا سفرنامہ لکھا ہے۔ یہ بائیس سال بھی اسکے سفر ہی میں گذرے ہیں لہٰذا

تاریخی واقعات کی صحیح ترتیب قائم کرنے میں اس سے بھی بہت کم مدد مل سکتی ہے خود اسکے سفر کی بھی زمانی و مکانی ترتیب صحیح نہیں ہے مثلاً وہ اپنے ایک سفر میں دہلی سے چل کر علیگڈھ اور علیگڈھ سے چل کر گوالیار اور گوالیار سے چل کر برن پہونچنے کا ذکر کرتا ہے حالانکہ وہ دہلی سے چل کر اول برن اسکے بعد علیگڈھ پہونچا ہوگا اتنے دنوں کے بعد سفرنامہ لکھتے وقت وہ ہر ایک شہر کے محل وقوع اور واقعات پیش آمدہ کی ترتیب کو یاد نہیں رکھ سکا اسیطرح لوگوں کے ناموں۔ عہدوں اور انکے متعلقہ کاموں میں بھی بہت بے ترتیبی پائی جاتی ہے ان تمام باتوں کو ملحوظ رکھ کر سفرنامہ ابن بطوطہ سے فائدہ اٹھانا چاہیے تھا لیکن افسوس ہے کہ محمد تغلق کے معاملے میں ضیائے برنی کی ارادۃً پیدا کی ہوئی بے ترتیبی کو جس طرح کسی نے ملحوظ نہیں رکھا اسی طرح ابن بطوطہ کی غیر ارادی بے ترتیبی کا بھی کسی نے لحاظ نہیں کیا۔ بہرحال قدیم و جدید تمام تاریخوں میں سلطان محمد تغلق کے حالات کو مطالعہ کرنے کے بعد میں پھر ضیائے برنی ہی کی تاریخ کو سامنے رکھکر محمد تغلق کے عہد حکومت کا ایک خاکہ مرتب کرنا چاہتا ہوں لیکن اس زمانہ کے ہندوستان کی تاریخ کا سمجھنا بہت کچھ اس بات پر منحصر ہے کہ چین و تبت و ترکستان و خراسان و افغانستان و عراق و شام کے حالات بھی پیش نظر رہیں لہذا سب سے پہلے ذیل کی چند باتوں کو بغور ملاحظہ کیجیے۔

داستان خراسان ساتویں صدی ہجری کے آخر میں چنگیز خاں کے دارالسلطنت قراقورم میں اسکے بڑے بیٹے اوکتائی خاں کی اولاد کے بعد تولی خاں چنگیزی کی اولاد فرمانروا تھی۔ اسی زمانے میں انکے قبضے میں مشرقی ترکستان اور منگولیا کے قدیمی ملک کے علاوہ چین کا تمام ملک بھی آگیا تھا چین کی مشہور نہر انھیں لوگوں کی یادگار ہے چین کو فتح کرکے ان لوگوں نے ایک نیا شہر خان بالیغ کے نام سے آباد کیا اور قراقورم کی بجائے اسکو اپنا دارالسلطنت بنایا تھا یہ لوگ اسوقت تک جبکہ ۷۷۰ھ میں چینیوں نے انکی حکومت کا خاتمہ کرکے اپنی حکومت قائم کی دوسرے چنگیزی قبیلوں سے بے تعلق رہے ان لوگوں کے دربار میں امیر احمد بناکتی۔ مولانا بہاء الدین بخاری قاضی علاء الدین طوسی۔ مولانا بدرالدین بیہقی۔ مولانا حمید الدین سمرقندی وغیرہ اکثر مسلمان سرکاری عہدوں پر مامور رہے لیکن چنگیزی قبائل کی یہ شاخ دولت ایمان و اسلام سے محروم رہتا اور ان کیا

کوئی بادشاہ مسلمان نہ ہوا۔

ہرات میں چنگیزی مغلوں کا رشتہ دار ایک مغل خاندان حکمران تھا قندھار و غزنین کے علاقے میں بھی چنگیزی مغلوں کا ایک قبیلہ فرمانروا تھا۔ ہرات و غزنی کے دونوں خاندان فرمانروائے ایران کے ماتحت تھے۔ ماوراء النہر یعنی سمرقند و بخارا کے علاقے میں چنگیز خاں کے بیٹے چغتائی خاں کی اولاد برسر حکومت تھی۔

ایران و خراسان و عراق و آذربائیجان و کردستان کی زبردست سلطنت تولی خاں ابن چنگیز خاں کے بیٹے ہلاکو خاں کی اولاد کے قبضے میں تھی اور اسکو سلطنت ایران کہا جاتا تھا۔ اس سلطنت میں ایشیائے کوچک کا مشرقی حصہ بھی شامل تھا جو صوبہ روم کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

مشرقی ترکستان کے بعض اضلاع دشت قبچاق، روس اور ماسکو تک کے علاقے جن میں کبھی کبھی آذربائیجان کا صوبہ بھی شامل ہوجاتا تھا چنگیز خاں کے بیٹے جوجی خاں کی اولاد کے قبضے میں تھے۔

ایشیائے کوچک کے مغربی حصے کو ساتویں صدی ہجری کے آخری زمانے تک سلجوقی ترکوں نے مغلوں سے بچایا پھر سلجوقی ریاست کی جگہ سنہ ۶۹۹ھ میں عثمانی حکومت شروع ہوئی جو بہت جلد ایک طاقتور سلطنت بنکر یورپ کے بعض حصے تک وسیع ہوگئی۔ شام کے علاقے پر ہلاکو خاں کی اولاد بار بار حملے کرتی رہی اور جس طرح ہلاکو خاں مصر کی مملوکی سلطنت کے مقابلے میں ناکام رہا تھا اسی طرح اسکی اولاد بھی ہمیشہ مصریوں سے شکست کھاتی رہی۔ ہندوستان کی خلجیہ سلطنت اور مغلوں کی سلطنت کے درمیان دریائے سندھ حد فاصل تھا۔ ہندوستان پر ہرات اور غزنی کی مغلیہ سلطنتوں کے حملے ہوتے رہتے تھے۔ ہندوستان میں بھی مغلوں کو ہمیشہ ناکامی سے واسطہ پڑا۔ ہلاکو خاں کی اولاد میں سب سے پہلے اس کا بیٹا نکودار المعروف بہ احمد خاں سنہ ۶۸۱ھ میں مسلمان ہوا اسکے مسلمان ہوتے ہی اسکے بھتیجے ارغون خاں نے جو صوبہ خراسان کا حاکم تھا اُسکے خلاف سازش شروع کی اور مغل سردار محض اس لیے کہ احمد خاں (نکودار بن ہلاکو) نے مسلمان ہوکر تورہ چنگیزی پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا ارغون کے شریک ہوگئے اور ماہ جمادی الآخر سنہ ۶۸۳ھ میں احمد خاں کو اسلام قبول کرنے

جرم میں شہید کر کے اُس کی جگہ ارغون خان ابن اباقا خان ابن ہلاکو خان کو ایران کے تخت پر بٹھایا۔ ارغون خان نے تخت نشین ہو کر احمد خان نکودار کے وزیر اعظم خواجہ شمس الدین کو قتل کیا اور بوقا نامی ایک شخص کو وزیر بنایا اس وزیر کی شرارتوں سے واقف ہو کر اس کو بھی قتل کیا اور ایک یہودی کو سعد الدولہ کا خطاب دیکر وزیر اعظم بنایا جسنے جابجا شہروں اور قصبوں میں مسلمان علماء کو قتل کرایا۔ سعد الدولہ کہنے کو یہودی مگر دراصل عیسائی اور عیسائیوں کا بیحد طرفدار تھا۔ مغل چونکہ مسلمانوں کا خون بہانے میں بہت حریص تھے اس لیئے عیسائی اور یہودی ان جاہل مغلوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیئے انکے درباروں میں پہونچے۔ اسی طرح گجرات و دکن کے ہندو بھی ان کو اپنا نجات دہندہ بنانے اور سلطنت اسلامیہ کو انکے ہاتھوں سے برباد کرانے کے لیئے اُن کے پاس پہونچ گئے تھے۔ یہ بجائے خود ایک دلچسپ داستان ہے کہ مسلمانوں عیسائیوں۔ یہودیوں۔ ہندؤں وغیرہ نے کس طرح مغلوں کو اپنی اپنی طرف مائل کرنیکی کوشش کی جسکی تفصیل کا یہ موقع نہیں بہرحال ارغون خان ہندؤں کی جانب بھی بہت مائل تھا کتاب اویاق مغول کے الفاظ یہ ہیں :۔

"وا رغون اعتقادے بہ جوگیان ہند و طریقۂ ایشاں پیدا کردہ بود جوگی آمدہ ورا گفت کہ معجونے می سازم کہ از اثرا و عمر دراز شود وارغون خان در فریب او آمدہ آں معجون بو قلموں خوردہ مدتے مداومت نمودہ مرضے پیدا کرد و خواجہ امین الدین طبیب مداوائے او نمودہ مرض رد با نحطاط آوردہ جوگی مذکور سہ جام شراب بوے داد و مرض باز دگر عود نمودہ"

ارغون خان حجاز پر حملہ کر کے خانۂ کعبہ کو (نعوذ باللہ) منہدم کرنے کا ارادہ کر چکا تھا کہ بیمار ہو کر ہفت سالہ حکومت کے بعد سنہ ۶۹۰ھ میں فوت ہوا۔ ملکم صاحب اپنی تاریخ ایران میں ارغون خان کے یہودی وزیر سعد الدولہ کی نسبت لکھتے ہیں کہ :۔

اس وزیر کو بادشاہ کی طرف سے بہت بڑا اختیار حاصل تھا عیسائی قوم جو وہاں رہتی تھی یہ وزیر اس قوم کی حد سے زیادہ رعایت کرتا تھا اور اسکی حمایت و حفاظت میں شب و روز بجان و دل حاضر رہتا تھا مگر مسلمانوں سے نہایت بغض و عداوت رکھتا تھا اور اکثر ان کو رنج و ایذا پہونچاتا رہتا تھا یہانتک کہ تمام اہل اسلام کو

عہدوں سے معزول و برخاست کر دیا اور مسلمانوں کی نسبت یہ حکم جاری کیا گیا
کہ اُن میں سے کوئی دربار شاہی میں نہ آنے پائے پادشاہ کی طرف سے عیسائی
قوم کی نسبت اس قسم کی مراعات ظہور میں آئیں تو پوپ نکلسن چہارم نے
بذریعۂ ایلچی اس بات کا بہت بڑا لمبا چوڑا شکریہ ادا کیا مسلمانوں کو اس بات کا
بہت بڑا اندیشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو خانہ کعبہ کو ایک گرجا گھر بنا دیا جائے۔

(ترجمہ از تاریخ ملکم)

ارغون خاں کے بعد اس کا بھائی گیخاتو خاں ممالک ایران و خراسان وغیرہ کا فرمانروا
ہوا اُس نے سنہ ۶۹۳ھ میں کاغذ کا سکہ یعنی نوٹ جاری کیا مگر اگلے ہی سال منسوخ کرنا پڑا۔

سُنّیوں کے مصائب ارغون خان کا بیٹا غازان خان باپ کے زمانے سے
خراسان کا گورنر تھا سنہ ۶۹۴ھ میں ایک مغل سردار جس کا نام امیر توروز تھا حضرت شیخ
صدرالدین حموی کی تحریک و تبلیغ سے مسلمان ہوا۔ اسی زمانے میں ماوراء النہر کے
مغلوں میں بھی اسلام کو رسوخ حاصل ہونے لگا تھا اور چند روز کے بعد ان کے حکمران
طبقے نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ امیر توروز کی تحریک و ترغیب سے غازان خان
بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہو گیا۔ اسی سال غازان خان کو تخت سلطنت ملا۔ غازان خان
نے امیر توروز کو خراسان کی گورنری عطا کی۔ غازان خان چونکہ خود بھی عرصۂ دراز سے
خراسان کا گورنر رہا تھا اور یہاں خصوصیت سے شیعیت کا زور رہ چکا تھا لہٰذا وہ تخت
نشین ہونے کے بعد بصحبت مصاحبین اور بعض مصالح ملکی کی بنا پر کیونکہ ایران میں شیعہ
خیالات کے لوگوں کی کثرت تھی شیعیت کی جانب زیادہ مائل ہو گیا اور اہل سنت
وجماعت کے خلاف دسنے وہ تمام مظالم پورے کیے جو ہلاکو خاں اور دوسرے
مغلوں نے عام مسلمانوں پر روا رکھے تھے۔

اگرچہ مغلوں کی قوم عام طور پر کافر اور غیر مسلم تھی اور غازان خان بھی برائے نام
ہی مسلمان تھا کیونکہ وہ نہ ارکان اسلام کا پابند تھا نہ تورۂ چنگیزی کے خلاف کچھ کرتا تھا
مگر غازان خان کے برائے نام مسلمان ہونے سے ایران و خراسان کے شیعوں کو بہت
اطمینان حاصل ہوا لیکن سنیوں کے لیے مغلوں کی تلواریں پہلے سے بھی زیادہ تیز ہوئیں
امیر توروز گورنر خراسان سنی تھا اس کا داماد فخرالدین کرت ہرات میں حکمران تھا امیر توروز

کو محض سنی ہونے کی وجہ سے یہ الزام لگا کر کہ وہ عباسی خلیفۂ مصر اور ملک النّاصر سلطان مصر سے خط و کتابت کرتا ہے بحکم غازان خاں قتل کیا گیا۔ اور حکم عام جاری ہوا کہ مغلوں کے سوا کوئی شخص اپنے پاس کسی قسم کا کوئی ہتھیار نہ رکھے شیخ صدر الدین حموی بھی سنی ہونے کی وجہ سے شہید کیئے گئے۔ غازان خاں کی عداوت سُنیوں کے خلاف یہانتک ترقی کر گئی کہ اُسنے مغلوں کے دولاکھ جرار لشکر کے ساتھ قتلغ خواجہ کو ہندوستان کی اسلامی سلطنت پر حملہ کرنے کے لیئے روانہ کیا اور اتنا ہی بڑا لشکر لیکر خود ملک شام پر جو سلطان مصر کے قبضے میں تھا حملہ آور ہوا۔ یہاں ہندوستان میں سلطان علاء الدین خلجی نے قتلغ خواجہ کو شکست دیکر بھگایا۔ وہاں غازان خان بھی سلطان مصر کے مقابلے میں ہزیمت پاکر بھاگا۔ یہ سنہ ۶۹۸ھ اور سنہ ۶۹۹ھ کے واقعات ہیں۔ ملکم صاحب کا بیان یہ ہے کہ غازان خان نے تورۂ چنگیزی کو از سر نو رواج دیا۔ غازان خان نہایت بدصورت کریہہ منظر اور پست قد شخص تھا۔ اسلام سے اسکو دلی نفرت تھی بظاہر ایران کے شیعوں کو اپنی جانب مائل کرنے کے لیئے شیعہ مذہب قبول کر لیا تھا۔ مصر و شام پر اسکے حملے محض اسلیئے تھے کہ مسلمانوں کے مذہب کو ان ملکوں سے مٹادے اسی لیئے اسنے پوپ بانیفس ہشتم سے مدد طلب کی اور پوپ نے عیسائی بادشاہوں کو اسکی مدد پر آمادہ کیا اور شام کے حملوں میں عیسائی قوم اور عیسائی سلاطین نے اسکی مدد کی۔ غازان خان اور پوپ کے درمیان محبت اسی لیئے تھی کہ دونوں اسلام کے یکساں دشمن تھے ملکم صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ غازان بظاہر مسلمان اور شیعہ تھا لیکن دراصل وہ عیسائی تھا آخر میں اسکے الفاظ یہ ہیں کہ۔

"اگر ہم مغربی مورخوں کا اعتبار کریں تو ہم کو یقین کرنا چاہیئے کہ وہ اپنے زمانۂ حیات تک عیسوی مذہب کا معتقد رہا مگر یہ بات بھی ثابت نہیں ہوتی کہ اس مذہب کے مسائل کی نسبت اسنے اپنا اعتقاد بر سر عام کبھی ظاہر کیا ہو"

غازان خان نے سنہ ۷۰۲ھ میں پھر شام و مصر پر حملہ آور ہونے کی پہلے سے زیادہ زبردست تیاری کی مغلیہ فوج حلب تک پہونچ گئی لیکن عباسی خلیفہ ابو الربیع مستکفی باللہ اور ملک النّاصر سلطان مصر دونوں مغلوں کے مقابلے کو آئے اور شکست فاش دیکر ان حملہ آوروں کو بھگایا۔ اس شکست کی ندامت و شرمندگی سے غازان خان سنہ ۷۰۳ھ میں

مر گیا اور اس کا بھائی الجی آیتو جو غازان خان کی طرح برائے نام مسلمان تھا اور جو محمد خدا بندہ کے نام سے مشہور ہے تخت نشین ہوا۔ الجی آیتو (خدا بندہ) غازان خان کا شنی اور سنیوں کی مخالفت میں غازان خان سے بھی دو قدم آگے تھا۔ یہ ۷۱۶ھ تک فرمانروا رہا۔ اسنے ایک شیعہ مسمی جمال الدین مظہر کو اپنا مقرب بنا رکھا تھا شیراز کے قاضی مجدالدین کو صرف اس لیئے شکاری کتوں سے ہلاک کرنے کا حکم دیا کہ وہ سنی تھے غازان خان اور الجایتو (خدابندہ) کی حکومت کو ابو مسلم خراسانی۔ اسماعیل آذربائیجانی ابن مقنع بدخشانی، حسن بن صباح قہستانی کی کوششوں کا نتیجہ آخر اور ثمرہ کامل سمجھنا چاہیے حسن بن صباح اور اسماعیلیں وغیرہ نے اسلام کے چشمے کو مکدر کرنے میں جو سعی کی تھی اس کو مغلوں کی خون آشامی نے آمیختہ ہو کر پایۂ تکمیل تک پہونچا دیا۔ اس عطر مجموعہ کو ناواقف لوگ قابل فخر اسلامی سلطنت قرار دیتے ہیں حالانکہ اسلام اور مسلمانوں کی مصیبتوں میں جو چنگیز و ہلاکو کی قیادت میں وارد ہوئی تھیں ابھی تک کچھ زیادہ کمی ہوئی تھی۔ ہاں جوجی خاں ابن چنگیز خاں کی اولاد جو اوزبک کے نام سے مشہور ہے مسلمان ہو کر اسلام اور مسلمانوں کے لیئے باعث تقویت بن چکی تھی جسکی وجہ یہ تھی کہ وہ خراسان و ایران کی زہریلی ہوا سے قطعاً متاثر نہ ہو سکی تھی اور اسلام کے سیدھے سادے احکام پر عامل تھی۔ قراقورم اور خان بالیغ والے مغلوں کی طرح قندھار و غزنین کے چغتائی مغل ابھی تک اسلام سے ناآشنا اور اپنی چنگیزی حالت پر قائم تھے ۷۰۸ھ میں الجایتو (خدابندہ) نے حکم عام جاری کیا کہ ہمارے زیر حکومت ملکوں میں کوئی شخص خطبۂ جمعہ کے اندر حضرت علی اور اہلبیت کے سوا کسی صحابی کا نام نہ لے اور کوئی متنفس اہلسنت وجماعت کے طریقے پر قائم نہ رہے ورنہ قتل کر دیا جائیگا۔ اس حکم پر اسکی وفات کے بہت دنوں بعد تک بھی نہایت سختی سے عملدرآمد ہوتا رہا اور ایران وخراسان وفارس وآذربائیجان وکردستان وعراق وسیستان وغیرہ میں مغلوں کی خون آشامی کے خوف سے سنیوں کا بکلی استیصال ہو گیا۔ بہت سے لوگ شہید ہوئے۔ بہت سوں نے مذہب تبدیل کر کے اپنی جان بچائی۔ اور مذکورہ ممالک میں انواع و اقسام کے بدعات نے رواج پایا۔ ملّم صاحب اپنی تاریخ میں الجایتو (خدابندہ) کی نسبت لکھتے ہیں کہ۔

ایران کے بادشاہوں میں شیعوں کے مذہب کو ظاہر کرنے والا اور ترقی دینے والا سب سے پہلے یہی بادشاہ تھا جو سکہ اُسنے مضروب کرایا تھا اسپر بارہ اماموں کے نام کندہ تھے۔"

۷۱۲ھ میں سلطان الجایتو (خدابندہ) نے بلا وجہ محض مسلم کشی کے شوق میں سلطان مصر کے خلاف ایک عظیم الشان فوج فراہم کی اور شام و مصر پر حملہ آور ہوا اس حملہ کی تیاریوں کا حال کتاب اویماق مغول کے ان الفاظ سے سمجھ میں آسکتا ہے۔

"ونوشتہ اند کہ دریں یورش پنجاہ ہزار دینار در کار تیاری مجانیق صرف شدہ بود وہزار و پانصد زرہ از دیار فرنگ آوردہ بودند و دو بیست و شصت سراپ با جلہائے اطلس و زنہائے زریں و دو ہزار پانصد اشتر جہت تعمیر سامان و تود چرخ دوراندازہ و یازدہ ہزار خروار تیر پولاد و صد خروار قار و رہ نفت و صد خروار کوس و سی صد و شصت مرد نقاب با کلہائے تیز منقار و پنجاہ ہزار پوست جہت گذرانیدن احمال و اثقال از دریا مرتب شدہ بودند۔"

ان تیاریوں کا حال سنکر ملک شام میں بڑی ہل چل مچی۔ ملک الناصر سلطان مصر جو سلطان ملک المظفر کو قتل کرکے دوبارہ سلطان مصر بنا تھا اور اپنے سرداران فوج اور امرائے ملک سے مشتبہ ہو رہا تھا مغلوں کے مقابلے پر تیار نہ ہو کر ملک شام کی حکومت سے دست برداری اختیار کرنے پر آمادہ تھا۔ اس زمانے میں براعظم ایشیا کی کوئی سلطنت سلطان الجایتو کی ٹکر سنبھالنے کے قابل نہیں سمجھی جاتی تھی۔

حضرت امام ابن تیمیہ کی تدبیر و شمشیر اس نازک اور خطرناک حالت کا صحیح احساس فرماکر اور عالم اسلام کو سخت خطرے کی حالت میں دیکھ کر جس مرد باخدا نے اپنے حواس بجا رکھے اور ضلالت و گمراہی کے اٹڈے ہوئے طوفان کا مقابلہ کرنے کے لئے مرد نبرد بنکر میدان میں نکلا وہ حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ تھے وہ سلطان ملک الناصر کے دربار میں پہونچے اس کو سر دربار غیرتیں دلاکر اور ہمت بندھاکر جس طرح ممکن ہوا مقابلہ پر آمادہ کیا۔ پھر دمشق واپس آکر اہل دمشق کو مدد دینے اور جنگ میں حصہ لینے

کی ترغیب دی۔ سلطان کیبک خان مغل (جو مسلمان تھا) کے پاس ماوراء النہر میں قاصد بھیجے اور اسلام کا واسطہ دیکر سلطان الجایتو (خدابندہ) کے فتنے کو فرو کرنے اور اسلام کی حمایت پر آمادہ ہونے کی ترغیب دی۔ دوسری طرف سلطان طغرل خان ابن تقتائی خاں (از اولاد جوجی خاں) کے پاس بمقام سرائے (سیرا وادہ) ایلچی روانہ کرکے خطرے سے آگاہ کیا۔ آخر الجایتو خان (خدابندہ) نے دریائے فرات کو عبور کرکے ملک شام کو غارت کرنا شروع کیا۔ حضرت امام ابن تیمیہ شام و مصر کی فوجوں کے آگے آگے مقدمۃ الجیش کی سپہ سالاری کرتے ہوئے مغلیہ لشکر پر حملہ آور ہوئے اور اپنی صف شکنی و شمشیر زنی کے وہ جوہر دکھلائے کہ مصری فوج میں جان پڑ گئی اور مغلیہ لشکر کو اس مرتبہ بھی بھاگنا پڑا اور عالم اسلام کا سب سے بڑا خطرہ آئندہ عرصہ دراز تک کے لیے مٹ گیا۔ الجایتو کے شکست کھانے اور بعد شکست ملک شام میں نہ ٹھہرنے اور سراسیمگی کے ساتھ فرار ہونے کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہوا کہ کیبک خاں چغتائی کے حدود خراسان میں داخل ہونے کی خبر الجایتو کے پاس ملک شام میں لڑائی سے قبل پہونچ چکی تھی اور وہ کیبک خاں کے حملے کو روکنا اپنی اور اپنی سلطنت کی حفاظت کے لیے زیادہ ضروری سمجھتا تھا۔ بہر حال امام ممدوح کی تدبیر و شمشیر دونوں نے بڑا کام کیا۔

مغلیہ سلطنت کا زوال

الجایتو کو یہ اتنا بڑا دھکا لگا کہ آئندہ کے لیے خراسان کے بعض حصے اور قندھار و غزنی وغیرہ کے علاقے بھی چغتائیوں کے قبضے میں آ گئے اور ہرات کی ماتحت ریاست بھی ایرانی سلطنت کی سیادت سے خارج ہو گئی۔ ۷۱۶ھ میں الجایتو کا انتقال ہوا۔ اسکے بعد اس کا بیٹا سلطان ابوسعید بہادر خاں جسکی عمر صرف بارہ سال کی تھی باپ کی جگہ دار السلطنت شہر سلطانیہ میں تخت نشین ہوا۔ الجایتو خاں کے امراء میں امیر چوپان سلدوز بہت قابو یافتہ تھا۔ وہی شام کے حملوں میں سپہ سالاری کی خدمات انجام دیتا رہا۔ امیر چوپان سلدوزی کی کوشش سے شہزادہ ابوسعید بہادر خاں کو چونکہ تخت حکومت نصیب ہوا تھا لہذا اسکو وزارت عظمیٰ اور مدار المہامی کا مرتبہ عطا ہوا۔ میسو اغلن چغتائی جو سلطان کیبک خان کا بھائی تھا امیر چوپان سلدوز کا خراسان میں بار بار مقابلہ کرتا رہا آخر ۷۲۱ھ میں امیر چوپان سلدوز کی چالاکیوں سے میسو اغلن کا کام تمام ہوا اور امیر چوپان بلا خدشہ حکومت کے مزے اڑانے لگا۔ اسوقت تک ایران کی سلطنت کا

مزاج وہی تھا جو سلطان الجایتو کے وقت میں تھا۔ بظاہر ابو سعید پادشاہ تھا لیکن درحقیقت امیر چوپان سلدوز سلطنت کرتا تھا۔ امیر چوپان سلدوز سلطان ابو سعید کا بہنوئی بھی تھا اور اسکے اسلام کا اندازہ صرف اس بات سے بھی ہو سکتا ہے کہ اُسنے سلطان الجایتو کی دو بیٹیوں **دولندی خانم** اور **ساتیبک خاتون** سے شادی کی اور دونوں بہنیں بیک وقت اسکی بیویاں تھیں۔ امیر چوپان اور ایران و خراسان کے مغلوں کو اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا البتہ اکثر مغل نام مسلمانوں کے سے رکھنے لگے تھے۔

امیر چوپان کے ایک بیٹے مسمی تیمور تاش نے جو صوبہ روم کا گورنر تھا اسی زمانے میں نبوت و مہدویت کا دعوی بھی کیا تھا۔ اسکے بعد ۷۲۵ھ میں امیر چوپان سلدوز وزیر اعظم کی بیٹی بغداد خاتون کی وجہ سے جسکی شادی امیر حسن جلائر سے ہوئی تھی اور جسپر سلطان ابو سعید عاشق ہو گیا تھا ایسی باتیں وقوع میں آئیں کہ امیر چوپان اور سلطان ابو سعید بہادر خاں میں ناچاقی پیدا ہوئی ۷۲۵ھ کا پورا سال اس حالت میں گذرا کہ سلطان و وزیر کے دل ایک دوسرے سے صاف نہ تھے۔ ترمشیرین خاں ابن دوا خان چغتائی نے جو کیک خاں اور ایسور اغلن کا بھائی اور چغتائیوں کا سلطان اور خوش عقیدہ مسلمان (نومسلم) تھا غزنی میں فوجیں جمع کیں اور خراسان اور ایران پر حملہ آوری کا قصد کیا۔ اس کا حال امیر چوپان سلدوز کو معلوم ہوا تو اُسنے سلطان ابو سعید کو خوش اور اپنے دشمن ترمشیرین خان کو برباد کرنے کے لئے ایک زبردست فوج اپنے بیٹے امیر حسن سلدوز کی سرداری میں روانہ کی۔ ترمشیرین خاں ابھی اپنی جنگی تیاریوں کو مکمل نہ کرنے پایا تھا کہ یکایک اُسپر حملہ ہوا۔ غزنی کے قریب ۷۲۶ھ میں لڑائی ہوئی ترمشیرین خاں نے شکست پائی شکست کھا کر وہ سیدھا سلطان محمد تغلق کے پاس ہندوستان آیا۔ امیر حسن سلدوز نے شہر غزنی کو تباہ و برباد کر کے سلطان محمود غزنوی کے مقبرے اور شہر کی مسجدوں کو بھی تباہ کر ڈالا۔

"در حوالی غزنین امیر حسن ظفر یافتہ در غزنین قتل و غارت بسیار نمودہ حتی کہ مجاوران مقبرہ سلطان محمود غزنوی رانیز اسیر کردہ لشکریان وے بے ادبی ہائے بسیار با معابد و مساجد کردہ در سنہ ست و عشرین و سبعمائہ وا پس بخراسان رفت (اویماق مغول)

سلطان ابو سعید کی ناراضی بجائے کم ہونے کے اور بڑھی اور اس واقعہ کے بعد امیر چوپان وزارت سے معزول اور خواجہ غیاث الدین محمد ابن خواجہ رشید الدین کو منصب

وزارت عطا ہوا۔

خواجہ غیاث الدین کے وزیر ہوتے ہی ایران میں وہ ظالمانہ حکم جو سنیوں کے خلاف سلطان الجایتو کے زمانے سے نافذ تھا اٹھ گیا۔ لیکن امیر چوپان باغی ہو کر خراسان پر قابض ہو گیا اور ۷۲۸ھ میں مارا گیا۔ ۱۳ ربیع الآخر ۷۳۶ھ کو سلطان ابو سعید کا انتقال ہوا اور اس کا انتقال ہوتے ہی ایران و خراسان و عراق وغیرہ میں طائف الملوکی برپا ہوئی جو تیمور لنگ کے زمانے تک قائم رہی یہاں تک مغلوں کی نسبت اور ایران و خراسان کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے زیادہ اور یاق مغول اور کمتر تاریخ الخلفا و تاریخ ملکم وغیرہ سے ماخوذ ہے اس مذکورہ داستان خراسان کو ذہن میں رکھ کر سلطان محمد تغلق کے حالات جو آگے بیان ہوتے ہیں بآسانی اور بخوبی سمجھ میں آسکیں گے۔

سلطان محمد تغلق اور ترمشیرین خان

محمد تغلق ۷۲۵ھ میں تخت نشین ہوا اسوقت تک ایران و خراسان میں عرصہ دراز سے مسلمانوں پر بڑے ظلم ہو رہے تھے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اسی زمانے میں امیر چوپان سلدوز اور سلطان ابو سعید میں شکر رنجی پیدا ہو گئی تھی۔ سلطان دوا خان چغتائی اور اسکے بیٹے کبک خان و ترمشیرین خان ماوراء النہر میں مسلمان ہو چکے تھے اور ان لوگوں کو سلطان الجایتو کے خلاف جبکہ وہ شام پر حملہ آور ہوا تھا آمادہ کیا جا چکا تھا۔ شہزادہ دمشقی جس کا ذکر ضیائے برنی اور فرشتہ وغیرہ نے کیا ہے ۷۲۹ھ میں ہندوستان پہونچکر محمد تغلق کی مصاحبت میں داخل ہو چکا تھا۔ محمد تغلق کی تخت نشینی کے بعد سلطان ترمشیرین خان کا غزنی میں فوجیں جمع کرنا اور خلاف توقع یعنی قبل از وقت جنگ چھیڑنے پر شکست کھا کر غزنی سے سیدھا سلطان محمد تغلق کے پاس دہلی آنا اور پھر یہاں سے کسی مناسب قرارداد کے بعد واپس اپنے ملک کو چلا جانا اور سلطان محمد تغلق کا آئندہ ہمیشہ غزنی کے عامل اور قاضی کے پاس اشرفیاں بھیجتے رہنا ایسی باتیں نہیں ہیں جنپر سے سرسری طور پر گذر جا سکے۔ ضیائے برنی ترمشیرین خان کے ہندوستان آنے کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔ فرشتہ اسکے ذکر نہ کرنے کو اس بات پر محمول کرتا ہے کہ ضیائے برنی نے محمد تغلق کی حمایت کی ہے اور اسکی بے عزتی کو چھپایا ہے یعنی ترمشیرین خان فاتحانہ ہندوستان میں داخل ہوا تھا اور محمد تغلق نے اسکو باج و خراج دیکر اور خوشامد کر کے واپس کیا تھا۔ فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں :-

ترمشیرین خان بن دواخان حاکم الوس چغتائی کہ شجاعت رستم وعدالت کسریٰ در وجمع بود و پادشاہ مسلمان بود با سپاہ افزون از اقطار وامطار واوراق اشجار قاصد تسخیر ہندوستان شدہ در شہور سبع وعشرین وسبعمائہ داخل این مملکت شدہ واز لمغان وملتان تا دروازۂ دہلی تاختہ وغارت کردہ ظاہر آن بلدہ را معسکر خود ساخت وسلطان محمد تغلق شاہ صرفہ در مقابلہ ومقاتلہ ندیدہ از راہ عجز ونیاز در آمد وجمیع ازاہل اعتبار را واسطہ ساختہ از نقود وجواہر آن مقدار را کہ موجب تسلی خاطر ترمشیرین خان شود پیشکش کرد .... ضیائے برنی از ملاحظۂ روزگار این واقعہ را در تاریخ خویش مرقوم نساختہ"

فرشتہ کا یہ بیان از سرتا پا غلط بے بنیاد. واقعات اصلیہ کے بالکل خلاف اور کذب وافترا کی ایک پوٹ ہے۔ فرشتہ نے ترمشیرین خان کی آمد کا سال بھی غلط لکھا ہے کیونکہ وہ سنہ ۷۲۹ھ میں ہندوستان آکر اسی سال بلا توقف واپس چلا گیا تھا فرشتہ نے اس کا آنا سنہ ۷۲۷ھ میں بیان کیا ہے اور یہ صحیح نہیں۔ ضیائے برنی جو محمد تغلق کے عیوب ومخزیات کو نمایاں کرنے اور اسکی خوبیوں پر پردہ ڈالنے میں سرگرم ہے اور باغی غلام طغی نمک حرام کے مقابلے میں محمد تغلق کی آخری زمانے کی سرگردانیوں ومجبوریوں کو بالتفصیل مزے لے لے کر بیان کرتا ہے اتنے بڑے حادثے یعنی ترمشیرین خاں کے حملے کو محمد تغلق کی بے عزتی پر پردہ ڈالنے کے لیئے تو ہرگز نظر انداز نہیں کر سکتا تھا حقیقت یہ ہے کہ ترمشیرین خاں امیر حسن ابن امیر حسن چوپان سلدوز سے شکست کھا کر محمد تغلق کے پاس خراسان وایران کے مسلمانوں کو نجات دلانے اور متفقہ کوشش سے اس دشوار کام کے انجام تک پہونچانے کے متعلق مشورہ کرنے آیا تھا۔ ترمشیرین خاں ایک دوست اور مہمان کی حیثیت سے آیا تھا نہ کہ دشمن اور حملہ آور کی حیثیت سے اگر وہ حملہ آور ہوا تھا اور لوٹ مار کرتا ہوا دہلی تک پہونچا تھا تو ملتان سے بہرام ایبہ کہاں چلا گیا اور مقابلہ کیئے بغیر کس تہ خانے میں چھپ گیا تھا۔ سلطان محمد تغلق سلطان غیاث الدین تغلق کا بیٹا تھا جسکے نام سے مغل لرزتے تھے وہ اس آسانی سے ترمشیرین خاں کے آگے جو خود ہی پریشانی اور تباہ حالی میں گرفتار تھا بلا مقابلہ کیئے ذلت کے ساتھ ہتیار نہیں ڈال سکتا تھا۔ ترمشیرین خان چونکہ نو مسلم تھا اس لیئے وہ محمد تغلق کی نگاہ میں ضرور عزیز ومکرم تھا

محمد تغلق نے یقیناً اسکو ہر قسم کی دلاسا و تسلی دی اور روپیہ سے بھی اسکی مدد کی اور دوستی و یکجہتی کے عہد و اقرار استوار اور آیندہ منصوبوں کو طے اور متعین کر کے ہندوستان سے رخصت کیا۔ اس کا ایک بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ ترمشیرین خاں نے ہندوستان سے واپس جا کر اپنے داماد امیر نوروز کو بہت سے سرداروں اور سپاہیوں کے ساتھ سلطان محمد تغلق کی فوج میں شامل ہونے کے لئے بھیجدیا تھا جس کا ذکر خود فرشتہ ان الفاظ میں کرتا ہے کہ۔

"امیر نوروز داماد ترمشیرین خاں کہ پادشاہزادہ چغتائی بود با بسیارے از امرائے ہزارہ و صدہ بہندوستان آمدہ نوکری سلطان محمد شاہ اختیار کردہ"

غرض ترمشیرین خاں کا سنہ ۷۲۶ھ میں ہندوستان آنا ایران و خراسان وغیرہ کو ہلاکو خاں کی اولاد کے قبضے سے نکالنے کی تجویزوں کو پختہ کرنے اور محمد تغلق کو اس کام کا ذمہ دار بنانے کے لیے تھا اور محمد تغلق اس ضروری کام کے لیے بدل و جان آمادہ ہو گیا تھا تاریخوں میں بظاہر صاف الفاظ نہیں ملتے لیکن اس بات کو تسلیم کر لینے کے لیے زبردست قرائن موجود ہیں کہ یہ سارا کام حضرت امام ابن تیمیہ کی تجاویز کے مطابق ہوا تھا جنکی ترمشیرین خاں سے خط و کتابت ہو چکی تھی۔ ادھر محمد تغلق کے دربار میں بھی امام ممدوح کے فرستادے یقیناً موجود تھے اور محمد تغلق کو ترمشیرین خان کے خراسان پر حملہ آور ہونے کی تیاریوں سے ضرور کوئی تعلق تھا اور اسی لیے ترمشیرین خاں غزنی سے سیدھا ہندوستان آیا۔ ترمشیرین خاں کے ہندوستان آکر سلطان محمد تغلق سے ملاقات کرنے کا ایک نمایاں نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ غزنی کا شہر اور اس کا نواحی علاقہ چغتائیوں نے محمد تغلق کے زیر سیادت چھوڑ دیا تھا۔ اس بات کو بھی صاف الفاظ میں کسی مورخ نے نہیں لکھا لیکن ضیائے برنی کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ غزنی پر محمد تغلق کی سیادت قائم تھی اور محمد تغلق قاضی غزنی ہی کے ذریعے خراسان و ایران کے حالات و تغیرات سے واقف و آگاہ رہتا تھا سلطان فیروز تغلق کے زمانے تک بھی غزنی ہندوستان کی سلطنت میں شامل تھا چنانچہ ملتان سے غزنی تک کا علاقہ ایک صوبہ دار کے ماتحت رہتا تھا جسکا ذکر شمس سراج عفیف کی تاریخ میں موجود ہے۔ سلطان محمد تغلق کی تمامتر توجہ اس طرف منعطف ہو چکی تھی کہ ہلاکو خانیوں کو ایران و خراسان سے بیدخل کرے اور اسی لیے اسکو غزنی کے

عامل کی خاطر بہت عزیز تھی جسکا ذکر ضیائے برنی نے بار بار کیا ہے چغتائی چونکہ ایران وخراسان کو خود فتح نہیں کر سکتے تھے۔ لہذا وہ محمد تغلق کے آمادہ ہوجانے سے بہت خوش اور اسکے ہر طرح مدد ومعاون بنگئے۔ ضیائے برنی بار بار اس بات کی شکایت کرتا ہے کہ محمد تغلق خراسان وایران وعراق کے لوگوں کی جو ہندوستان میں آتے ہیں بڑی خاطر کرتا اور ان کو خوب انعام واکرام دیتا تھا۔ یہ بالکل صاف اور غیر مشتبہ حقیقت ہے کہ جو بادشاہ کسی ملک پر حملہ آوری کا قصد رکھتا ہو وہ اس ملک کے باشندوں کو اپنی جانب مائل کرنے کی ضرور کوشش کیا کرتا ہے۔ اسی زمانے میں حضرت سلطان المشائخ نظام اولیا کے مرید وخلیفہ حضرت مولانا فخر الدین زرادیؒ جو حج بیت اللہ کے بعد شام وبغداد میں علم حدیث کی تحصیل سے فارغ ہوکر دہلی واپس آئے تھے سلطان محمد تغلق نے انسے جو گفتگو کی وہ تفصیلاً سیر الاحرار میں اس طرح درج ہے۔

"سلطان محمد تغلق میخواست کہ ملک ترکستان وخراسان را ضبط کند وآل چنگیز را از اں دیار براند مولانا را گفت شما دریں کار با موافقت خواہید کرد مولانا گفت انشاء اللہ تعالی سلطان گفت ایں کلمہ شک است مولانا گفت در مستقبل ہمچنیں آید"

دار السلطنت کی تبدیلی اور حملۂ خراسان کی حقیقت

محمد تغلق اپنی تخت نشینی کے دوسرے ہی سال سے جبکہ ترمشیریں خاں ہندوستان آیا تھا خراسان کی فتح کا مصمم ارادہ کرچکا تھا۔ ساتھ ہی وہ اس بات سے بھی بے خبر نہ تھا کہ جنوبی ہند چند ہی روز سے سلطنت اسلامیہ میں شامل ہوا ہے۔ شمالی ہند میں سلطنت اسلامیہ کو بظاہر کسی اندرونی دشمن کا خطرہ نہ تھا شمالی ہند کے ہندو سوا سو سال سے مسلمانوں کے محکوم اور رعایا بن چکے تھے لیکن دکن کی حالت ایسی نہ تھی اسپر اسلامی حکومت نئی نئی قائم ہوئی تھی مسلمانوں نے سو برس تک دکن کی فتح کا ارادہ اس لیئے ملتوی رکھا تھا کہ شمالی ہند پر مغلوں کے حملے پیہم ہورہے تھے اور مغلوں کے حملوں سے شمالی ہند کا بچانا ضروری تھا۔ محمد تغلق کو مغلوں کے حملوں کا کوئی خطرہ اب باقی نہ رہا تھا دکن بھی اسکے قبضے میں تھا لیکن دکن کی جانب سے اسکو ایسا اطمینان حاصل نہ تھا جیسا کہ شمالی ہند سے وہ مطمئن تھا۔ خراسان کی فتح کا ارادہ بھی وہ کرچکا لہذا اسنے دیوگیر (دولت آباد) کو دار السلطنت بنانا چاہا۔ اس کا ہرگز یہ ارادہ نہ تھا

کہ دہلی کی مرکزیت کو مٹائے اسنے صاف طور پر اظہار کر دیا تھا کہ میرا نائب السلطنت دہلی میں رہے گا۔ دیوگیر پہلے ہی یعنی علاء الدین خلجی کے زمانے سے جبکہ دکن سلطنت اسلامیہ میں شامل ہوا مرکز سلطنت تھا اور وہاں دکن کا حاکم نائب السلطنت یا ملک نائب کے نام سے رہتا تھا۔ دکن کی فتح سے پہلے دہلی کے بعد ملتان کا مرتبہ تھا یعنی ملتان میں سلطان دہلی کا سب سے بڑا معتمد وائسرائے رہتا تھا کیونکہ وہی مغلوں کے حملوں کو روکتا تھا فتح دکن کے بعد محمد تغلق کی تخت نشینی تک دیوگیر اور ملتان دونوں کا مرتبہ مساوی تھا اور یہ دونوں مقام دوم درجے کے دارالسلطنت سمجھے جاتے تھے ترمشیرین خاں کی آمد کے بعد چونکہ مغلوں کے حملوں کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ لہذا ملتان کی اہمیت جاتی رہی اور صرف دیوگیر دوم درجہ کا دارالسلطنت رہ گیا۔ دہلی اسلیئے اول درجہ کا دارالسلطنت تھا کہ وہاں بادشاہ رہتا تھا اور دیوگیر اسلیئے دوم درجہ کا دارالسلطنت تھا کہ وہاں کا وائسرائے سلطان دہلی کی خدمت میں دکن کے انتظام کا جواب دہ تھا محمد تغلق کی تجویز یہ تھی کہ دہلی اور دیوگیر کی حیثیتوں کو ایک دوسرے سے تبدیل کر دیا جائے یعنی وائسرائے دہلی میں رہے اور بادشاہ دیوگیر میں مقیم ہو کر دکن کی حالت کو جلد قابل اطمینان بنا سکے اور حملہ خراسان کے لیئے دریائے سندھ کے کنارے دہلی اور دیوگیر دونوں جانب سے طاقت فراہم کر دی جائے۔ اگر دہلی میں بیٹھ کر وہ حملہ خراسان کی تیاری کرتا تو دکن کا بے قابو ہو جانا بالکل یقینی تھا جہاں کے ہندو ہلاکو خانیوں سے پہلے ہی سازباز رکھتے تھے۔ اگر وہ دہلی کو بالکل ویران ہی کرنا چاہتا تو سنہ ۷۲۷ھ میں جبکہ دیوگیر جا رہا تھا دہلی میں ایک قصر شاہی کی تعمیر کا حکم نہ دیتا جو سنہ ۷۲۸ھ میں تعمیر ہو کر پایہ تکمیل کو پہونچا اور بدر چاچ المخاطب بہ فخر زماں نے اس کی تاریخ فادخلوھا نکالی۔ فتدبروا۔

اب ذرا ہندوستان کے نقشے میں دہلی اور دیوگیر کے مقاموں کو دیکھو اور سوچو کہ محمد تغلق نے دیوگیر کو دارالسلطنت بنانے میں کونسی حماقت کی تھی اور اسکے سوا اسکو اور کیا کرنا چاہیئے تھا اور اگر تم محمد تغلق کی جگہ ہوتے اور تمہارے وہی عزائم ہوتے جو محمد تغلق کے تھے تو تم کیا کرتے۔ محمد تغلق کا دارالسلطنت کو تبدیل کرنا ہرگز اس سے زیادہ اہم نہ تھا جسقدر کہ انگریزوں کا کلکتہ کی جگہ دہلی کو دارالسلطنت بنانا تھا۔ اس جگہ یہ بھی

یاد دلا دینا ضروری ہے کہ حضرت شاہ نظام الدین اولیاء سلطان محمد تغلق کی تخت نشینی سے پہلے اپنے سب سے بڑے خلیفہ حضرت شیخ برہان الدین کو معہ اپنے چار سو مریدین کے دیوگیر کی طرف بھیج چکے تھے اور انھوں نے پہلے ہی دیوگیر (دیوگڑھ) کو تبلیغ اسلام کا مرکز بنانا تجویز کر لیا تھا۔ پس جس مقام کو حضرت نظام اولیاء مرکزیت عطا کر چکے تھے اس مقام کو اگر سلطان محمد تغلق نے بھی مرکز حکومت بنانا چاہا تو یہ ایک مرد خدا آگاہ کے منشا کو پورا کرنا تھا لہذا کم از کم اُن لوگوں کی زبان اعتراض تو بالکل بند ہو جانی چاہیئے جو حضرت ممدوح کے علوے مراتب کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ ضیائے برنی بھی اگر دل سے ان لوگوں میں شامل ہوتا تو بجائے اعتراض کے تحسین و آفرین پر مجبور ہوتا۔

ضیائے برنی تو سن و سال اور واقعات کی ترتیب زمانی کو ترک ہی کر چکا ہے عبدالقادر بدایونی منتخب التواریخ میں لکھتے ہیں کہ محمد تغلق سنہ ۷۲۷ھ میں دیوگیر (دیوگڑھ) گیا اور اپنی والدہ مخدومۂ جہان کو بھی دیوگیر لے گیا۔ دہلی سے دیوگڑھ تک راستے میں جا بجا مسافرخانے اور مسافروں کی حفاظت کے لیئے چوکیاں قائم کیں اور مسافروں کے لیئے ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔ منتخب التواریخ کا یہ بیان صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ ترمشیرین خاں کے جاتے ہی محمد تغلق دکن کی جانب سے جلد از جلد مطمئن ہونا اور خراسان پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ تاریخ مبارک شاہی سے بھی منتخب التواریخ کے بیان کی تائید ہوتی ہے علاء الدین خلجی نے ہندوستان کا نظام سلطنت اور قانون ملکداری بہت اچھا مرتب کر دیا تھا لیکن قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے عہد حکومت میں وہ تمام آئین و قوانین درہم برہم ہو گئے تھے۔ ضیائے برنی اور ملا عبدالقادر بدایونی صاف الفاظ میں اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ محمد تغلق نے سلطنت کے ہر ایک شعبے اور ہر ایک محکمے کے لیئے جدید آئین نافذ کیئے جو ضیائے برنی کی روایت کے موافق اسلوب یا اسالیب کہلاتے تھے ساتھ ہی دارالسلطنت کی تبدیلی کا بندوبست کیا۔ دہلی اور دیوگیر کے درمیان آمد و رفت کی سہولت اور راستے کا امن و امان صرف اسی لیئے ضروری نہ تھا کہ دہلی کے شاہی محکمے اور شاہی اہلکار دیوگیر جانے والے تھے بلکہ انتظام ملکی اور سلطنت کی مضبوطی کے لیئے ہمیشہ ان دونوں صدر مقاموں کے درمیان سفر کی سہولت اور آمد و رفت کی آسانی از بس ضروری تھی اور اس کام کو محمد تغلق نے سب سے پہلے کیا۔ جبکہ بادشاہ خود دیوگیر میں

قیام کرنا چاہتا تھا تو اس کی یہ خواہش کہ اسکے مصاحبین۔ وزراء۔ امراء۔ اور دفتروں کے تجربہ کار و کارگذار اہلکار نیز علما و فقہا و صوفیا بھی اسکے ساتھ دیوگیر کی سکونت اختیار کریں کچھ بیجا نہ تھی اور اس میں سب سے بڑی مصلحت یہ تھی کہ اہل دکن کو معلوم ہو جائے کہ اب مستقل طور پر دیوگیر سلطنت اسلامیہ کا دارالسلطنت بن گیا ہے اور دہلی کی سکونت کو سلطان نے ترک کر دیا ہے۔ اہل دکن کو اس بات کا یقین ہو جانا ہی دکن کی تمام آیندہ بغاوتوں اور سرکشیوں کے ختم اور مسدود ہو جانے کے لئے کافی تھا۔ اور یہی مصلحت تھی کہ دیوگیر یا دیوگڑھ کا نام تبدیل کر کے دولت آباد کے نام سے اُسے موسوم کیا گیا تاکہ اصل مقصد پورے طور پر حاصل ہو جائے۔ اس زمانے کی دنیا میں کوئی بادشاہ ایسا نہیں ہو سکتا تھا جو اپنی کسی ایسی مصلحت کو اشتہار دیکر لوگوں کو سمجھاتا۔ محمد تغلق نے حکم دیا کہ تمام شاہی کارخانے اور اُن کارخانوں کے متوسلین دہلی سے دولت آباد کی جانب منتقل ہو جائیں۔ اسکے لئے اسنے لوگوں کی مجبوریوں اور سفر کی دقتوں کو بخوبی ملحوظ رکھا۔ دولت آباد میں اپنے خرچ سے مکانات بنوائے۔ دہلی کے مکانوں اور دہلی کی جائدادوں سے زیادہ اچھے مکانات اور زیادہ قیمتی جائدادیں عطا کیں۔ ملا صاحب بدایونی کی روایت کے موافق دولت آباد میں روزینے اور تنخواہیں دہلی کی نسبت سہ چند کر دیں۔ باربرداری اور سواری کا خود انتظام کیا۔ باوجود اسکے لوگوں کو نہایت سیرچشمی کے ساتھ مصارف سفر کے نام سے روپیہ دیا اور لطف یہ کہ دہلی کے مکانات کی قیمتیں الگ عطا کیں۔ ضیائے برنی بھی اسقدر اقرار کرتا ہے کہ۔

"در باب خلق روانی سلطان اکرامات و انعامات بسیار کرد چہ در وقت رواں کردن

وچہ ہنگام رسیدن دیوگیر مبذول فرمود"

اُسی زمانے میں نہیں ہر زمانے میں اور آجکل بھی اگر ایسی صورت پیش آئے تو کچھ لوگ ضرور ایسے نکل آئیں گے جو ہر قسم کی سہولت ہر قسم کے منافع اور ہر قسم کی بہترین امیدیں ہوتے ہوئے بھی ترک سکونت پر آمادہ نہ ہوں گے۔ چنانچہ بعض لوگوں نے سلطان کے اس حکم کو تکلیف مالایطاق قرار دیکر تعمیل سے انکار و اعراض کیا اور انکار کرنیوالوں کی جرأت دیکھکر دوسروں میں بھی جو سفر پر آمادہ ہو چکے تھے انکار کی ہمت پیدا ہو گئی۔ ایسی حالت میں ایک بادشاہ۔ ایک سلطان ایک شہنشاہ جو خراسان و ایران کے فتح کرنے کا حوصلہ رکھتا ہو اپنی بات منوانے کے لئے لوگوں کو خوشامد و مدارا اور منت سماجت ہی سے

آباد نہیں کر سکتا تھا اسکو اپنے حکم کی تعمیل میں یہ تغافل و انکار دیکھکر شاہانہ شوکت و سطوت سے کام لینا پڑا۔ اس اظہار شوکت میں بھی اسنے انسانی کمزوریوں کا پورا لحاظ رکھا اور نہایت وسیع مہلتیں تعمیل حکم کے لئے عطا کیں۔ جو مکانات دہلی میں اس طرح خالی ہوئے ان کو دوسرے شہروں اور قصبوں کے مستحق اور باکمال لوگوں سے آباد کیا۔

سلطان محمد علما و اکابر و معارف خطط و قصبات معروف بلاد ممالک را در شہر دہلی وطن و متوطن گردانیدہ بود (ضیائے برنی)

جن لوگوں کو بادل ناخواستہ دہلی کی سکونت ترک کرنی پڑی تھی وہ جب کچھ مدت کے بعد دہلی واپس آئے تو انھوں نے جیسا کہ عوام کا دستور اور مخلوق کی عادت ہے عجیب عجیب افسانے تراشے اور بعد میں یہی جھوٹے افسانے لوگوں کی زبان پر جاری رہ کر تاریخی روایات کی صورت پکڑ گئے مثلاً یہ کہ دہلی بالکل ویران ہو گئی تھی۔ دہلی میں ایک کتا اور ایک بلی بھی باقی نہ رہی تھی وغیرہ وغیرہ۔ نہ کسی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے نہ عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ دہلی کے سارے باشندے دولت آباد کو منتقل کئے گئے تھے حقیقت یہ ہے کہ وہی لوگ جو دربار سلطنت اور کارخانجات سلطنت سے تعلق رکھتے تھے منتقل ہوئے تھے۔ سلطان محمد تغلق کی دانائی اور نکتہ رسی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ۷۲۷ھ کے شروع میں جبکہ بعض اہل دہلی کو دولت آباد منتقل ہونے کا حکم دیا تو سب سے پہلے اسنے اپنا نمونہ پیش کیا کہ ملک احمد ایاز کو دہلی کا وائسرائے بناکر اپنے اہل وعیال اور اپنی والدہ مخدومہ جہان کو دولت آباد لے گیا۔ مخدومہ جہان کے متوسلین میں بہت سے درویش اور صوفی لوگ تھے جنکو مخدومہ جہان کی سرکار سے روزینے ملتے تھے یہ لوگ بھی مخدومہ جہان کے ساتھ دہلی سے دولت آباد چلے گئے۔ دہلی سے دولت آباد کی طرف جانے والا یہ سب سے پہلا شاہی قافلہ درویشوں کی کثیر التعداد جماعت پر مشتمل تھا۔ انھیں میں حضرت شیخ حسن دہلوی بھی تھے جنھوں نے دولت آباد ہی میں وفات پائی۔ ان تمام کاموں کے ساتھ ہی سلطان نے فوجی بھرتی بھی جاری کر رکھی تھی چنانچہ ماوراء النہر اور افغانستان سے مغل اور پٹھان آآکر فوج شاہی میں بھرتی ہورہے تھے۔ اسی زمانے میں ترمشیرین خاں کا داماد امیر نوروز مغلوں کی ایک فوج لیکر آیا جسکا اوپر تذکرہ ہو چکا ہے۔ اسی زمانے میں اسمٰعیل افغان

گاں افغان ۔ شاہو افغان وغیرہ افاغنہ اپنی اپنی جمعیتیں لے کر آئے اور سلطان محمد تغلق نے ان کو بڑے بڑے عہدے عطا کئے ضیائے برنی ان لوگوں کے ہندوستان آنے اور عہدے پانے سے بہت ناراض ہے اور بار بار حرف شکایت زبان پر لاتا ہے لیکن جس فوج کو خراسان پر حملہ کرنا تھا اس میں یہی افغان اور مغل زیادہ کار آمد اور مفید ثابت ہو سکتے تھے۔ اور اسی لئے سلطان ان لوگوں کی ہمت افزائی اور قدر کرتا تھا۔

محمد تغلق کی مستعدی غور کرنے اور سوچنے کا مقام ہے کہ زیادہ سے زیادہ تین سال کے عرصہ میں یعنی ۷۲۵ھ سے ۷۲۷ھ کے آخر تک محمد تغلق نے کسقدر کام انجام دیئے۔

(۱) ہر محکمے کے متعلق آئین و ضوابط جاری کیے۔

"ہر روز صد حدیث و دو صد بیست حدیث فرمانش بخط توقیع در دیوان خریطہ دار کہ آن دیوان را دیوان طلب احکام توقیع نام شدہ بود میرسید و بر حکم آں احکام مجدّ نفاذ و امراز والیان و مقطعان و متصرفان اقرب و ابعد اقالیم طلب می شد و در تقصیر و اہمال تغیرات و تشدیدات جاری می گشت" (ضیائے برنی)

(۲) شہر دولت آباد (دیوگیر) اور وہاں کے قلعہ کی تعمیر۔

(۳) دولت آباد اور دہلی کے درمیان مسافروں کے آرام اور راستہ کے امن و امان کا اہتمام کیا۔

(۴) ملک کے ہر صوبے اور ہر حصے میں مناسب اہلکاروں اور صوبہ داروں کو مقرر کیا۔

(۵) ملک کے خراج کی وصولی اور آمد و خرچ کے حسابات میں کسی قسم کا نقص اور سقم باقی نہ چھوڑا۔

"و در چند سال اول جلوس سلطان محمد خراج بلاد ممالک دہلی و گجرات و مالوہ و دیوگیر و تلنگ و کنپلہ و دہور سمند و معبر و ترہت و لکھنوتی و ستار گانوں و سنار گاؤں چناں مضبوط شد کہ محلات اقالیم و عرصات مذکور باں دوری و بعد مسافت چناں کہ حساب کرو قصبات و دیہہ ہائے میان دو آب می شود در دیوان وزارت دہلی بپہنچاں می شد .... و دراں چند سال محمد شاہی عجب ضبطے و استقامتے روے نمود" (ضیائے برنی)

(۶) خود معہ مخدومۂ جہان دیوگیر گیا اور تمام شاہی دفتروں اور کارخانوں کو بھی دہلی سے لیگیا دہلی والوں کے لیئے سفر کی سہولتیں بہم پہونچائیں۔
(۷) پونے چار لاکھ جدید فوج فتح خراسان کے لیئے بھرتی کی اور اس جدید فوج کے لیئے ہر قسم کا سامان فراہم کیا۔

"در ان سال سہ لک و ہفتاد ہزار سوار را تذکرۂ دیوان عرض پیش تخت گذرانیدہ بودند" (ضیائے برنی)

ایسے مستعد۔ جفاکش۔ عقلمند۔ دوربین مستقل مزاج اور اولوالعزم سلطان کا تصور کرتے ہوئے یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ وہ خود جید عالم تھا اور دربار میں ہمیشہ اپنے سامنے قرآن مجید اور کتب احادیث موجود رکھتا تھا۔ قرآن مجید کے خلاف کوئی حکم اور کوئی فیصلہ صادر نہ کرتا تھا۔ اسنے انفصال خصومات اور اجرائے احکام شرعیہ کے لیئے قاضی اور مفتی ہر شہر وقصبے میں حسب دستور سابق قایم رکھے تھے لیکن وہ انکی تنگ نظری و مراسم پرستی کو مٹانا اور شریعت کے صاف وسادہ احکام کا پابند بنانا چاہتا تھا اسنے پرانے نظام قضا کو تبدیل کرکے قاضی کمال الدین کو کمال الملک صدر جہاں کا خطاب دیکر مہتمم امور شرعیہ کا عہدہ عطا کیا تھا۔ کمال الملک صدر جہاں سلطان کے ہمخیال اور متبع کتاب وسنت بزرگ تھے۔ اس انتظام اور تغیر وتبدل کا ملک پر بہت اثر ہوا۔ تعجب ہے کہ سلطان کی اس روشن خیالی اور راست روی کو شریعت اسلام سے منحرف اور خلاف شرع امور کا مرتکب ہونا قرار دیا گیا۔ تمام وہ لوگ جو محکمۂ شرعیہ کے مذکورہ تغیر واصلاح سے اپنا سابقہ اقتدار کھو چکے تھے سلطان کے بدخواہ اور اسکے کاموں میں مشکلات پیدا کرنے کا موجب تھے۔ یہ حقیقت اگر ہندوؤں اور عیسائیوں کی سمجھ میں نہ آئے تو تعجب نہیں لیکن مسلمانوں کی سمجھ میں ضرور آجانی چاہیئے کیونکہ اُن کی قومی تاریخ اس قسم کی صدہا مثالیں اپنے اندر رکھتی ہے اور وہ واقف ہیں کہ اکبر کو مولویوں سے متنفر بنانے کا موجب خود بعض تنگ نظر متشقق مولوی ہی ہوئے جن میں اس زمانے کے مشہور ومعتبر مورخ ملا عبدالقادر بدایونی کو بھی ایک حد تک شامل سمجھا جاتا ہے۔ محمد تغلق کے ابتدائی عہد حکومت سے ایک ایسی مخالف طاقت ہندوستان میں موجود ہوگئی تھی جس کا وجود فی الخارج بعد کے مورخین کی نگاہ سے قطعاً پوشیدہ رہا۔ ہمارا سب سے زیادہ قیمتی مورخ

ضیائے برنی بھی اسی مذکورہ مخالف اور دل شکستہ گروہ میں شامل تھا۔ ○

گرشاسپ اور بہرام ایبہ کی بغاوت

ملا صاحب بدایونی کی روایت کے بموجب ۷۲۶ھ کے آخر ایام میں ملک بہادر گرشاسپ نے دہلی میں فتنہ برپا کیا جبکہ سلطان محمد تغلق دولت آباد (دیوگیر) میں اور ملک احمد ایاز دہلی میں نائب السلطنت تھا ملک سلطان کے حکم سے قتل کیا گیا۔ بدایونی نے گرشاسپ کی سرکشی و بغاوت کے اسباب بیان نہیں کیے۔ فرشتہ گرشاسپ کا پورا نام اس طرح لکھتا ہے" بہاء الدین عم زادہ سلطان محمد شاہ المخاطب بہ گرشاسپ کہ از امرائے کبار بود" لیکن فرشتہ نے گرشاسپ کی بغاوت کو ۷۳۹ھ سے متعلق کیا ہے اور اس کو ولایت ساغر (دکن) کا صوبہ دار بنا کر دکن ہی میں بلال دیو کی تحریک سے اس کا باغی ہونا بیان کیا ہے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ وہ جب گرفتار ہو کر سلطان کی خدمت میں آیا تو سلطان نے اس کی کھال کھچوانے کا حکم دیا۔ فرشتہ ہی کی تقلید میں الفنسٹن صاحب بھی گرشاسپ کی بغاوت کو ۷۳۹ھ کا واقعہ بتاتے اور اس کو سلطان کا بھتیجا لکھتے ہیں۔ ضیائے برنی اس کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔ مگر ابن بطوطہ جو کئی سال کے بعد ہندوستان آیا تھا اپنی سنی ہوئی افواہوں کی بموجب ملک بہرام ایبہ کی بغاوت کو گرشاسپ کے قتل کا نتیجہ بتاتا ہے جس سے اس بات کا ثبوت بہم پہنچتا ہے کہ ملک بہرام کی بغاوت کو گرشاسپ کی بغاوت کے بعد بتلاتے مگر سن و سال کے تعین میں غلطی کرتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ فرشتہ نے گرشاسپ کی بغاوت کو نصرت خاں صوبہ دار ساغر کی بغاوت سمجھ لیا ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے اور اسی طرح بہرام ایبہ کے حادثہ کو تاتار خاں المخاطب بہ بہرام خاں حاکم بنگالہ کی تاریخ وفات سے متعلق کر دیا ہے۔ فرشتہ ہی کے بیان سے الفنسٹن اور دوسرے مورخین نے دھوکا کھایا ہے گرشاسپ کی بغاوت یقیناً دہلی میں ہوئی اور جیسا کہ بدایونی کا بیان ہے ۷۲۶ھ کے آخر ایام میں ہوئی اس بغاوت کا سبب بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ ملک احمد ایاز گورنر دہلی سلطان محمد تغلق کے دولت آباد پہنچنے کے بعد دہلی کے ان لوگوں کو جنھیں اپنی سکونت دولت آباد میں منتقل کرنے کا حکم تھا دہلی سے روانہ ہونے پر زور دے رہا تھا اور اس کو خاص طور پر اس کام کے لئے تاکید تھی۔ گرشاسپ نے سلطان کی غیر موجودگی میں دہلی کے اکثر باشندوں اور مولویوں سے امداد پا کر علم بغاوت بلند کیا۔ دہلی کے اندر کوئی شخص

عوام اور مذہبی پیشواؤں کی شرکت کے بغیر بغاوت کی جراءت نہیں کر سکتا تھا آخر ملک احمد ایاز اور گرشاسپ کا دہلی میں معرکہ ہوا اور گرشاسپ گرفتار ہو کر سلطان کے پاس پہونچا اور اپنی غلط کاری کی سزا پائی۔ بہرام ایبہ جو غیاث الدین تغلق کے زمانے سے ملتان و پنجاب کا حاکم چلا آتا تھا اور محمد تغلق کو ایک ناتجربہ کار لڑکا سمجھ کر کچھ زیادہ خاطر میں نہ لاتا تھا گرشاسپ کے قتل سے متاثر اور ناخوش ہو کر سرکشی پر آمادہ ہوا۔ بہرام ایبہ کی بغاوت کوئی معمولی بغاوت نہ تھی اور سلطان کے حرکت کیئے بغیر اُس کا فرو ہونا آسان نہ تھا۔ بہرام آیبہ کی بغاوت کا ذکر ضیائے برنی نے کیا اور اس کو اولین بغاوت بتایا ہے ضیائے برنی نے جس طرح ترمشیرین خاں کا ذکر نہیں کیا اسی طرح گرشاسپ کی بغاوت کو بھی نظر انداز کر دیا ہے لہذا بہرام ایبہ کی بغاوت کو پہلی بغاوت بتانا تعجب نہیں۔

"اول فتنہ بغی بہرام ایبہ بود کہ در ملتان زادہ سلطان محمد در ان ایام کلاه در ملتان باغی شد و درد پوگیر بود" (ضیائے برنی)

بہرام ایبہ کی بغاوت کا سبب فرشتہ اور بعض دوسرے مورخین نے یہ لکھا ہے کہ سلطان محمد تغلق نے اس سے بھی یہ فرمایش کی تھی کہ اپنے اہل و عیال کو دولت آباد میں بھیجدے اسپر وہ شاہی ایلچی کو قتل کر کے باغی ہو گیا۔ اس بیان سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ گرشاسپ اور بہرام ایبہ کی بغاوتوں کا سبب ایک ہی تھا اور بہرام ایبہ کو گرشاسپ کے ساتھ ہمدردی تھی اور گرشاسپ کے بعد جلد ہی بہرام ایبہ بھی باغی ہوا لہذا بہرام ایبہ کی بغاوت کو جیسا کہ ملا بدایونی کے بیان سے ثابت ہوتا ہے ۷۲۸ھ کا واقعہ سمجھنا چاہیئے۔ سلطان دولت آباد سے سیدھا دہلی آیا۔ دہلی سے ملتان پر حملہ آور ہوا۔ بہرام ایبہ شکست کھا کر مارا گیا۔ ملتانی چونکہ بہرام ایبہ کے لشکر میں شامل تھے لہذا سلطان نے ملتان کے قتل عام کا ارادہ کیا لیکن حضرت شیخ رکن الدین نے سلطان کی خدمت میں خود تشریف لا کر اہل شہر کی سفارش کی اور سلطان نے ملتانیوں کو معاف کر کے منتخب التواریخ کی روایت کے موافق قوام الملک مقبول کو ملتان کی صوبہ داری عطا کی۔ اس جگہ یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوام الملک کون شخص ہے؟ یہ قوام الملک وہی کنو ہندو کا نوکر تو مسلم ہے جو حضرت شاہ نظام الدین اولیا کے ہاتھ پر مسلمان ہوا اور حضرت ممدوح کی وفات کے بعد سلطان محمد تغلق نے اسکی تربیت کی جانب خصوصی توجہ مبذول فرما کر اس کا مرتبہ

یہاں تک بلند کیا کہ قوام الملک کا خطاب دیکر ملتان کا صوبہ دار بنایا۔ بہزاد خاں کو قوام الملک کی امداد کے لیے ملتان کا سپہ سالار اور شاہو افغان کو بہزاد خاں کا نائب مقرر کیا۔ ملتان میں جب قوام الملک کے بیٹا پیدا ہوا تو اسنے سلطان محمد تغلق کو اطلاع دی سلطان نے قوام الملک کو لکھا کہ اس لڑکے کو میرا ہمنام بناؤ یعنی اسکا نام جونا خاں رکھو چنانچہ اس کا نام جونا خان رکھا گیا (سلطان محمد تغلق کا اصل نام جونا خاں تھا) دہلی اور ملتان کی بغاوتیں ایسی نہ تھیں کہ سلطان محمد تغلق ان سے متاثر نہ ہوکر اور معمولی واقعہ قرار دیکر تحقیق و تفتیش کے درپے نہ ہوتا اسنے ملتان سے دہلی آکر باغیوں اور باغیانہ خیالات پھیلانے والوں کا کھوج لگایا تو بہت سے علما وسادات و شیوخ مجرم ثابت ہوئے جنکو بغاوت کی سزائیں علی قدر مراتب دیگئیں۔ جو قتل کے مستحق تھے بیدریغ قتل کیئے گئے یہی وہ قتل ہے جس کی شکایت ضیائے برنی بار بار کرتا ہے مگر اس موقع پر یہ بات صاف اڑا جاتا ہے اور مطلق نہیں بتاتا کہ اسکے احباب و رشتہ دار کون کون جرم بغاوت میں قتل ہوئے۔ دوسرے موقع پر کہتا ہے کہ۔

"خون مسلمانان سنی و مومنان صافی اعتقاد چون جوئے آب بر طریق سیاست
پیش داخول سلطانی روان گردانند و آں چناں بسیاری سیاست اہل اسلام کرد و
خون ایشان عنداللہ عزیز تراز دنیا و ما فیہا ست دل او نہراسد"

ضیائے برنی کی روایت کے موافق ملتان سے واپس آکر سلطان دو سال تک دہلی ہی رہا۔

"از ملتان مظفر و منصور باز گشت و در دہلی آمد و در دیوگیر کہ خلق شہر (دہلی) با زن و بچہ آنجا روانی شدہ بود نرخت و ہم در دہلی ساکن گشت و دران دو سال کہ سلطان در دہلی ماند امرا و ملوک و حشم برابر سلطان در دہلی بودند و زن و بچہ ایشان ۶ در دیوگیر بود" (برنی)

پس ثابت ہوا کہ سلطان دولت آباد میں پورا ایک سال بھی گذارنے نہ پایا تھا کہ گرشاسپ اور بہرام ایبہ کی بغاوتوں کے سبب اسکو ۲۸ھ میں دہلی آنا پڑا اور ۳۰ھ تک دکن کی جانب نہیں گیا۔ دہلی کے لوگ جو دیوگیر جانے پر مستعد تھے رک گئے اور انکو دولت آباد کا ارادہ فسخ کرنے اور دہلی میں حسب سابق آباد رہنے کی اجازت مل گئی

حملۂ خراسان کا عزم کیوں فسخ ہوا شروع ۷۲۸ھ میں امیر چوپان سلدوز کے مارے جانے سے خراسان و ایران کی حالت میں بہت تغیر واقع ہو چکا تھا اور سلطان ابو سعید نے وہ حکم جو عرصۂ دراز یعنی الجایتو (خدابندہ) کے زمانے سے سنیوں کے قتل و غارت کا آلہ بنا ہوا تھا منسوخ قرار دیکر اپنے سنی ہونے کا اعلان کر کے خطبوں میں خلفائے راشدین کے اسمائے گرامی داخل کرنے کا حکم دیدیا تھا اور مسلمانوں کو سلطان ابو سعید کے سنی ہونے کی اسقدر خوشی ہوئی کہ اگلے سال یعنی ۷۲۹ھ کے حج میں اول سلطان ابو سعید کے لیئے اسکے بعد ملک الناصر سلطان مصر کے لیئے دعا کیگئی اس حج میں ابن بطوطہ شامل تھا اور اس بات کا اسنے اپنے سفرنامہ میں تذکرہ کیا ہے لہذا خراسان پر حملہ کرنے کی جو اصل وجہ تھی وہ مطلق باقی نہ رہی اور بہرام ایبہ کی بغاوت سے فارغ ہونے کے بعد ہی ۷۲۸ھ میں سلطان نے حملۂ خراسان کا ارادہ ترک کر کے جدید فوج کے ایک بڑے حصے کو جو غیر ضروری ہو گیا تھا موقوف کر دیا۔ اس جدید فوج میں ایک حصہ ان لوگوں کا بھی تھا جو دوسرے ملکوں سے آکر نوکر ہوئے تھے سلطان کی غیرت نے تقاضا نہ کیا کہ ان غیر ملک والوں کو اپنے ملک سے مایوس واپس نکال دے چنانچہ اسنے امیر نوروز مغل سردار کو دکن یا مالوہ میں ایک جاگیر عطا کی۔ بہزاد خان افغان اور شاہو افغان کو قوام الملک کے ساتھ ملتان میں مامور کیا اور اسی طرح سب کو مختلف صوبوں میں جاگیریں عطا فرما کر کسی غیر ملکی سردار کو واپس نہ جانے دیا۔ ہندوستانی سپاہیوں میں سے بھی ایک مختصر حصہ باقی رکھا اور اسکو دکن کے انتظام کی مضبوطی کے لیئے زائد فوج کے طور پر کرناٹک اور ملابار کے علاقوں میں بھیجدیا۔ غرض اس جدید زائد فوج کے موقوف کرنے کا اثر ہندوستان ہی کے باشندوں پر زیادہ پڑا اور غیر ملکوں کی کامرانی و مقصد وری نے پرانے بیکاروں اور ناکام رہنے والے ہندوستانیوں کی آتش حسد کو اور بھی زیادہ مشتعل کر دیا اور اس آتش حسد کے شعلے بعض اُن بڑے بڑے سرداروں اور عہدے داروں کے قلوب تک بھی پہونچ گئے جو کسی مذہبی اختلاف اور ترک مراسم کی تحریک سے متاثر نہ تھے۔ اسی طرح یہ ہوا کہ مولانا عضد الدین۔ قاضی مجد الدین شیرازی۔ مولانا برہان الدین واعظ۔ مولانا ناصر الدین واعظ ترمذی۔ مولانا شمس الدین اندکانی۔ ملک سنجر بدخشانی۔ ملک عماد الدین وغیرہ علمائے ممالک غیر کے بڑے بڑے

وظیفے ان کے علم و فضل کی قدر دانی کے طور پر اور تبلیغ و اشاعت دین متین کے لئے سہولت بہم پہونچانے کی غرض سے مقرر کیئے گئے۔ ہندوستان میں ایک بڑی تعداد عالموں اور مولویوں کی ایسی تھی جو سلطان کی روشن خیالی اور اسکے عقائد مذہبی سے اختلاف رکھتی تھی۔ وہ غیروں پر اس سلطانی بخشش کو ایک آنکھ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ بس اسی کو سلطان محمد تغلق کی سب سے بڑی حماقت اور ظلم سمجھ لو۔ اور اسی کو ضیاء برنی سلطان محمد تغلق کی غلطیوں میں سے ایک بڑی غلطی اور بے راہ روی قرار دیتا ہے۔

آدمیوں کو شکار کرنے کا افسانہ | جو اہلکار حکم سلطانی کی تعمیل میں اپنے اہل و عیال کو دولت آباد لے گئے تھے ان میں سے اکثر ۷۳۸ھ میں جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے اپنے فرائض منصبی کے سبب دولت آباد سے سلطانی لشکر کے ہمراہ دہلی آئے اور انکے اہل و عیال دولت آباد میں رہے۔ یہاں دہلی میں سلطان کو باغیوں کی سزا دہی اور دوسری ضرورتوں کے سبب ٹھہرنا پڑا اور اسی زمانے میں جدید فوج موقوف ہو کر غیر ملکی سرداروں کو بڑے بڑے عہدے اور جاگیریں عطا ہوئیں۔ جدید فوج میں جسکی تعداد پونے چار لاکھ تک پہونچ گئی تھی ہندوستان کی ہندو جنگجو قومیں یعنی راجپوت وغیرہ بھی بکثرت بھرتی کر لیئے گئے تھے کیونکہ اتنی بڑی فوج کا صرف ہندوستان کے مسلمانوں ہی سے پورا کرنا نہ ممکن تھا نہ مناسب تھا بلکہ حملۂ خراسان کے لیئے ہندوؤں کی فوج کو ہمراہ لیجانا ہندوستان کے قیام امن کی ضمانت تھا مغل اور افغان جو باہر سے آکر بھرتی ہوئے تھے انکی تعداد بہت زیادہ نہ تھی۔ ہندو جو فوج میں بھرتی ہوئے تھے وہ علاقہ میان دوآبہ کے راجپوت منڈاہر، چوہان، بچھوتی، سنگے اور گوجر وغیرہ تھے جنکی زمینوں کا لگان فوجی خدمت کی عوض بطور جاگیر معاف کر کے ایک خمس (⅕) کی جگہ صرف ایک بیست (۱/۲۰) برائے نام قائم رکھا گیا تھا۔ اور دو سال تک یہ لوگ خوب گلچھرے اڑا چکے تھے اب ان لوگوں نے فوج سے خارج اور بیکار ہو کر بجائے اسکے کہ کھیتی باڑی کے کام میں حسب دستور سابق مصروف ہو جاتے شرارت اور بدامنی پھیلانی شروع کی اور شاہی محصلوں کو لگان ادا کرنے یعنی بٹائی کے وقت غلہ تقسیم کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ چونکہ یہ علاقہ سلطان کی ذاتی جاگیر اور حضور صوبہ سمجھا جاتا تھا لہذا اسکی شکایت سلطان تک پہونچائی گئی سلطان نے اپنے اہلکاروں کے نام فوراً تاکیدی احکام جاری کیے اور سال رواں کا حسب دستور

سابق پورا لگان وصول کرنے کی ہدایت کی۔ اپنی جبلی شرارت سے یا بعض بددل شدہ اہلکاروں کی شہ پاکر ان لوگوں نے یہ نالائق حرکت کی کہ غلہ کے تیار شدہ کھلیانوں کو آگ لگادی اور جنگلوں میں جاکر پناہ گزیں ہوئے۔

اس جگہ یہ بتادینا ضروری ہے کہ آجکل میان دواب سے دوابہ گنگ و جمن مراد لیا جاتا ہے لیکن صوبۂ میان دواب کا مفہوم ہر زمانے میں تبدیل ہوتا رہا ہے اس زمانے میں صوبۂ میان دوآب وہ وسیع علاقہ کہلاتا تھا جو پورب کی جانب گنگا اور پچھم کی جانب ستلج سے محدود تھا اسکی شمالی حد کوہ ہمالیہ اور جنوبی حد وہ خط تھا جو قنوج سے آگرہ ہوتا ہوا راجپوتانہ کے ریگستان تک پہونچتا ہے۔ راجپوتانہ کا ریگستان صوبہ میان دواب کے جنوبی و مغربی گوشہ کا احاطہ کیئے ہوئے تھا۔ اس صوبہ میں ہندو راجپوتوں یعنی مذکورہ جنگجو قوموں کی آبادی زیادہ تھی ان ہندو قبیلوں کی مذکورہ شرارت سے صوبہ میان دواب کا وہ خطہ جو دہلی سے جنوب و مشرق کی جانب برن (بلندشہر) سے قنوج و دلمئو تک پھیلا ہوا ہے زیادہ ماؤف ہوا خرمنوں کو آگ لگانے اور جنگلوں میں بھاگ جانے کی نامعقول اور متمردانہ حرکت سب سے پہلے اسی خطہ کے لوگوں نے کی ضیائے برنی کے الفاظ یہ ہیں۔

"وہندوان خرمنہائے غلہ را آتش می زدند و می سوختند و مواشی را از خانہ ہا بیرون می کردند و سلطان شقداران و فوجداران را فرمود تا دست در نہب و تاراج زدند و بعضے خوطان و مقدمان را می کشتند و بعضے را کور می کردند و آنانکہ خلاص می یافتند جمعیتہا می کردند و در جنگلہا می خزیدند و ولایت خراب می شد و ہمدراں ایام سلطان محمد بر طریق شکار در ولایت برن رفت"

اس بات کے تفصیلی اسباب و وجوہ کہ سب سے پہلے برن ہی میں شرارت کے شعلے کیوں برپا ہوئے اور ضیائے برنی یا اسکے رشتہ داروں کا بھی اس شرارت سے کوئی تعلق تھا یا نہیں کچھ نہیں بتائے جاسکتے۔ برن کے علاقے کی یہ بدامنی و سرکشی یقیناً بماہ جمادی الثانی ۷۲۹ھ رونما ہوئی کیونکہ ۷۲۹ھ کا جمادی الثانی ماہ اپریل کے مساوی و متوازی تھا اور اپریل ہی میں فصل ربیع کا غلہ تیار ہوتا ہے۔ اس سرکشی و شرارت کا حال سنکر سلطان نے شقداروں اور فوجداروں کو سزا دہی کا حکم دیا لیکن جب شرارت

کم نہ ہوئی اور اصلاح کی کوئی صورت نہ نکلی تو غالباً ماہ رجب یا شعبان ۷۲۹ھ میں سلطان برسم شکار خود دہلی سے اس طرف چلا۔

شکار کی مٹی پلید اوپر کے اقتباس میں لفظ شکار موجود ہے۔ ضیائے برنی کے اسی لفظ شکار نے اُن لوگوں کو جنکی نظر محاورات زبان اور تاریخ ہند پر بہت ہی کوتاہ اور سطحی ہے دھوکا دیا۔ فرشتہ بھی یہی لفظ استعمال کرتا اور کہتا ہے۔

"خود برسم شکار بیروں رفت وچندیں ہزار رعیت راکشتہ"

خواجہ نظام الدین احمد اپنی طبقات میں لکھتے ہیں۔

"ہمدریں ایام سلطان برسم شکار در برن رفت"

ہندوستان کی تمام فارسی تاریخیں "برسم شکار رفتن" کے محاورے سے لبریز ہیں اور شاید ہی کوئی بادشاہ ایسا ہو کہ اُسکے تذکرہ میں "برسم شکار رفتن" کا محاورہ استعمال نہ ہوا ہو۔ بادشاہ جب خود کسی سے لڑنے کسی پر حملہ کرنے کسی کو سزا دینے۔ کسی کی فرمانبرداری کا امتحان لینے۔ کسی سے نذرانہ یا خراج وصول کرنے یا کسی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے روانہ ہوتا ہے تو بادشاہ کی اس روانگی کو مورخین ہمیشہ اس طرح لکھتے ہیں "برسم شکار رواں شد" "برسم شکار بیروں رفت"۔ "برسم شکار کوکبہ خسروی درحرکت آمد"۔ "خیام سلطانی برسم شکار بیروں زدند" وغیرہ وغیرہ۔ ضیائے برنی سے بھی یہی خطا ہوئی کہ اُسنے لکھدیا کہ "سلطان محمد بطریق شکار در ولایت برن رفت"۔ چونکہ سلطان کے اس سفر میں باغیوں کو گرفتار کیا گیا۔ قتل کیا گیا۔ جو جنگلوں میں جاکر چھپ گئے تھے ان کو وہاں سے گرفتار کراکر منگایا گیا۔ لہذا دوسرا جنگل کا لفظ بھی آگیا۔ پس جنگل اور شکار کے دونوں لفظوں نے مل کر اچھا خاصہ شکار قمرغہ یا کھیدے کا شکار بنادیا اور الفنسٹن صاحب نے تاریخ فیروز شاہی کے انگریزی ترجمے میں شکار اور جنگل کے الفاظ دیکھکر اول جنگل کا اثر قبول کیا پھر جنگل کو ملک کی آبادیوں سے تبدیل فرما کر تاریخ کے مطالعہ کرنے والوں پر اس عجیب اور پر لطف حادثہ کی ایجاد سے احسان فرمایا۔

"ایسی تدبیر سے اسنے انتقام لیا کہ جو تمام ظلموں سے بڑھ کر تھی یعنی اُسنے اپنی فوج کو شکار کی تیاری کا حکم دیا اور شکار کے دستور کے موافق ہندوستان کے ایک بڑے خطے کو رمنہ کی طرح سے گھیرا اور بعد اُسکے یہ حکم عام دیا

کہ جو شخص اس گھیرے میں پاؤ شکار کی مانند اس کو قتل کرو اور چاروں طرف سے قتل کرتے ہوئے بیچا بیچ میں جمع ہو جاؤ چنانچہ جو لوگ اس میں مارے گئے اکثر گنوار اور بے گناہ تھے۔ غرض اس قسم کا شکار کئی مرتبہ کھیلا گیا اور پچھلا شکار یہ ہوا کہ قنوج کے باشندوں کا قتل عام کیا" (ترجمہ از تاریخ الفنسٹن)

ضیائے برنی صرف اسقدر لکھتا ہے کہ برن پہونچکر وہاں کے سرکشوں کو قتل کیا اور انکے سر قلعۂ برن کے کنگروں پر لٹکائے۔ اسکے بعد بنگالے کی بناوت کا ذکر شروع کر دیتا ہے لیکن الفنسٹن صاحب کی ایجاد ایک ثابت شدہ حقیقت کی حیثیت سے ہندوستان کے ہر تعلیم یافتہ شخص کے دماغ میں منقوش ہے اور محمد تغلق کا نام آتے ہی سب سے پہلے اسکے اس عجیب و غریب بے بنیاد شکار کا تصور ذہن میں آجاتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

برن کے باغیوں کو سزا دیکر سلطان قنوج کی طرف متوجہ ہوا کیونکہ قنوج کی شرارت برن کی شرارت سے کم نہ تھی۔ سلطان کی آمد اور برن والوں کی سزا دہی کا حال علاقۂ قنوج کے شریروں کو پہلے سے معلوم ہو چکا تھا لہذا وہ سب جنگلوں میں جا کر چھپ گئے۔ ظاہر ہے کہ اس علاقہ کے شہروں، قصبوں اور گانوؤں کی تمام و کمال آبادی تو جنگلوں میں جا کر پوشیدہ ہو ہی نہیں سکتی تھی نہ بے گناہوں کو بھاگنے اور چھپنے کی ضرورت تھی۔ صرف وہی لوگ جو شرارت کے امام اور فساد کے بانی و مجرم تھے بھاگ کر جنگلوں میں چھپے ہوں گے انھیں کو سزا دینا اصل مقصود تھا۔ سلطان نے قنوج پہونچکر جب باغیوں اور شریروں کو غائب دیکھا اور انکے جنگل میں پناہ گزیں ہونے کا حال سُنا تو فوج کو جنگل کے محاصرے کا حکم دیا۔ جنگل میں جو ملا مارا گیا۔ قنوج سے دلمؤ تک باغیوں کی دار و گیر کا ہنگامہ برپا ہوا۔ سلطان باغیوں کی سزا دہی سے فارغ ہو کر اور امن و انتظام قائم کر کے دہلی کی جانب واپس ہوا۔ اس معمولی واقعہ کو جس میں برن کے مفسد اور قنوج و دلمؤ کے درمیانی علاقے کے شریر سزایاب ہوئے بار بار آدمیوں کا شکار کہا جاتا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ محمد تغلق اور کیا کرتا اور مفسدوں کو کس طرح سزا دیتا۔ آج اس انگریزی دور حکومت میں بھی ڈاکوؤں اور مجرموں کے جتھے جنگلوں میں پناہ گزیں ہوتے ہیں اور اُن کی گرفتاری کے لیئے

فوج اور پولیس کے دستے جنگلوں کا محاصرہ کرکے مجرموں کو قتل یا گرفتار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تھوڑے ہی دن ہوئے کہ سہارنپور۔ بجنور اور مرادآباد کے ضلعوں میں جو دامن کوہ ہمالیہ کے جنگل سے ملحق ہیں۔ سلطانا ڈاکو کی جمعیت نے رعایا کے امن و اطمینان کو خطرہ میں ڈال رکھا تھا اور سلطانا کی جمعیت کو گرفتار کرنے کے لیئے محکمۂ پولیس کار خاص کے ایک مشہور انگریز افسر مسٹر ینگ صاحب نے بڑی جمعیت کے ساتھ بار بار جنگلوں کا محاصرہ کیا اور بالآخر سلطانا کا کام تمام کرکے چھوڑا۔ کوئی شخص ثابت نہیں کر سکتا کہ محمد تغلق کی فوج کا قنوج و دلمؤ کے درمیانی علاقے میں مفسدوں کا جنگلوں میں محاصرہ کرنا اور ینگ صاحب مہتمم کار خاص کی جمعیت کا بجنور و مرادآباد کے جنگلوں میں مفسدوں کا محاصرہ کرنا کوئی فرق رکھتا ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اول الذکر ظلم اور مؤخر الذکر کو رحم کیوں کیا جاتا ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ ماہ جون مطابق ماہ شعبان ۲۹ھ میں قنوج و دلمؤ کے شریروں کی سزادہی سے سلطان محمد تغلق فارغ ہوا ہوگا۔

دکن کا سفر اور وہاں کا انتظام سلطان ابھی قنوج ہی میں مقیم تھا کہ اُسکے پاس ملابار (معبر) میں بغاوت ہونے کی خبر پہونچی۔ برن و قنوج کے فساد اور ملابار کی بغاوت کا سبب ایک ہی تھا اور سلطان اس سے واقف تھا۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیئے ضرورت ہے کہ تاریخ فیروزشاہی اور تاریخ فرشتہ کے دو اقتباس پہلے سے ذہن میں رکھ لیئے جائیں۔ ضیائے برنی تاریخ فیروزشاہی میں کہتا ہے کہ۔

"سلطان محمد در نہب متمردان در حدود قنوج مشغول بود کہ فتنہ در معبر زاد و پدر ابراہیم خریطہ دار سید احسن در معبر بود بلغاک کرد و امرائے آنجائے را بکشت وآن ملک را فرو گرفت و حشمے کہ از دہلی برائے ضبط معبر نامزد بود ہمانجا ماند واین خبر بسلطان رسید۔ ابراہیم خریطہ دار را وا قربائے اورا بگرفتند و سلطان محمد در شہر (دہلی) آمد واز شہر استعداد کرد و بترتیب لشکر کشی معبر جانب دیوگیر روان شد"

فرشتہ برن و قنوج کے مفسدوں کی سزادہی کا ذکر کرتے ہوئے سلطان کی فوج کے متعلق یہ فقرہ لکھتا ہے کہ۔

"و لشکریان کہ زن و فرزند ایشاں در دولت آباد ماندہ بود حیران و سرگرداں شدند"

جو لوگ علم النفس اور فطرت انسانی کے پر غور مطالعہ کا شوق رکھتے ہیں وہ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ کوئی بادشاہ کتنی ہی بڑی فوج بھرتی کرلے رعایا اس بھرتی سے زیادہ متاثر نہیں ہوتی نہ کوئی نمایاں تغیر محسوس ہوتا ہے لیکن کسی بڑی فوج کا یکایک موقوف اور برخاست کر دینا لوگوں کی توجہ کو بہت زیادہ اپنی طرف منعطف کر لیتا ہے اور ان لوگوں میں جو اپنے باغیانہ و مفسدانہ خیالات کو دبائے اور چھپائے ہوئے ہوتے ہیں جان سی پڑنے لگتی اور باغیانہ عزائم میں ایک نئی طاقت نمایاں ہو جاتی ہے۔ محمد تغلق کا تین لاکھ سے زیادہ فوج کو برطرف کر دینا باوجود اسکے کہ حسب ضرورت، فوج پہلے سے موجود تھی باغیانہ خیالات کی تقویت کا موجب ہوا۔ سلطان کی خاص رکابی فوج کے سرداروں کی وہ حالت تھی جو فرشتہ کے مندرجۂ بالا الفاظ سے ظاہر ہے یعنی وہ لوگ سلطان کو جلد دولت آباد کی جانب لیجانا چاہتے تھے تاکہ اپنے اہل وعیال کی خبر لے سکیں جن سے جدا ہوئے اُن کو قریبًا دو سال ہو چکے تھے۔ سلطان کو دکن کی جانب متوجہ کرنے اور دولت آباد لیجانے کے لیئے جو کوشش بھی وہ کر سکتے ہوں گے ضرور کی ہوگی۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ برخاست ہونیوالی جدید فوج میں سے کچھ حصّہ دکن کی جانب بھیجدیا گیا تھا۔ ملابار کا عامل سید احسن کیتھلی تھا۔ کیتھل صوبۂ میان دوآب کا ایک مقام ہے جو دہلی سے شمال و مغرب کی جانب واقع ہے۔ سلطان نے جو زائد فوج ملابار بھیجی تھی وہ یقینًا انھیں لوگوں پر مشتمل ہوگی جو کیتھل، سنام اور سامانہ وغیرہ کے رہنے والے ہونگے کیونکہ اس زمانے میں قومی و وطنی تعلقات کی بنا پر ہی کوئی شخص کسی فوج کا افسر ہو سکتا تھا اور فوج کے ہر ایک افسر کو اپنی ماتحت فوج خود ہی فراہم کرنی پڑتی تھی جو عمومًا اس کے رشتہ داروں، ہمقوموں اور ہموطنوں پر مشتمل ہوتی تھی اور ایسی قومی و وطنی عصبیت میں فوجوں کی بہادری اور طاقت کا راز مضمر تھا۔ لہذا جو فوج سید احسن کیتھلی صوبہ دار ملابار کو تقویت پہونچانے اور اسکے ماتحت کام کرنے کے لیئے بھیجی گئی ہوگی قیاس چاہتا ہے کہ وہ ضرور کیتھل اور نواح کیتھل کے باشندوں پر مشتمل ہوگی۔ اس قیاس کی صحت کا ثبوت اُن واقعات سے بہم پہونچے گا جو آگے چل کر بیان ہونے والے ہیں۔ ایک غیر ملکی مغل امیر نوروز کا دکن یا مالوہ میں جاگیر پانا اُن ہندوستانی سرداروں کے لیئے جو اپنے آپکو فاتح دکن اور فاتح مالوہ سمجھتے تھے یقینًا موجب رشک تھا۔ اس جدید فوج کے پہونچنے

سے سید حسن کیتھلی کی طاقت تو بڑھ گئی مگر جدید فوج کی تنخواہ اسی علاقے پر پڑی جس کا انتظام پہلے سے اُسکے سپرد تھا۔ تاریخ فیروز شاہی سے ثابت ہے کہ محمد تغلق کے زمانے میں دور دراز کے علاقوں پر جب صوبہ دار یا گورنر مقرر ہوتے تھے تو کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ اس صوبے کے شاہی محاصل کی ایک رقم متعین کر کے اس صوبہ دار پہ عائد کر دی جاتی تھی کہ سالانہ اسقدر رقم وصول کی جائے گی اس کو ایک قسم کی ٹھیکہ داری یا جاگیرداری کہنا چاہیئے نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے اور ملکوں میں بھی یہ رسم جاری تھی۔ ہندو راجاؤں سے عموماً اسی قسم کا معاملہ ہوتا تھا اور اس طرح مرکزی شاہی دفتر اس صوبہ کے حساب کتاب کی جزئیات سے سبکدوش ہو جاتا تھا۔ بنگال۔ دکن اور گجرات کے علاقوں میں عموماً یہی انتظام تھا۔ سید احسن کیتھلی کے متعلقہ علاقے میں گنجائش محسوس کر لی گئی تھی اور جدید فوج کے عوض کوئی نیا علاقہ نہیں دیا گیا لہذا اسنے گرانی محسوس کی اور باغیانہ تحریکوں سے متاثر ہو کر اردگرد کے ملحقہ اضلاع پر ہاتھ مارا اور ان نو واردہ ہموطنوں کو اپنے حسب منشا کام میں لایا۔ ضیائے برنی نے اوپر کے اقتباس میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ۔

"حشمے کہ از دہلی برائے ضبط معبر نامزد بود ہمانجا ماند"

ملا عبد القادر بدایونی لکھتے ہیں کہ۔

"واکثر از حشم دہلی راکہ دراں حدود نامزد بود ند بخود کشید و سرداران مخالف را بقتل رسانید"

سلطان اس خبر کو سنتے ہی قنوج سے روانہ ہوا دہلی کا راستہ چھوڑ کر سیرتھ اور کرنال ہوتا ہوا اول کیتھل پہونچا سید احسن کے رشتہ داروں کو گرفتار کیا اور نہیں اس کا بیٹا ابراہیم خریطہ دار جو شاہی اہل کاروں میں شامل اور سلطان کے ہمراہ تھا گرفتار کیا گیا کیتھل سے دہلی آیا اور یہاں سے دکن کی جانب روانہ ہوا۔ بعد کے بعض مورخین نے غلطی سے سید احسن کیتھلی کو حسن گانگوی بہمنی بانی سلطنت بہمنیہ سمجھ لیا ہے حالانکہ یہ سراسر غلط ہے حسن بہمنی کا ذکر آگے آئے گا۔

دہلی سے سلطان سنہ ۷۴۲ھ کے شروع میں روانہ ہوا جبکہ موسم سرما شروع ہو چکا تھا اور برسات کے نہ ہونے سے فصل خریف کی پیداوار بہت کم ہوئی تھی۔ فصل ربیع

کے لیئے بھی کاشتکار زمینوں کو تیار نہیں کر سکے تھے۔ دولت آباد پہونچ کر سلطان نے ملک احمد ایاز گورنر دہلی کو جو اس سفر میں دہلی سے دولت آباد تک سلطان کے ہمراہ آیا تھا دہلی کی جانب روانہ کیا اور دولت آباد کے لوگوں کو جو دہلی سے آکر آباد ہو چکے تھے اجازت دی کہ جس کا جی چاہے دہلی چلا جائے اور جو چاہے یہیں رہے چنانچہ ایک بڑا قافلہ اُن لوگوں کا ملک احمد ایاز کے ہمراہ دہلی کی جانب روانہ ہوا۔ سلطان نے برن و قنوج کے ہندوؤں کی شرارت کو دیکھ کر دارالسلطنت کی تبدیلی کا ارادہ فسخ کر دیا تھا۔ اُسکو محسوس ہو چکا تھا کہ ہندوستان کے سلطان کا دہلی میں رہنا ضروری ہے ورنہ شمالی ہند کا قابو میں رہنا دشوار ہے اور دارالسلطنت کی تبدیلی کا تجربہ خطرات سے خالی نہیں ہے۔ اسی لیئے وہ ملک احمد ایاز کو اپنے ہمراہ لے گیا تھا کہ اُس کی حفاظت و نگرانی میں دہلی والوں کا قافلہ دولت آباد سے دہلی بآسانی آسکے۔ ملک احمد ایاز اور دہلی والوں کے قافلہ کو رخصت کر کے خود دولت آباد سے سید احسن کو سزا دینے کے لیئے روانہ ہوا اور اول ورنگل پہونچا۔ ورنگل میں جب شاہی لشکر پہونچا تو وہاں وبا پھیلی ہوئی تھی شاہی لشکر میں بھی وبا نمودار ہوئی اور خود سلطان بھی بیمار ہو گیا۔ اس بیماری کی وجہ سے سلطان کو دولت آباد کی جانب واپس ہونا پڑا۔ مگر اُسنے واپس ہونے سے پہلے ملک قبول نائب وزیر کو ورنگل میں متعین کر کے تلنگانہ کا انتظام اور نگرانی اسکے سپرد کی۔ دولت آباد میں بیماری کی حالت میں پہونچا۔ یہاں پہونچکر ایک نو مسلم سردار کو جسکا اسلامی نام شہاب سلطان یعنی شہاب الدین تھا ملک نصرت کا خطاب دیکر ولایت بیدر کی حکومت سپرد کی اور دولت آباد کا صوبہ معہ ولایت مرہٹ میر حسن ابن میرمیران المخاطب ملک کبیر قتلغ خاں کو سپرد کر کے اسی بیماری کی حالت میں بسواری پالکی معہ اپنی والدہ مخدومۂ جہان کے دہلی کو روانہ ہوا اور دہلی جانے والے کچھ لوگ جو دولت آباد میں باقی تھے اُن کا قافلہ بھی اپنے ہمراہ لیا۔ اس ایاب و ذہاب میں زیادہ دن صرف نہیں ہوئے سنہ ۷۳۰ھ کے آخری مہینوں میں سلطان دہلی پہونچ گیا۔ قتلغ خاں مذکور شیعی یا تفضیلی عقائد رکھتا تھا لیکن چونکہ محمد تغلق کا استاد رہ چکا تھا اور محمد تغلق نے اس سے قرآن شریف کے علاوہ کوئی فارسی کی ابتدائی کتاب بھی پڑھی تھی اسلیئے اس کا بہت ادب اور لحاظ کرتا تھا۔ قتلغ خاں کا دولت آباد کی حکومت پر مامور کرنا آئندہ محمد تغلق کیلیئے

بیجد مضر ثابت ہوا اسکی تفصیل آئندہ صفحات میں آنیوالی ہے۔

تبصرہ اس جگہ سوچنے اور غور کرنے کے قابل بات یہ ہے کہ سلطان محمد تغلق نے شمالی ہند کے مضبوط و مستحکم ہونے کا یقین کر کے دکن کو بھی مضبوط و مستحکم بنانے اور خراسان پر حملہ کرنے کا شروع میں مصمم ارادہ کیا تھا اور اس کا ایسا ارادہ کچھ بیجا اور قابل اعتراض نہ تھا لیکن خراسان کے حملہ کی ضرورت کا باقی نہ رہنا اور مذہبی لوگوں کے ایک بڑے طبقے کے مایوس اور ناراض ہو جانے سے مشکلات کا پیدا ہونا محمد تغلق کے اختیار و ارادے کی باتیں نہ تھیں جس طرح حملۂ خراسان کی ضرورت کا باقی نہ رہنا ایک قدرتی اور غیر اختیاری بات تھی اسی طرح اپنی مذہبی روشن خیالی اور کتاب و سنت کی پابندی کو بھی وہ کسی طرح ترک نہیں کر سکتا تھا۔ تین چار لاکھ فوج کا نوکر رکھنا بھی بیجا نہ تھا اور ضرورت باقی نہ رہنے پر اس کا موقوف کر دینا بھی نامناسب نہ تھا۔ غیر ملکی لوگوں کی جنھوں نے ضرورت کے وقت اس کی خواہش کے موافق اپنے آپ کو پیش کر دیا تھا رعایت کرنا شریفانہ اخلاق کا تقاضا تھا۔ شمالی ہند کی ہندو جنگجو قوموں کی غیر شریفانہ اور بزدلانہ بیوفائی کا اگر وہ صحیح اندازہ نہیں کر سکا تھا۔ تو اس سے بھی اسکی شرافت اخلاق کا ایک ثبوت بہم پہونچتا ہے۔ اب تجربہ کے بعد اسنے دہلی ہی کو دارالسلطنت رکھنا ضروری سمجھا اور شمالی ہند کو دکن سے زیادہ قیمتی خیال کیا تو اسپر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

بہر حال ۷۳۸ھ میں جبکہ سلطان محمد تغلق دولت آباد سے دہلی کی جانب روانہ ہوا ہی تو اسنے دولت آباد کو دارالسلطنت بنانے کا خیال بالکل ترک کر کے دکن کا انتظام اپنے امیروں اور گورنروں کے سپرد مستقل طور پر کر دیا تھا۔ صرف ورنگل کے علاوہ تلنگانہ کا تمام علاقہ رودر دیو (لدر دیو) کے بیٹے کو دے رکھا تھا۔ کرناٹک بلال دیو کے سپرد تھا۔ ان دونوں ہندو راجاؤں سے ورنگل کے گورنر کی معرفت خراج وصول ہوتا تھا۔ معبر میں سید احسن کیتھلی کی بغاوت و سرکشی کا انجام کیا ہوا اسکا مفصل حال کسی تاریخ میں نہیں ملتا لیکن قیاس چاہتا ہے کہ بلال دیو اور نصرت خاں صوبہ دار بیدر کے ذریعہ اسے کیفر کردار کو پہونچا کر معبر کے علاقے میں ضرور کوئی دوسرا سردار مقرر کر دیا گیا ہوگا۔ کنپلا اور دھور سمدر کا علاقہ بھی ایک نو مسلم راجا کے سپرد تھا جو رودر دیو کا رشتہ دار تھا۔ کنپلا اور دھور سمدر اور کرناٹک میں موجودہ ریاست میسور اور صوبۂ مدراس کا جنوبی حصہ شامل سمجھنا چاہیے

اس میں تلنگانہ اور معبر کو بھی شامل کر لیا جائے تو موجودہ صوبہ مدراس معہ ریاست میسور کا علاقہ قریباً پورا ہو جاتا ہے اور یہ تمام علاقہ ہندو راجگذار رئیسوں کو سلطان محمد تغلق نے سپرد کر رکھا تھا۔ گجرات کے علاقے کا بڑا حصہ بھی ہندو راجاؤں کے سپرد تھا ملک نصرت خان لاسلم کو رنبید رکوہ علاقہ سپرد تھا جو آج کل حکومت نظام کا جنوبی حصہ ہے۔ دولت آباد اور مرہٹ کے صوبے قتلغ خاں کے سپرد تھے جسکو آجکل کا جنوبی صوبہ بمبئی سمجھنا چاہیے۔ غرض یہ انتظام جو محمد تغلق نے کیا تھا ہر طرح قابل اطمینان تھا اور بظاہر اس کی سلطنت میں جو تمام بر اعظم ہند پر پھیلی ہوئی تھی کسی خطرے اور اندیشہ کا کوئی امکان نہ تھا اور وہ ملک کے انتظام کو قابو میں رکھنے اور ترقی دینے کی پوری طاقت اور قابلیت رکھتا تھا۔

قحط عظیم اور سلطان کی رحمدلی و فرض شناسی

۷۳۹ھ کے موسم برسات میں میان دوآب اور مالوے کے علاقوں میں بارش نہیں ہوئی تھی جس سے ۷۴۰ھ کی فصل ربیع کو سخت نقصان پہونچا راستے میں صوبۂ مالوہ کو سلطان نے قحط اور خشک سالی کی وجہ سے بہت خراب حالت میں دیکھا۔ دہلی پہونچا تو صوبۂ میان دوآب کی حالت کو مالوہ سے بھی زیادہ خراب پایا سب سے زیادہ دہلی اور نواح دہلی میں قحط کی شدت تھی دہلی آکر بادشاہ جلد صحت یاب و تندرست ہو گیا اور مخلوق خدا کو قحط کے حملے سے بچانے میں ہمہ تن مصروف ہوا۔ خداتعالےٰ کی طرف سے لوگوں کی شرارتوں، مفسدہ پردازیوں اور بد اعمالیوں کی سزا قحط کی شکل میں وارد ہوئی۔ بادشاہ اور سلطان ہونے کی حیثیت سے محمد تغلق نے لوگوں کو ہلاکت سے بچانے کی جسقدر کوشش کی اور جسقدر ہمت و استقلال کے ساتھ برسوں اس کام میں مصروف رہا وہ محمد تغلق کو دنیا کے تمام سلاطین سے زیادہ بلند مرتبہ۔ زیادہ رحمدل اور زیادہ شفیق علی خلق اللہ ثابت کرنے کے لیے بہت کافی ہے اور محمد تغلق کی مانند شاید ہی کوئی دوسرا پاک طینت اور رحمدل سلطان پیش کیا جاسکے۔ ضیائے برنی لکھتا ہے۔

چوں سلطان محمد بازحمت از دیوگیر بسوے دہلی مراجعت فرمود و دو دو بار رسید و چند روز و قفہ فرمود و از انجا جانب دہلی روان شد در مالوہ ہم قحط افتادہ بود و داده بکلی از تمامی راہ برخاستہ و قصبات وولایات سر راہ پریشان و ابتر شدہ

سلطان در دہلی رسید و چند گاہ در ترتیب آبادانی و زراعت مشغول شد و دراں
سال باراں ہم امساک کرد و ہیچ ترتیبے نہ شد و گاہ اسپاں و مواشی نماند و غلہ بشانزدہ
و ہفدہ جیتل سیرے رسید و خلق مستہلک می شد و سلطان محمد بسبیل سوند ہا ر
برائے زراعت مال از خزانہ می داد و خلق درماندہ و عاجز گشتہ می شدہ و زراعت
از امساک باراں میسر نہ شد و خلق کشتہ می شد و سلطان محمد در آمدہ در دہلی صحت یافت
و زود ترین تندرست شد"

غرض سنہ ۷۳۰ھ سے شروع ہوکر سنہ ۷۳۶ھ تک متواتر سات سال ہندوستان بالخصوص
صوبۂ میان دواب میں بارش نہیں ہوئی اور ایسا عظیم الشان قحط پڑا جس کی نظیر دنیا
کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ تاریخ مبارک شاہی میں لکھا ہے کہ:

"قحط عام و گرانی غلہ ہفت سال چناں شد کہ قطرۂ از آسمان نہ بارید"

فرشتہ لکھتا ہے کہ:۔

"در عہد آں پادشاہ دو مرتبہ امساک باراں شد و در ہر کرت قریب سہ سال
مردم اوقات بعسرت گذرانیدند"

فرشتہ کی بیان کردہ دونوں خشک سالیوں کے درمیان صرف ایک سال ایسا گذرا
تھا جس میں بارش ہوئی تاریخ مبارک شاہی میں اس درمیان کے ایک سال کو بھی
خشک سالی ہی میں شمار کر کے سات سال لکھدیئے اور ملا عبدالقادر بدایونی نے بھی
تاریخ مبارک شاہی کی روایت کو نقل کیا ہے۔ بہرحال سنہ ۷۳۳ھ کا ایک سال درمیان
میں بارش کا سال تھا۔ سنہ ۱۷ھ اور سنہ ۱۸ھ میں ملک عرب کے اندر قحط نمودار ہوا تھا تو
حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۂ اسلام نے صوبہ جات ممالک اسلامیہ کے
حاکموں کو حکم دیا تھا کہ اپنے اپنے علاقوں سے جسقدر غلہ بآسانی بھجوا سکیں اہل عرب کی
مصیبت کم کرنے کے لئے بھجوائیں۔ چنانچہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حاکم مصر نے بیس جہاز غلہ سے لدے ہوئے بھجوائے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نے ضرورتمندوں کی فہرستیں مرتب کرا کر غلہ تقسیم کرایا اسی اسوۂ فاروقی کو مدنظر رکھکر
سلطان محمد تغلق نے بھی بنگالہ اور بہار سے جہاں قحط کا اثر نہ تھا اور غلہ کی ارزانی تھی غلہ
منگوانے کا انتظام کیا اور جہاں جہاں قحط کی شدت تھی وہاں اپنے عاملوں اور اہلکاروں

کے ذریعہ غلہ کو ارزاں نرخ پر فروخت کرایا۔ لوگوں کو روپیہ تقسیم کیا۔ محتاج خانے قائم کئے۔ غربا کو غلہ اور کھانا بہم پہونچانے کے لیئے سرکاری طور پر باقاعدہ انتظام کیا۔ اسکے لیئے احکام و اسالیب نافذ کیئے۔ کاشتکاروں کو زرِ تقاوی دیکر زراعت کی ترغیب دی۔
اسی سال مصر سے سلطان الملک الناصر اور خلیفہ ابو الربیع مستکفی باللہ عباسی کے فرستادہ ایلچی سلطان محمد تغلق کے پاس آئے اور سلطان نے تحف و ہدایا کے ساتھ انکو واپس کیا راستے میں حاکم یمن نے سلطان محمد تغلق کے تحفے اور ہدیے چھین لیئے۔ سلطان مصر نے اسکے جواب میں یمن کے سفیروں کو قید کرلیا۔ کئی سال کے بعد الملک المجاہد فرمانروائے یمن نے خود سلطان محمد تغلق کے ساتھ رسم و راہ اور دوستانہ تعلقات پیدا کرلیئے تھے سلطان محمد تغلق قحط کے کاموں میں مصروف رہا اور سنہ ۷۳۱ھ کا پورا سال اس حالت میں بسر ہوا کہ سلطان محمد تغلق قحط کے مقابلے میں اپنی رعایا کے لیئے سپر بنا ہوا تھا۔ سنہ ۷۴۲ھ میں جبکہ قحط کی شدت اور بھی ترقی کر گئی تو اسنے بہار و بنگال سے جسقدر زیادہ سے زیادہ غلہ آسکتا تھا منگوایا۔ قحط زدہ علاقے یعنی صوبہ میان دوآب کے غریب اور محتاج لوگوں کو ترغیب دی کہ وہ دہلی چلے آئیں تاکہ بآسانی انکی خبر گیری ہوسکے اور اضلاع کے عاملوں اور شقداروں کا کام ہلکا ہوجائے اور ان کی غفلت سے لوگ ہلاک نہ ہونے پائیں چنانچہ دہلی اور نواحِ دہلی میں قحط زدہ لوگوں کا انبوہِ عظیم فراہم ہوگیا۔ سلطان نے ڈیڑھ رطل (۱۰ ½ چھٹانک) روزانہ فی کس کے حساب سے ہر شخص کو غلہ تقسیم کرانا شروع کیا۔ بہار و بنگالہ کے علاوہ اسنے سندھ۔ گجرات۔ دولت آباد اور اڑیسہ سے بھی غلہ کے منگوانے کا انتظام کیا۔ جب غلہ زیادہ مقدار میں آگیا تو چھ چھ مہینے کا غلہ ہر شخص کو دیدیا گیا اور سلطان صوبۂ میان دوآب کے دورے کے لیئے نکل کھڑا ہوا۔ کاشتکاروں کو جو زرِ تقاوی گذشتہ سال دیا گیا تھا وہ سب کھا پکا چکے تھے زراعت کا کوئی کام نہ ہوا تھا لہٰذا اسنے وہ روپیہ معاف کرکے اب پھر ان کو روپیہ دیا اور تاکید کی کہ اپنے اپنے کھیتوں میں آبپاشی کے کنوئیں کھودیں کنووں کی کھدائی کے کام کو سب سے زیادہ ضروری اور اہم سمجھکر اس نے شاہی اہلکاروں اور عاملوں کو سختی کے ساتھ حکم دیا کہ کنووں کی کھدائی کے کام کی خاص طور پر نگرانی کریں اور اس کام کو جلد انجام تک پہونچوائیں۔ پنجاب کے صوبہ میں بھی اس قحط کا کسی قدر اثر تھا اس لیئے پنجاب سے اگرچہ غلہ

میان دواب کو نہ آسکا تاہم پنجاب نے اپنی حالت کو خود سنبھال لیا۔ اس جگہ پنجاب سے موجودہ ملک پنجاب نہیں سمجھنا چاہیے جس میں اُس زمانے کے علاقہ میان دواب اور صوبۂ ملتان کے اکثر حصے بھی شامل ہیں۔ تاریخ عالم میں سلطان محمد تغلق سے پہلے کوئی نظیر ایسی نہیں ملتی کہ کسی بادشاہ نے قحط کے مقابلے میں مخلوق خدا کو محفوظ رکھنے کے لیے اس قسم کے وسیع اور زبردست انتظامات کئے ہوں جیسے کہ محمد تغلق نے کئے۔

محکمۂ زراعت سلطان نے زراعت کا ایک خاص محکمہ قائم کیا جو ہندوستان کی تاریخ میں بالکل نئی چیز تھی۔ اسنے دریاؤں سے نہریں نکالنے کے لئے اہلکار مامور کئے کہ وہ نہریں نکالنے کے موقعوں کو انتخاب کریں۔ ملک تاتار خان حاکم پنجاب کے نام احکام صادر ہوئے کہ اپنے صوبہ میں بذریعۂ چاہات آبپاشی اور زراعت کے کام کو ترقی دے۔ ہر ضلع اور تحصیل میں تخمینے تیار کرائے گئے کہ آبپاشی کے ایک کنوئے میں کسقدر لاگت بیٹھتی ہے اور کتنی دور پانی نکلتا ہے۔ نہریں کن کن راستوں میں ہوکر بہہ سکتی ہیں۔ غرض پوری مستعدی وجفاکشی کے ساتھ سلطان اسی طرف ہمہ تن متوجہ ہوگیا۔ پنجاب اور صوبجات متحدہ کے اضلاع میں سفر کرنے والے مسافر کو جابجا کھیتوں میں کنوے نظر آتے ہیں اور وہ کاشتکاروں کو کنووں سے پانی نکالتے ہوئے دیکھتا ہے لیکن وہ اس حقیقت سے بے خبر ہوتا ہو کہ یہ سلطان محمد تغلق کی یادگار و ہفت سالہ قحط کی نشانی ہے پنجاب کے دولابی کنوے تو ممکن ہے کہ محمد تغلق سے پہلے کی چیز ہوں لیکن چرس کے کنوے جو یوپی کے اضلاع میں بکثرت مروج اور موجود ہیں محمد تغلق ہی کی ایجاد ہیں۔ ہندوستان کی تاریخ میں ان آبپاشی کے کنووں کا محمد تغلق سے پہلے کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ ہاں دریاؤں یا ندیوں کے کنارے فالیزوں کو پانی دینے کے لیئے ڈھینکلی کے کنویں ضرور پرانی چیز ہیں لیکن ڈھینکلی کے کنویں زراعت کی ضرورت کو ہر جگہ کہاں پورا کر سکتے تھے۔ نہروں کی اسکیم اگرچہ سلطان محمد تغلق کی مرتب کردہ تھی لیکن ارادے سے فعل میں لانے کا کما حقہ اسکو موقع نہیں ملا۔ اسی مرتب شدہ اسکیم سے فائدہ اٹھا کر سلطان فیروز تغلق نے سلطان محمد تغلق کی تجویزہ بہت سی نہریں نکالیں۔ ضیاء برنی محمد تغلق کی ان زرعی کوششوں کے متعلق لکھتا ہے کہ:-

سلطان دراز دیاد زراعت اسلوبہا اختراع میکرد ہرچہ دراز دیاد زراعت ثمر شود سلطان میگذشتہ ودر قلم می آمد آنرا اسلوب نام می شد کہ اگر آں اسالیب منشود

واقع شدے از اندیاد زراعت و حیثیت زراعت جہان پر از نعمتہائے گوناگوں گشتے و در خزائن گنجہا جمع آمدے .... و در معاملہ ازدیاد زراعت دیوانے

وضع شد و آں دیوان را دیوان امیر کوہی نام کردند و عہدہ داران نصب شدند"

جن کاشتکاروں کو کنوئیں کھودنے کے لیئے روپیہ شاہی خزانے سے دیا گیا تھا ان میں سے بعض نے حسب سابق روپیہ کھا پی لیا اور کنوئے نہ کھودے۔ چونکہ لوگ کام کرنا نہیں چاہتے تھے اور ہمت ہار بیٹھے تھے اس لیئے ایک کو سُست دیکھکر دوسرے نے بھی غفلت سے کام لیا اور اُسکی اطلاعیں سلطان کے پاس پہنچیں۔ سلطان نے لوگوں کو کام پر لگانے اور بُرے نمونے کا انسداد کرنے کے لیے نافرمانوں کو گرفتار کرایا اور بعض کو عبرت کے لیئے سخت سزائیں دیں ان سزاؤں کا رونا آج تک رویا جا رہا ہے اور اس رحمدل و رافع الناس سلطان کو ظالم و خونریز بتایا جاتا ہے۔ سلطان مخلوق خدا کو بچانے کے لیئے چاہات کی کھدائی کا کام جاری کرنا چاہتا تھا جو لوگ اس کام میں رکاوٹ پیدا کرنے والے تھے وہ در حقیقت مخلوق خدا کے دشمن تھے ان کو عبرت ناک سزائیں دینا اور قتل کرنا رحم تھا نہ کہ ظلم ضیائے برنی کہتا ہے کہ۔

"ہر چند سلطان محمد در باب زراعت جد می فرمود و چاہہا کا وانیدن فرمان شد و خلق نمی توانست و از زبان مردان چیزے بیروں می آمد و تقصیر و اہمال می رفت بسیاران بسیاست می پیوستند"

سلطان دہلی میں واپس آکر چند روز اپنے اسی محبوب شغل یعنی قحط زدہ لوگوں کی غور و پرداخت اور فراہمی غلہ کے کاموں میں مصروف رہا اور اس طرح سنہ ۷۳۲ھ ختم ہو گیا۔

ہندوؤں کی بغاوت و سرکشی سنہ ۷۳۳ھ میں تلک چند کھوکھر یا تلک چند گکھڑ نے اپنے ہمقوموں کی جمعیت کثیر فراہم کر کے لاہور کے صوبہ دار ملک تاتار خاں پر اچانک حملہ کیا۔ ملک تاتار خاں لڑائی میں شہید ہوا۔ سلطان نے ملک احمد ایاز المخاطب خواجہ جہان کو اس فتنہ کے فرو کرنے کے لیئے روانہ کیا خواجہ جہان نے تلک چند کو گرفتار کر کے اس فتنے کو مٹایا اور لاہور کی حکومت کسی لائق افسر کو سپرد کر کے جلد دہلی واپس آگیا سنہ ۷۳۴ھ میں بارش ہوئی اور پیداوار زراعت سے لوگوں کو سانس لینے کا موقع ملا۔ سامانہ اور کیتھل کے علاقے میں ہندوؤں نے بغاوت و سرکشی پر کمر باندھی [illegible]

گھنے جنگلوں میں گڑھیاں جن کو اس زمانے میں منڈل کہتے تھے تیار کرکے لوٹ مار اور راہ زنی شروع کی۔ قافلوں کی آمد و رفت اور ملک کا امن و امان خطرے میں پڑ گیا یہ لوگ عموماً جاگیردار و مقدار و خوطہ وار تھے۔ گذشتہ تین سال کی خشک سالی میں صوبۂ میان دواب سے سرکاری مالگذاری مطلق وصول نہیں کی گئی بلکہ معاف کر دی گئی تھی۔ اب جو فصل کے پیدا ہونے پر سرکاری محصل زراعت کی نگرانی اور اُس فصل کی بٹائی کے لیئے مامور ہوئے تو ہندوؤں نے برن اور قنوج کے مفسدوں کی طرح شرارت پر کمر باندھی۔ یہ لوگ عموماً وہی تھے جنہوں نے خسرو نمک حرام کی فوج میں شامل ہو کر خاندان خلجیہ کی بربادی میں حصہ لیا تھا اور خسرو نمک حرام سے اپنی ہلاکت یقینی دیکھکر جب شاہی خزانہ لٹایا تو وہ زیادہ تر انہیں کے حصے میں آیا تھا۔ سلطان کو خود اس طرف جانا پڑا منڈلوں اور گڑھیوں کو جنگلوں میں جاکر مسمار کیا اور اُن کے سرداروں کو گرفتار کرکے دہلی لے آیا۔ یہاں لاکر ان کو دہلی میں آباد کیا اور اُن کی وحشت دور کرنے کے لیئے اُن کی عزتیں بڑھا کر زمرۂ امرا میں شامل کیا چنانچہ اُن لوگوں کی کچھ کچھ اصلاح ہوئی۔ بعض ان میں سے خود ہی مسلمان بھی ہو گئے اس طرح سنام وسامانہ وغیرہ کے علاقے کی بدامنی و راہ زنی کا انسداد ہوا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا بے حیائی اور دروغ بافی ہوسکتی ہے کہ سلطان محمد تغلق کی اس عاقلانہ اور رحمدلانہ کارروائی کو بھی بعض مورخین نے صوبۂ میان دواب میں آدمیوں کا شکار کرنا بیان کیا ہے۔ ضیائے برنی کہتا ہے کہ۔

"سلطان در ولایت سنام وسامانہ لشکر کشید و متمردان و سرتابان آنجا سے کہ مندلہا کردہ بودند و خراج نمی دادند و فساد ہا میکردند و راہ می زدند سلطان محمد مندلہائے ایشان را نہب و تاراج فرمود و جمعیتہائے ایشان را متفرق گردانید و مقدمان و سران ایشان را در شہر (دہلی) آورد و بعضے از ایشان مسلمان شدند و گروہ گروہ را داخل امرا گردانید و با زن و بچہ در شہر سکونت گرفتند و از زمینہائے قدیم ایشان ایشان را گسلانیدند و شر ایشان از آں دیار رفع شد و آیندگان و روندگان از راہ زنی خلاص یافتند"

فرشتہ کہتا ہے کہ۔

"دریں وقت طائفۂ مندا ہراں و چوہانان و منہیان و بھتیان کہ در ولایت سنام

وساما نہ بودند تمرد ورزیدہ بجنگلہائے عظیم درآمدہ خانہا ساختند و دست از مالگزاری کشیدند پادشاہ بدفع ایشاں لشکر کشیدہ محلہائے ایشانرا کہ باصطلاح ہند مندل گویند منہدم گردانید وجمعیتہائے ایشان را پریشان ساختہ و سرداران ایشان را ہمراہ آوردہ در شہر جائے داد"

یہ واقعہ ۷۳۳ھ کے آخری ایام سے تعلق رکھتا ہے۔

دوبارہ قحط عظیم ۷۳۴ھ میں پھر قحط نمودار ہوا اور خشک سالی سے مخلوق خدا پریشان ہونے لگی۔ یہ قحط نہ صرف ہندوستان بلکہ چین کے ملک میں بھی ایسی ہی شدت سے تھا۔ چین کی تاریخ میں ۷۳۴ھ کے قحط کی نسبت لکھا ہے کہ آدمیوں نے آدمیوں کا گوشت کھایا۔ اس مرتبہ سلطان نے گذشتہ قحط سالی کے تجربے سے فائدہ اٹھاکر زیادہ مستحکم اور زیادہ اچھا انتظام کیا۔ اُسنے اپنے امیروں اور وزیروں کو شہر دہلی کے محلے مضافات دہلی کے حلقے اور میان دواب کے اضلاع تقسیم کردیئے۔ مفلس اور تہیدست رعایا کی فہرستیں تیار کرائیں۔ تاکیدی احکام جاری کیئے کہ ہر امیر آدمی غریبوں کی ایک مناسب تعداد کو اپنے ذمے لے اور اُن کے لیئے غلہ یا خوراک بہم پہونچائے۔ ابن بطوطہ جو ۷۳۴ھ میں دہلی پہونچکر عرصہ دراز تک دہلی کا قاضی رہا تھا اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ پانسو محتاجوں کا میں بھی کفیل تھا۔ دونوں وقت اُن کو کھانا کھلاتا اور اُنکے رہنے کے لیئے بھی مجھکو ایک بڑا مکان بنوانا پڑا تھا۔ سلطان اپنے احکام کی تعمیل اور کنوؤں کی تیاری وغیرہ زراعت کے متعلقہ کاموں کی دیکھ بھال کے لیئے خود دورے پر نکل کھڑا ہوا۔ دارالسلطنت کے اہلکاروں کو تاکید کر گیا کہ شہر کی مخلوق کو کوئی آزار نہ پہونچنے دیا جائے نہ کوئی شخص شہر سے بھاگنے پائے۔ شہر سے باہر جانے کی ممانعت اسلیئے تھی کہ کہیں سنام و سامانہ کے لوگ جو شہر میں لاکر آباد کیئے گئے تھے موقع پاکر پھر اپنے علاقوں میں جاکر بدامنی نہ پھیلادیں۔ اسی زمانے میں جبکہ سلطان ملک کا دورہ کر رہا تھا مراقش کا مشہور سیاح شیخ ابن بطوطہ جس کا ذکر اوپر ہوچکا ہے دہلی میں آیا۔ ۷۴۲ھ کے درمیانی حصے میں صوبہ میان دوابہ کے کاشتکاروں کو کنوئیں کھودنے اور دریاؤں یا تالابوں سے پانی حاصل کرنے کے لیئے ستر لاکھ روپیہ پھر تقسیم کرکے سلطان دورے سے واپس ہوا۔ دارالسلطنت کے کاموں کا معائنہ کرکے اور ابن بطوطہ کو شہر دہلی کا قاضی بناکر پھر روانہ ہوگیا۔ شہر دہلی

ہیں اس لیئے زیادہ دن نہ ٹھہرا کہ لشکر سلطانی کے قیام سے جسمیں اسکی رکابی فوج شامل تھی غلہ کی کمی واقع نہ ہو جائے مگر قحط و گرانی دمبدم بڑھتی ہی گئی۔ باوجود ان تمام کوششوں کے نوبت یہاں تک پہونچ گئی کہ آدمی آدمی کو کھانے لگا چونکہ مخلوق خدا پہلے ہی تین چار سال تک قحط کے شدائد برداشت کرچکی اور اچھی طرح اطمینان کا سانس نہ لینے پائی تھی کہ پھر مبتلائے قحط ہو گئی لہذا یہ دوسرا حملہ بڑا خطرناک اور ناقابل برداشت ثابت ہوا۔ سلطان بھی اس بات کو سمجھ گیا کہ اب آبپاشی اور کنوؤں کی کھدائی کی تجویزوں پر عملدرآمد نہیں ہو سکتا اور فاقہ زدہ لوگوں سے احکام کی تعمیل کرانا دشوار ہے لہذا وہ اپنی تمام فوج اور دہلی کی آبادی کا اکثر حصہ ہمراہ لیکر قنوج کے قریب گنگا کے کنارے جا پڑا۔ دہلی کے ذخائر غلہ دہلی کی بقیہ آبادی کے لیئے چھوڑ دیئے اور وہاں کے اہلکاروں کو مناسب ہدایات کردیں کہ غربا کو تکلیف نہ ہونے پائے۔

محمد تغلق سرگدواری میں قنوج کے قریب بانس اور پھوس کے چھپروں سے ایک عارضی شہر آباد کرکے اس کا نام سرگدواری (باب الجنتہ) رکھا اور اودھ کے صوبہ دار عین الملک کو جو ایک روشن خیال اور عالم فاضل شخص تھا حکم دیا کہ غلہ یہاں بھجوایا جائے سرگدواری کے قیام میں مصلحت یہ تھی کہ غلہ بجائے دہلی کے یہاں آسانی بحفاظت اور جلد پہونچ سکتا تھا۔ سلطان کے سرگدواری میں مقیم ہو جانے کے بعد دہلی کے اہلکاروں نے غربا و محتاجین کو غلہ تقسیم کرنے میں خیانتوں سے کام لیا اور سلطان کے پاس اسکی شکایتیں پہونچیں۔ خائن ہرگز قابل رعایت نہیں ہوتا لیکن جو شخص محتاجوں اور غریبوں کا پیٹ کاٹ کر اپنا پیٹ بھرنا چاہے اور ایسے شدید قحط کے زمانہ میں بھی اس کو فاقہ زدہ لوگوں پر رحم نہ آئے اس سے زیادہ سنگدل کون ہو سکتا ہے۔ سلطان محمد تغلق جسکا دل محتاج لوگوں کو کھانا نہ ملنے کے تصور سے گداز ہو رہا تھا ان قسی القلب خائنوں کو عبرتناک سزائیں دیئے بغیر ہرگز نہیں رہ سکتا تھا چنانچہ اسکے حکم سے اس قسم کے لوگوں کو عبرتناک سزائیں دی گئیں اور ان سزاؤں کا تماشا ابن بطوطہ نے بھی دیکھا اور انھیں سزاؤں کو ضیاء برنی نے بھی سلطان محمد تغلق کے ظالم و سفاک ہونے کی دلیل ٹھہرایا حالانکہ ؎

خونے نہ کردہ ایم وکسے را نہ کشتہ ایم
جرم ہمیں کہ عاشق روئے تو گشتہ ایم

اسی زمانے میں کڑہ کے صوبہ دار نظام مائین نے سلطان کو قحط کی مصیبتوں میں مبتلا دیکھکر علم بغاوت بلند کیا لیکن عین الملک اور اسکے بھائیوں نے بلا توقف حملہ کر کے اس کا کام تمام کیا۔ اور بہت جلد یہ فتنہ فرو ہو گیا۔ سلطان نے دہلی کی بد انتظامی اور مخلوق خدا کی پریشانی کا اندازہ کر کے سرگرداری سے حکم بھیجدیا کہ لوگوں کو اذن عام ہے جسکا جی چاہے اپنی جان بچانے کے لیئے اودھ اور بہار کے علاقوں میں چلا جائے۔ جو لوگ ہر قسم کے راحت و آرام اور بڑے بڑے انعام و اکرام کے وعدوں پر دولت آباد نہیں گئے تھے اس کفران نعمت کی سزا میں ان کو اب پیٹ بھرنے کے لیئے خود دہلی کو چھوڑنا پڑا اور انھوں نے دہلی کے چھوڑ دینے کی اجازت کو اپنے لیئے بڑا بھاری انعام تصور کیا

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اس حکم کے سنتے ہی عام لوگوں کے ساتھ بہت سے خائن اہلکار بھی جنکو ابھی سزا نہیں دی گئی تھی اپنی جان بچانے کے لیئے دہلی سے بہار و اودھ کی طرف چلے گئے۔ حالانکہ اہلکاروں کے لیئے ضروری تھا کہ وہ ہر حالت میں سلطان سے خصوصی اجازت حاصل کیئے بغیر دہلی کو نہ چھوڑتے۔ اس طرح دہلی سے فرار ہو کر انھوں نے اپنے خائن اور خطاکار ہونے کا خود ایک زبردست ثبوت بہم پہونچا دیا ان شاہی مجرموں کی عین الملک کے بھائیوں نے خوب خاطر مدارات کی اور ان کو اودھ میں جاگیریں عطا کیں۔

دکن کی چھوٹی چھوٹی بغاوتیں اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ملک نصرت خاں نو مسلم کو بیدر کا علاقہ سنہ ۳ھ میں سپرد ہوا تھا۔ اس علاقے کا خراج تین سال کے لیئے بالمقطع ایک کروڑ مقرر کیا گیا تھا۔ تین سال ختم ہو چکے تھے اور اُسنے خراج سلطانی کے ادا کرنے کا کوئی بندوبست نہیں کیا تھا اب جبکہ اس سے مطالبہ کیا گیا تو اسنے بھی نظام مائیں حاکم کڑہ کی طرح علم بغاوت بلند کیا۔ قتلغ خاں حاکم دولت آباد نے بیدر پر حملہ کیا اور ملک نصرت خاں کو گرفتار کر کے پادشاہ کی خدمت میں بھیجدیا۔ یہ فتنہ بھی جلد فرو ہو گیا۔ ضیائے برنی ملک نصرت خان کے صفات ان الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ۔

"مردے بقال پیشہ و ترسندہ و عاجز بود"

کچھ عرصہ کے بعد سنہ ۳۵ھ میں علی شیر یا علی شاہ نامی ایک شخص نے جو ظفر خاں علائی کا بھانجا اور قتلغ خاں گورنر دولت آباد کا ماتحت سردار تھا علم بغاوت بلند کیا۔

اسکے باغی ہونے کی کیفیت اس طرح ہے کہ قتلغ خاں نے اس کو سرکاری مالگذاری وصول کرنے کے لیئے گلبرگہ کی جانب روانہ کیا اسنے گلبرگہ کے عامل کو قتل کرکے خود گلبرگہ پر قبضہ کیا۔ اس علاقے میں علی شیر کے بھائی بند بعہدۂ امیران صدہ مامور تھے اُن سب کو متفق کرکے فوراً بیدر پر حملہ آور ہوا اور بیدر کے حاکم کو جو نصرت خاں کے بعد ابھی مامور ہوا تھا شکست دیکر قتل کیا اور قلعہ بیدر کو تصرف میں لاکر اپنی خودمختاری کا علم بلند کیا۔ قتلغ خاں نے بیدر پر پھر حملہ کیا۔ علی شیر نے خوب ڈٹ کر شیروں کی طرح مقابلہ کیا اور کئی لڑائیوں میں کامیاب رہنے کے بعد بالآخر جان کی امان لےکر خود ہی اپنے آپ کو قتلغ خان کے حوالے کیا قتلغ خاں نے علی شیر اور اسکے بھائیوں کو سلطان کے پاس سرگدواری میں بھیجدیا۔ سلطان نے ان کو غزنی کی جانب جلاوطن کردیا لیکن یہ لوگ غزنی سے جب بلا اجازت ہندوستان میں واپس آئے تو نافرمانی کے جرم میں گرفتار ہوکر قتل ہوئے۔ علی شیر کی گرفتاری وجلاوطنی کے بعد سلطان کو قحط کی مشکلات میں مبتلا دیکھکر خود قتلغ حاکم دولت آباد کی نیت بدلی اور سلطان کے پاس دکن سے شکایتیں آنی شروع ہوئیں کہ قتلغ خاں نے نہایت سخت گیر عامل و محصل پرگنات میں مقرر کررکھے ہیں لیکن روپیہ جو وصول ہوتا ہے شاہی خزانے میں داخل نہیں کیا جاتا اور سلطان کے پاس روپیہ کے وصول نہ ہونے کی معذرتیں پہونچائی جاتی ہیں۔ سلطان کو روپیہ پانی کی طرح بہانا پڑرہا تھا۔ شاہی خزانے میں روپیہ کی سخت ضرورت تھی۔ قتلغ خان کی اس خیانت اور بے راہ روی کا علم ہوکر سلطان کو سخت ملال ہوا چونکہ استاد ہونے کی وجہ سے سلطان کو قتلغ خان کی رعایت بہت منظور تھی اسلیئے اسنے قتلغ خاں کو زیر مواخذہ لانا مناسب نہ سمجھکر صرف اسقدر ضروری سمجھا کہ اسے دولت آباد سے الگ کیا جائے چنانچہ اسنے قتلغ خاں کو عین الملک کی جگہ اور عین الملک کو قتلغ خاں کی جگہ تبدیل کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ عین الملک کی کارگذاری کو جو اسنے قحط کے ایام میں انجام دی تھی سلطان دیکھ چکا تھا اور اس سے بہت خوش تھا دولت آباد کا وائسرائے چونکہ سب سے زیادہ معتبر اور معززسمجھا جاتا تھا اسلیئے سلطان نے عین الملک کا مرتبہ بڑھانا چاہا۔

عین الملک اور اسکے بھائیوں کی بغاوت

سرگدواری میں سلطان کو دو سال گذرے گئے

اور سلسلہ ھ کے رمضان و شوال میں برسات اور بارش شروع ہوئی آیندہ قحط کے دور ہونے کی امید بندھی سلطان نے عین الملک سے کہا کہ تمہارے علاقے میں دہلی سے بعض خائن اور مجرم اہلکار بھاگ کر آئے ہوئے ہیں اور تم نے یا تمہارے بھائیوں نے ان کو جاگیریں دیکر اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہے۔ اب مناسب یہ ہے کہ تم انکو جس طرح ممکن ہو دہلی کی طرف روانہ کردو۔ عین الملک اور اسکے بھائی اس تصور سے اپنے دل میں خوف زدہ ہوے کہ سلطان کے علم میں ہم خائن اور شاہی مجرموں کے پناہ دہندہ ہیں عین الملک نے تعمیل حکم پر بسر وچشم آمادگی ظاہر کی اور سلطان مطمئن ہوگیا۔ انھیں ایام میں چند روز کے بعد سلطان نے عین الملک سے جبکہ وہ کسی ضرورت سے سلطان کی خدمت میں آیا ہوا تھا اپنے اس ارادے کا اظہار کیا کہ میں تمکو دولت آباد یعنی دکن کی نیابت پر تبدیل کرنے والا ہوں اس ارادے کا اظہار سلطان نے تو اس خیال سے کیا کہ عین الملک اپنے مرتبہ کی ترقی کا حال سنکر خوش ہوگا لیکن عین الملک اور اسکے بھائی چونکہ اپنے آپ کو مجرم محسوس کئے ہوے تھے انھوں نے سلطان کے ارادے سے مطلع ہوکر یہ سمجھا کہ سلطان ہم کو اس ملک سے جدا اور بے دخل کرکے سزا دینا چاہتا ہے یہ حال جب ان مجرم اہلکاروں کو جو دہلی سے بھاگے ہوے اور عین الملک کے بھائیوں کی مصاحبت میں تھے معلوم ہوا تو انھوں نے اور بھی زیادہ ان کو بہکایا نتیجہ یہ ہوا کہ عین الملک اور اسکے بھائیوں نے اودھ میں علم بغاوت بلند کیا۔ سلطان نے یہ غیر مترقبہ بغاوت دیکھ کر باغیوں پر حملہ کیا۔ بانگرمؤ کے قریب لڑائی ہوئی عین الملک کے بھائی لڑائی میں کام آئے اور عین الملک گرفتار ہوکر سلطان کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ سلطان نے عین الملک کے علم وفضل کا لحاظ کرکے فوراً اس کو رہا کیا اور خلعت عطا کرکے اپنے دربار میں تخت کی برابر نہایت پر جو سب سے زیادہ عزت کا مقام تھا بٹھایا اور کہا کہ مجرموں نے بہکایا اور فریب خوردہ بنایا ہے ورنہ اسکی طینت میں فساد و بغاوت مطلق نہیں اس طرح عین الملک کی خطا بغیر اسکے کہ وہ معذرت کرے سلطان نے معاف کردی۔ عین الملک کے علم وفضل اور اسکی عزت افزائی کا مفصل حال شمس سراج عفیف نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ ضیاء برنی چونکہ عین الملک سے بھی اس کی روشن خیالی کے سبب خوش نہیں ہے لہذا اسنے بہت ہی مجمل الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اسکے بعد سلطان اُن مجرم اہلکاروں کے تعاقب میں بہرایچ تک گیا اور مجرموں کی سراغ رسانی وگرفتاری

کے لئے خواجہ جہاں احمد ایاز کو چھوڑ کر خود براہ راست دو منزلہ یلغار کرتا ہوا دہلی کی جانب روانہ ہوا اور ۷۴۲ھ کے آخری ایام میں دہلی پہونچ گیا۔

سپہ سالار ملتان کا قتل اور مخدومۂ جہاں کی وفات

سلطان کو دہلی جلد پہونچنے کا خیال اس لئے تھا کہ اُسنے اپنی والدہ مخدومۂ جہاں کی بیماری کا حال سُن لیا تھا یہاں آکر مخدومۂ جہاں کی زیارت سے مشرف ہوا اور کاشتکاروں کو زرتقاوی تقسیم کرنا شروع کیا۔ عین الملک اور اسکے بھائیوں کی بغاوت کا یہ نتیجہ نکلا کہ قتلغ خاں کے دولت آباد سے تبدیل کرنے کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔ کیونکہ اب عین الملک کا جسکے بھائی لڑائی میں مارے جا چکے تھے اور جسکی وفاداری پر پہلا سا اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا دولت آباد اسکی خواہش کے خلاف بھیجنا خطرہ سے خالی نہ تھا چند روز کے بعد ملک احمد ایاز بھی مجرموں کو گرفتار کر کے دہلی لے آیا اور ان کی خیانتوں اور شرارتوں کے ثبوت بہم پہونچنے کے بعد انھیں سزائیں دی گئیں۔ اسی حالت میں خبر پہونچی کہ شاہو افغان نے بہزاد خاں کو قتل کر کے خود ملتان پر قبضہ کر لیا اور قوام الملک ترسلم صوبہ دار کو ملتان سے بھگا دیا۔ یہ خبر سنکر سلطان ملتان کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی ملتان کئی منزل رہ گیا تھا کہ شاہو افغان کی درخواست سلطان کی خدمت میں پہونچی کہ میں آپ کا وفادار ہوں باغی نہیں ہوں میں نے بہزاد خاں کو ضرور قتل کیا ہے لیکن میرا ارادہ ملتان پر قابض رہنے کا نہیں میں اپنے افغانوں کی جمعیت کے ساتھ اپنے وطن کو جا رہا ہوں آپ جسکو چاہیں ملتان کا عامل بنا کر بھیجدیں اس تحریر کو پڑھ کر سلطان راستے ہی سے لوٹ آیا۔ شاہو افغان اپنے افغانوں کو لیکر افغانستان چلا گیا جبکہ سلطان ملتان کی طرف جا رہا تھا دہلی میں اسکی والدہ مخدومۂ جہاں کا انتقال ہوا۔

> سلطان محمد در ترتیب زراعت و دادن سوندھار مشغول بود کہ از ملتان خبر رسید کہ شاہو افغان بلغاک کرد و بہزاد نائب ملتان را بکشت (ضیائے برنی)

فرشتہ کے الفاظ ہیں کہ۔

> پادشاہ از دہلی سامان لشکر نمودہ بجانب ملتان نہضت فرمود و یک منزل پیش رفتہ بود کہ والدۂ او مخدومۂ جہاں کہ نظام و التیام تمام خاندان تغلق شاہیہ باو وابستہ بود در دہلی برحمت حق پیوست سلطان متالم و محزون شدہ بفرمود تا در شہر (دہلی) بروح او طعام و صدقات دادند و خود روانہ شد چوں بنزدیک ملتان رسید

شاہوئے افغان عریضہ مشتمل برندامت وبازگشت فرستادوخود ملتان اگذشتہ

بافغانستان رفت۔"

ترقی زراعت کے انتظامات چونکہ بارش کے ہونے سے قحط کی بلا مخلوق خدا کے سر سے ٹل گئی تھی لہذا سلطان محمد تغلق نے ۷۳۶ھ کا پورا سال محکمہ زراعت کے استحکام اور ترقی زراعت کے کاموں میں گذارا۔ اسنے صوبہ میان دوآب کے تمام قابل زراعت رقبہ کو سو مساوی مربعوں میں تقسیم کیا ایک مربع کو ایک ضلع سمجھنا چاہیے۔ ہر مربع کی لمبائی چوڑائی تیس تیس کوس تھی۔ اس تیس کوس مربع رقبہ کے لئے ایک افسر نہایت وسیع اختیارات کے ساتھ مامور کیا گیا۔ اس طرح سوافسر مامور ہوئے ان کو حکم دیا گیا تھا کہ بنجر زمینوں کو مزروعہ اور جو مزروعہ ہیں اُن میں ادنیٰ جنس کی جگہ اعلیٰ جنس کی کاشت کرائیں۔

"سی کروہ در سی کروہ دائرہ گرد از قیاس گرفتند بشرط آنکہ یک بالشت زمین در مسافت چندیں کروہ بے زراعت نماند وہرچہ زراعت شود آنرا تبدیل کنند چنانچہ حنطہ بجائے جو کارند وبجائے حنطہ نیشکر کارند وبجائے نیشکر انگور ورطب نہال کنند وقریب صد شقدار درزمین متصورہ نصب شد (ضیائے برنی)

کسقدر حیرت اور حسرت کا مقام ہے کہ ہندوستان کے جس سلطان نے اپنے عہد حکومت کا ایک بڑا حصہ زراعت کی ترقی اور ملک کو سرسبز بنانے کی کوششوں میں صرف کیا اور قحط عظیم میں مخلوق خدا کی جانیں بچانے کے لئے فرشتۂ رحمت ثابت ہوا آج جبکہ علمی انجمنوں اور کالجوں میں ہندوستان کی زرعی تاریخ پر لکچر ہوتے ہیں تو علاء الدین خلجی شیر شاہ اعظم اور اکبر کا ذکر تو آجاتا ہے لیکن محمد تغلق کا نام کوئی نہیں لیتا جسکی اصلاحات اور مفید ایجادات کا مرتبہ سب سے بڑھا ہوا ہے اور جسکے احسانات ہندوستان کی تمام مخلوق پر ثابت ہیں۔

نام نہاد یورش چین یا تسخیر ہمالیہ اوپر ذکر آچکا ہے کہ منگولیا و چین میں جو چنگیزی خاندان حکمراں تھا اسکو دولت اسلام نصیب نہیں ہوئی۔ اس خاندان کو چغتائی خاندان سے جو ماوراء النہر وافغانستان پر حکمراں تھا نفرت تھی جس کا تفصیلی تذکرہ مغلوں کی تاریخ میں موجود ہے۔ یہ چغتائی خاندان ۷۲۶ھ سے جبکہ سلطان ترمشیرین خان چغتائی خود

ہندوستان آیا تھا محمد تغلق کی وفات تک محمد تغلق کا وفادار، خیرخواہ اور حلیف رہا۔ لہذا چین کے چنگیزی مغلوں کو محمد تغلق سے نفرت ہونا لازمی بات تھی ۷۲۹ھ میں اس چینی چنگیزی خاندان کا بادشاہ توغتمور خاں تبت کے لامہ گرو کا مرید ہوگیا تھا اُسوقت سے چین کے چنگیزی فرمانرواؤں کی نگاہ میں تبت کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی مغلوں اور تبتیوں نے کوہ ہمالہ کی بعض پہاڑی ریاستوں یا بعض پہاڑی قبائل کو جو آزادی اور خودمختاری کی حالت میں تھے اپنی جانب مائل کرلیا اور کوئی جدید شوالہ بھی بنانا چاہا جسکو مرکزی حیثیت حاصل ہوسکتی تھی۔ محمد تغلق ان تمام باتوں سے واقف ہونے پر خاموش اور بے فکر نہیں رہ سکتا تھا اسنے کوہ ہمالہ میں اپنے مخالف چنگیزیوں کے رسوخ اور پیشقدمی کو ہندوستان پر حملہ آوری کا پیش خیمہ محسوس کیا اور ع "سرچشمہ شاید گرفتن بمیل" پر عمل کرکے اس پہاڑی علاقے پر قبضہ کرکے حملہ آوری کے امکان کو مٹانا چاہا۔ چنانچہ ۷۳۹ھ میں اسی ہزار سپاہیوں کا ایک لشکر کوہ ہمالہ کے اس حصے پر قبضہ کرنے کے لیے خسرو ملک کی سرداری میں روانہ ہوا کوہ ہمالہ کے کسی حصے پر قبضہ کرنے کے لیئے اسی ہزار سپاہیوں کی تعداد زیادہ معلوم ہوتی ہے لیکن محمد تغلق جو بچپن سے بڑی بڑی لڑائیوں کا تماشا دیکھتا رہا تھا اور ایک اعلیٰ درجہ کا تجربہ کار سپہ سالار اور مآل اندیش ملک دار تھا وہ کوہ ہمالہ پر قبضہ کرنے کی مشکلات کو پہلے ہی سمجھ چکا تھا۔ اسنے خسرو ملک کو حکم دیا کہ پہاڑ میں داخل ہوتے ہی تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر فوجی چوکیاں قائم کرتے چلے جاؤ تاکہ کسی مصیبت کے پیش آنے پر تمکو واپس ہونے یا فوراً مدد منگانے میں کسی قسم کی دقت نہو۔ اس طرح فوج کا ایک بڑا حصہ راستے کی حفاظت کے لیئے فوجی چوکیوں میں تقسیم ہوگیا۔ باقی فوج نے کوہ ہمالہ کی اس ریاست یا ان قبائل کو مطیع و منقاد بناکر وہاں اسلامی حکومت قائم کردی۔ خسرو ملک جس مہم پر مامور ہوا تھا وہ پوری ہوچکی تھی لیکن اسنے اولوالعزمی اور ناعاقبت اندیشی کی راہ سے کوہ ہمالہ کو طے کرکے تبت کے میدان تک جانا چاہا اور فوج کو ہمالیہ سے گذار کر دوسری طرف کے شمالی دامن کوہ میں لے گیا۔ وہاں سیلاب اور بارش کی مصیبتوں کے علاوہ لشکر میں بیماری بھی پھیل گئی اگرچہ مغلوں یا تبتیوں کی کسی فوج سے مقابلہ نہیں ہوا لیکن سیلاب اور وبا کے قدرتی حملوں سے مجبور ہوکر بڑی سراسیمگی کے ساتھ واپس ہونا پڑا۔ فوج کے بعض سردار جو کوہ ہمالہ سے گذر کر تبت کے میدانوں تک جانے کے مخالف تھے اپنے سپہ سالار کی نالائقی اور بے تدبیری

کی علانیہ شکایتیں زبان پر لائے جس سے سپاہیوں میں بھی ناراضی اور نافرمانی کی علامات نمایاں ہوئیں اور فوج کا نظام و انتظام درہم برہم ہو گیا۔ کچھ سیلاب کی نذر ہوئے کچھ بیماری میں مرے۔ جو باقی رہے اُن میں پھوٹ پڑ گئی۔ یہ حالت دیکھکر پہاڑیوں نے پہلو بدلا اور سامان رسد پر چھاپے مارنے شروع کیے۔ پہاڑی راستوں اور گھاٹیوں کی دشوار گذاری۔ پہاڑی علاقے کے حالات سے بے خبری۔ ان تمام چیزوں نے مل کر لوگوں میں بدحواسی پیدا کر دی۔ راستے کی چوکیاں جنپر بے خطر واپسی کا انحصار تھا ٹوٹ گئیں۔ پہاڑی ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور جا بجا پہاڑ کی تنگ گذرگاہوں میں چوٹیوں پر سے لڑکائے ہوئے پتھروں نے وہ کام کیا جو آج کل میدانوں میں توپ کے گولوں سے بھی ممکن نہیں۔ غرض تمام لشکر پہاڑ میں کھپ گیا اور اسکا اکثر حصہ پہاڑ ہی میں ختم ہوا بہت تھوڑے آدمی معہ خسرو ملک بچکر واپس آسکے۔ اس طرح اتنے بڑے لشکر کا برباد ہونا یقیناً ہندوستان والوں کے غم و غصہ کا موجب ہوا ہوگا اور اس بربادی کے قصے لوگوں کی زبان پر دیر تک جاری رہے ہوں گے۔ جن لوگوں کو سلطان سے نفرت یا شکایت تھی انھوں نے اس بربادی کا ذمہ دار سلطان ہی کو بنایا حالانکہ سلطان سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ جن لوگوں کی بے تدبیری اور نالائقی سے یہ نقصان ہوا تھا جب وہ واپس آئے تو سلطان نے ان کو سزائیں دیں۔ خسرو ملک اس جرم میں کہ اُسنے کیوں بلا اجازت آگے بڑھ کر مملکت چین میں قدم رکھا۔ زیر عتاب آیا۔ ضیائے برنی نے اس سزادہی کو بھی سلطان کے مظالم کی فہرست میں شامل کیا ہے۔ سلطان نے اُسکے بعد ہی فوراً دوسری فوج بھیجکر اُس پہاڑی علاقے پر جس کا قبضے میں لانا ضروری تھا قبضہ کر لیا اور وہ آئندہ سلطانی قبضے میں رہا۔ چین کی مغلیہ سلطنت کو کئی سال کے بعد مجبوراً سلطان کے پاس قاصد بھیجکر اُسے رضامند کرنا پڑا اور شوالہ بنانے کی اجازت حاصل کرنے کے لیئے سلطنت چین کی طرف سے مودبانہ التجا سلطان محمد تغلق کی خدمت میں پیش ہوئی جسکا ذکر ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں مفصل کیا ہے۔

اس مذکورہ کوہی مہم کی نسبت آج کل کی متداول تاریخوں میں بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان محمد تغلق نے چین کی فتح کے لیئے فوج بھیجی تھی اور یہ اسکی سب سے بڑی حماقت تھی حالانکہ چین کے فتح کرنے کا خیال تک بھی اس بیچارے کو نہ تھا اسنے تو اپنے سپہ سالار

خسرو ملک کو جو اس کا قریبی رشتہ دار بھی تھا اسی لیئے عہدے اور منصب سے معزول کر کے ذلیل اور نظر بند کیا کہ وہ فوج کو چین کی حدود میں کیوں لے گیا۔ خود ضیا نے برنی نے اس مہم کو ملک چین کی مہم نہیں لکھا وہ کہتا ہے کہ۔

"سلطان محمد را در خاطر گذشت کہ کوہ قراجل کہ در راہ نزدیک میان ممالک ہند و ممالک چین حائل و حجاب شدہ مفتوح علم اسلام گردد۔"

یہ بات بالکل مشتبہ ہے کہ ہمالیہ پہاڑ کا وہ کونسا حصہ تھا جسپر سلطان نے قبضہ کرنا ضروری سمجھا۔ کسی نے کوہ قراجل کو کوہ قراجل اور قراچیل اور کراجل وغیرہ پڑھا کسی نے کراجل یا قراجل کو کلو کا پہاڑی علاقہ قرار دیا۔ کوئی اس فوج کو المورہ کے راستے پہاڑ میں اور کمایوں کے ضلع کو کوہ قراجل یا قراجل کہتا ہے۔ کوئی ضلع گڈھوال اور ریاست ٹیری میں اس مہم کے علامات تلاش کرتا ہے۔ کسی نے کشمیر کا علاقہ اور کسی نے نیپال کا علاقہ منتخب کیا ہے۔ زیادہ قرین قیاس یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فوج دریائے جمنا کے کنارے کنارے پہاڑ میں داخل ہو کر پہاڑ کے دوسری طرف میدان میں دریائے ستلج کے کنارے پہونچ گئی ہوگی۔ بہر حال سلطان محمد تغلق جس مقصد کو حاصل کرنا چاہتا تھا وہ اسنے حاصل کر لیا۔ اگرچہ ایک اتفاقی حادثہ یا سپہ سالار کی بے تدبیری سے فوج کا ایک بڑا حصہ ضایع ہوا۔ فوج اس طرح اگر ضایع نہ ہوتی تو یہ مہم ایک ایسا معمولی واقعہ تھا کہ شاید تاریخوں میں کوئی اس کا ذکر بھی نہ کرتا۔ ع۔ عالم ہمہ افسانہ ما دارد و ما ہیچ۔

بنگالہ کا سفر ۷۲۵ھ میں بنگالہ کے اندر ہلچل مچی جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ ملک بنگالہ دو حصوں میں تقسیم تھا ایک حصہ کا دار الحکومت لکھنوتی تھا اسپر سلطان غیاث الدین بلبن کا بیٹا ناصر الدین حکومت کرتا تھا اور سلطان غیاث الدین تغلق نے اسکو چتر و دور باش وغیرہ شاہی علامات دیکر لکھنوتی کے تخت پر قایم رکھا تھا۔ دوسرے حصے کا دار الحکومت سنار گام یا سنار گاؤں (ڈھاکہ) تھا۔ یہ حصہ سلطنت دہلی کا صوبہ سمجھا جاتا تھا اور یہاں سلطان دہلی کی طرف سے ایک صوبہ دار حکومت کرتا تھا سلطان محمد تغلق کی تخت نشینی کے بعد جب ناصر الدین ابن سلطان بلبن کا لکھنوتی میں انتقال ہوا تو سلطان نے ملک بیدار خلجی کو قدر خاں کا خطاب دیکر لکھنوتی کی حکومت پر مامور کیا اور بہرام خاں کو سنار گاؤں کی حکومت عطا کی۔ اس طرح بنگالہ کے دونوں صوبوں پر قدر خاں اور

بہرام خاں دو گورنر حکومت کر رہے تھے اور بنگالہ کا انتظام ہر طرح قابل اطمینان تھا۔ ۷۳۹ھ میں بہرام خاں حاکم سنارگاؤں کا انتقال ہوا اور بہرام خاں کے سپہ سالار ملک فخر الدین نے سنارگاؤں کی حکومت اپنے ہاتھ میں لیکر خود سری و خود مختاری کی علامات کا اظہار کیا۔ قدر خاں حاکم لکھنوتی نے حملہ کر کے فخر الدین کو شکست دی اور سنارگاؤں سے تمام مال و اسباب اور خزانہ لکھنوتی لے گیا اور سلطان محمد تغلق کی خدمت میں زر خراج اور تحف و ہدایا بھیجنے کا بندوبست کیا۔ قدر خاں کی فوج کے بعض سردار قدر خاں سے اس لئے ناراض ہو گئے کہ اُسنے اُن کو سنارگاؤں کے مال غنیمت میں سے حصہ نہیں دیا۔ فخر الدین نے پھر جمعیت فراہم کی اور قدر خاں کی فوج کے مذکورہ ناراض سرداروں سے سازش کر کے حملہ آور ہوا۔ قدر خاں لڑائی میں مارا گیا۔ فخر الدین نے لکھنوتی میں اپنی طرف سے ایک حاکم مقرر کیا اور سنارگاؤں میں آکر بطور خود مختار فرمانروا حکومت کرنے لگا۔ قدر خاں کی فوج کے ایک سردار علی مبارک نے فخر الدین کے نائب کو جو لکھنوتی کی حکومت پر اُسنے مامور کیا تھا قتل کر کے خود لکھنوتی کی حکومت سنبھال لی اور فخر الدین کی طرح خود مختاری کا اعلان کر کے اپنا لقب سلطان علاء الدین مقرر کیا۔ اس طرح ایک یا دو مہینے کی کشمکش کے بعد لکھنوتی میں علی مبارک الملقب بہ علاء الدین اور سنارگاؤں میں فخر الدین دو خود مختار پادشاہ بن گئے۔ ملک الیاس حاجی جو سلطان محمد تغلق کے چچا زاد بھائی فیروز تغلق کے نوکروں میں شامل تھا کسی جرم کے سرزد ہونے پر دہلی سے بھاگ کر اور لکھنوتی پہونچکر قدر خاں کے نوکروں میں شامل ہو گیا تھا اُسنے لکھنوتی کے امیروں کو متفق کر کے علی مبارک الملقب بہ علاء الدین کے خلاف خروج کیا اُسکو قتل کر کے لکھنوتی پر قابض ہوا اور سلطان محمد تغلق کو ان تمام حالات سے اطلاع دی سلطان نے سنہ ۔۔۔ھ میں بنگالہ کی جانب کوچ کیا۔ سنارگاؤں پہونچکر فخر الدین کو گرفتار کیا پھر لکھنوتی پہونچا یہاں فخر الدین کو قتل کیا اور حاجی الیاس کو شمس الدین کا خطاب دیکر تمام ملک بنگالہ کی حکومت اسے سپرد کی اور دہلی واپس آیا۔

بنگالہ کے واقعات کا یہ خلاصہ زیادہ تر منتخب التواریخ اور ریاض السلاطین کی رو سے ترتیب دیکر درج کیا گیا ہے۔ مورخین نے عام طور پر ان واقعات کو خلط ملط کر کے اس طرح لکھا ہے کہ پڑھنے والے کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا اور وہ کوئی صحیح تصور اپنے

ذہن میں قایم نہیں کر سکتا۔ میں نے بہت تھوڑے الفاظ میں واقعات کو قریب الفہم بنا کر درج کیا ہے۔ سلطان کو بنگال سے اس لیئے جلد آنا پڑا کہ مالوہ میں بعض ہندوؤں کی سرکشی کے ارادے کی خبر پہونچ چکی تھی چنانچہ سلطان نے بنگال سے آکر بھیلسہ اور راسین کے سرکشوں کی سرکوبی کی اور ان دونوں علاقوں کو ساغر کے صوبے میں شامل کر دیا اس طرح تمام فتنے فرو ہو گئے۔

جدید سکے کی حقیقت قحط و خشک سالی کا زمانہ بھی نہ تھا ملک میں ہر طرح امن وامان اور فارغ البالی کا دور دورہ تھا۔ بغاوتوں کا بھی بظاہر کوئی خطرہ نہ رہا تھا۔ سلطان محمد تغلق نہ عیش پسند اور کاہل تھا نہ شراب و ساقی سے واقف تھا اسکی ساری عمر گھوڑے کی پشت پر یا علما کی صحبتوں میں گذری تھی۔ وہ رفاہ رعایا اور قیام امن و امان کا بیحد خواہاں اور مفید آئین و نفع رسان اسالیب نافذ کرنے کا شایق تھا۔ اب مطمئن ہو کر جبکہ تمام براعظم ہند پر اسکی حکومت و سلطنت چھائی ہوئی تھی اور سلطنت کا کاروبار عمدگی سے چل رہا تھا اس کا موجد و مخترع دماغ سکے کی اصلاح کی جانب متوجہ ہوا۔ سکہ کا مسئلہ اسلیئے قابل توجہ ہو گیا تھا کہ سلطان علاءالدین خلجی کے زمانے سے فوج کے ایک بڑے حصے کو جو خاص شاہی فوج سمجھی جاتی تھی شاہی خزانے سے نقد تنخواہ دینے کا رواج چلا آتا تھا اور بجائے جاگیروں کے نقد تنخواہ کا دستور مفید بھی ثابت ہوا تھا۔ کاشتکاروں سے زرلگان نقدی کی شکل میں وصول کرنے کا رواج نہ تھا بلکہ مقاسمہ (بٹائی) کا قاعدہ عام طور پر جاری تھا اس لیئے سلطان علاءالدین خلجی نے جب فوج کو زر نقد کی شکل میں تنخواہ دینیکا قاعدہ مقرر کیا تو ساتھ ہی جابجا اس غلہ کے جو بٹائی میں وصول ہوتا تھا سرکاری ذخائر قائم کروئیے تھے اور اسی لیئے سرکاری طور پر غلہ کا نرخ مقرر کیا جاتا تھا۔ صوبۂ میان دواب ہی میں جسکو حضور صوبہ کہنا چاہیئے یہ دستور جاری کیا گیا تھا اور اسی صوبہ کی آمدنی پر شاہی فوج کی تنخواہوں کا بار تھا۔ دوسرے صوبوں کا اخراج عموماً سلطان کے انعام و بخشش قلعوں کی تعمیر۔ فوج کشیوں کے مخصوص ہنگامی اخراجات۔ نہروں۔ کنوؤں۔ سراؤں سڑکوں۔ وظائف وغیرہ مصارف خیر اور اسی قسم کے دوسرے کاموں میں خرچ ہوتا تھا سلطان محمد تغلق نے عہد علائی کے اس انتظام کو مفید پاکر اسے اور ترقی دی تھی۔ محمد تغلق کے بعد اسکے جانشین فیروز تغلق نے اس دستور کو منسوخ کر کے فوج کو جاگیریں عطا

کرنے کا پورانا قاعدہ پھر جاری کر دیا تھا، غلہ کے سرکاری ذخیروں نے گذشتہ قحط عظیم میں بہت کچھ امداد پہونچائی تھی لہذا سلطان نے زراعت کی ترقی کے لیئے خاص طور پر انتظام و اہتمام کیا۔ گذشتہ ہفت سالہ قحط میں شاہی خزانے کو زر تقاوی۔ غربا کی دستگیری چاہ کاوی وغیرہ کاموں میں وہ بیدریغ لٹاتا اور روپیہ کو پانی کی طرح بہاتا رہا تھا۔ اس طرح چاندی کے سکوں کی بڑی مقدار شاہی خزانے سے نکلکر رعایا کے قبضے میں پہونچ چکی تھی۔ محمد تغلق فوج کو موقوف نہیں کر سکتا تھا۔ فوج کو زر نقد کی شکل میں تنخواہ کا دینا بھی ضروری تھا۔ توفیر و تکثیر زراعت کے لیئے اسنے جو انتظامات کیئے تھے وہ سب صرف زر کے محتاج تھے ان کو بھی وہ ملتوی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس دشواری کو رفع کرنے کے لیئے اسنے دوسرے صوبوں کے مقررہ خراج کو بھی بڑھانا نہیں چاہا اگر ایسا کرتا تو بغاوتوں اور سرکشیوں کے پھوٹ پڑنے کا قوی احتمال تھا۔ وہ رعایا پر کوئی جدید ٹیکس قائم کر سکتا تھا لیکن اسنے یہ بھی گوارا نہ کیا۔ وہ نقد تنخواہیں دینے کے عوض پرانے زمانے کے دستور کے موافق جاگیریں سپاہیوں کے نام کر سکتا تھا مگر سپاہیوں کا معاملہ کاشتکاروں سے وابستہ ہو جانے کی حالت میں ترقی زراعت کا وہ اہتمام جو اسنے کیا تھا سب درہم برہم ہو جاتا لہذا یہ بھی گوارا نہ ہوا جس سلطان نے سات سال تک قحط کا مقابلہ کیا ہو اور اب اسکی تمام توجہ کسی ایسے ہی آیندہ قحط کے قبل از وقت انسداد اور روک تھام کی تدبیروں میں مصروف ہو اور اسکا دل مخلوق خدا کی ہمدردی کے جوش میں پگھلا جاتا ہو اسکے سامنے جب روپیہ کی کمی کا مسئلہ پیش ہوا تو اسنے رعایا اور زراعت پیشہ لوگوں پر بار ڈالنا مناسب نہ سمجھکر اپنی فوج اور سپاہیوں کو ایک نئے آئین کی تکلیف دی۔ سلطان علاء الدین خلجی نے سپاہیوں کی نقد تنخواہیں مقرر کر کے نہ صرف غلہ بلکہ ترکاری لباس۔ سواری۔ اور تمام ضروریات زندگی کے سرکاری نرخ مقرر کر دیئے تھے اور فوج کے سپاہیوں کو تنخواہ کی کمی کا کوئی شکوہ نہ رہا تھا سلطان محمد تغلق نے ہزار ہا اشیا کے سرکاری نرخ مقرر کرنا اور ایسا توازن باقی رکھنا کہ کسی صناع اور کسی پیشہ ور کو شکایت نہ ہو دشوار سمجھکر اور صنعت و تجارت کی آزادی کو محفوظ رکھنے کی غرض سے تمام اشیا کے سرکاری نرخ مقرر کرنے کا قاعدہ پہلے ہی منسوخ قرار دیدیا تھا۔ اب ایک اہم ضرورت پیش آنے پر اسنے سب سے زیادہ قرین انصاف رستہ اختیار کیا اور وہ یہ تھا کہ تانبے کے سکے کی اعتباری قیمت قائم کی۔ محمد تغلق کی

ذہانت اور نکتہ رسی اس بات کے سمجھنے سے عاجز نہ تھی کہ لین دین اور بیع وشرا کی آسانی کے لیے انسان نے چاندی سونے کی اعتباری قیمتیں متعین کر لی ہیں فی نفسہ یہ دھاتیں انسانی زندگی قائم رکھنے کی ذمہ دار نہیں۔ جب انسانی تمدن اور معاشرت میں ترقی ہوئی اور بڑے بڑے ملکوں میں بادشاہتیں اور شہنشاہیاں قائم ہو گئیں تو مبادلہ اور بیع وشرا میں زیادہ سہولت پیدا کرنے کے لیے بادشاہوں نے چاندی سونے کے ہموزن ٹکڑوں کو مسکوک کر کے درہم و دینار یعنی روپیہ اور اشرفی کی قیمتیں متعین کر دیں اس سے یہ فائدہ ہوا کہ چاندی اور سونے کی قیمتیں اگر کسی خاص سبب سے چند روز کے لیے کم یا زیادہ بھی ہو جائیں تو محض مسکوک ہونے کی وجہ سے روپیہ یا اشرفی کی قیمت کم و زیادہ نہیں ہو سکتی اور لوگوں کے کاروبار میں کوئی دقت پیش نہیں آ سکتی۔ کیونکہ سلطنت کا سکہ بجائے خود ایک مستقل قیمت رکھتا ہے اور چاندی یا سونے کا ٹکڑا جس پر وہ سکہ مسکوک ہے اپنی ذاتی قیمت کے اثر سے ایک حد تک سبکدوش اور جدا ہوتا ہے پس جبکہ سلطنت کے محض سکہ کی بھی بجائے خود ایک مستقل قیمت اس زمانے کے تمام متمدن ممالک میں تسلیم کی جاتی تھی۔ ایران میں کاغذ کا سکہ بھی چند روز کیلئے رائج رہ چکا تھا۔ چین میں بھی اسی قسم کا سکہ جاری کیا جا چکا تھا یونان میں ہزاروں سال پیشتر لائی کرگس مشہور مقنن بادشاہ لوہے کا سکہ رائج کر چکا تھا تو محمد تغلق کا تانبے کے سکے کو چاندی کے سکہ کی اعتباری قیمت عطا کرنا اور فوج کو بجائے چاندی کے تانبے کے سکے تنخواہوں میں دینا ایک بہترین تدبیر تھی جو اس نے اختیار کی۔ اس کی یہ تدبیر سلطان علاءالدین خلجی کی اس تدبیر سے کہ اس نے تمام اشیاء کے سرکاری نرخ مقرر کر دئے تھے زیادہ عجیب نہ تھی بلکہ اسی کی ایک اصلاح شدہ حالت تھی۔ اس سکہ کا رواج صرف صوبہ میان دوآب کی حدود تک محدود رکھا گیا تھا کیونکہ شاہی فوج سب اسی صوبہ کی رہنے والی اور اپنی تنخواہ کے روپیہ کو اسی صوبہ کے حدود میں صرف کر سکتی تھی۔ ساتھ ہی اسباب کا بھی اعلان کر دیا گیا تھا کہ یہ انتظام مدامی اور دوامی نہیں ہے اور تانبے کے سکے کو شاہی خزانے سے چاندی کے سکے میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ یہ تدبیر زیر عمل آئی اور تانبے کے سکے چاندی کے سکوں کی مانند استعمال ہونے لگے اور فوج نے تانبے کے روپیوں کو تنخواہ میں لینا بخوشی منظور کر لیا

کیونکہ اُس میں اُن کا کوئی ہرج نہ تھا۔ پروفیسر گارڈنر براؤن کہتے ہیں کہ اس زمانے میں عام طور پر ساری دنیا میں چاندی کی کمی محسوس کی جارہی تھی اور چاندی کے قائم مقام کی لوگوں کو تلاش تھی۔ بہر حال جو صورت بھی ہو صوبہ میان دوآب میں اس جدید سکے نے رواج پایا۔ چاندی کے سکے کو سلطان نے منسوخ نہیں کیا تھا۔ دور دراز کے صوبوں کو بھی اس جدید سکے کے رواج پر مجبور نہیں کیا گیا تھا۔

آج کل جس طرح چاندی اور نکل دونوں دھاتوں کی الگ الگ اٹھنیاں چونیاں اور دونیاں مساوی قیمت پر رائج ہیں اسی طرح چاندی اور تانبے کے روپے اس زمانے میں مساوی قیمت پر رائج تھے۔ سلطان کا منشا اس تدبیر سے فوجی مصارف کے مسئلہ کو بآسانی حل کر دینا اور ترقی زراعت کے لیے زیادہ سے زیادہ سہولت بہم پہنچانا تھا۔ چونکہ سلطان نے اس تانبے کے سکے کو اسی مقررہ قیمت پر خود بھی قبول کرنے سے انکار نہیں کیا تھا لہذا اس کو اس قسم کا قرضہ بھی کہہ سکتے ہیں جو آجکل کے متمدن ممالک میں سلطنتوں کو رعایا سے اکثر لینا پڑتا ہے اور اسکے لیے کاغذ کے نوٹ جاری کیے جاتے ہیں۔ تعجب ہے کہ جس ایجاد سے آج ساری دنیا فائدہ اُٹھا رہی ہے اسی کے موجد کی نالائقی قرار دیا جا رہا ہے۔ اس بات کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ محمد تغلق نے یہ جدید سکہ اس زمانہ میں ایجاد اور جلدی کیا تھا۔ جبکہ ملک میں ہر طرح امن و امان قایم اور سلطنت کی عظمت ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں چھائی ہوئی تھی۔ اگر یہ کام وہ ایسی حالت میں کرتا کہ ملک میں ہر طرف بغاوتیں برپا ہوتیں اور سلطنت کا اعتبار و اعتماد متزلزل ہوتا تو اس ایجاد کو حماقت کہا جا سکتا تھا۔

جدید سکہ کیوں منسوخ کیا گیا چونکہ سرکاری ٹکسالوں کے اہلکار عام طور پر ہندو اور سکوں کے مسکوک کرنے والے سنار بھی سب ہندو ہی تھے اور نہ صرف سلطان محمد تغلق بلکہ سلطان فیروز تغلق کے زمانے میں بھی شمس سراج عفیف کے بیان کی موافق ٹکسالوں کا محکمہ تمام و کمال ہندوؤں اور ہندو سناروں ہی کے ہاتھ میں تھا لہذا ہندی پست فطرتی کا اظہار اس طرح ہوا کہ بعض ہندوؤں نے سناروں سے ملکر سرکاری ٹکسالوں میں بطور خود سکے مضروب کرانے شروع کر دئے اول اول سرکاری

ٹکسالوں کے ہندو اہلکاروں نے مذکورہ طریق پر خیانت کی بھر سناروں نے اپنے گھروں میں بھی تانبے کے روپے ڈھالنے شروع کر دیے اور سرکاری سکے کی حفاظت معرض خطر میں پڑ گئی۔ سلطان کو جب ہندوؤں کی اس شرارت کا حال معلوم ہوا تو اس نے یہ نہیں کیا کہ تانبے کے اس جدید سکے کو منسوخ قرار دیکر خاموش ہو جاتا یا ہندوؤں کے قتل و گرفتاری کا حکم دیتا۔ بلکہ اسنے انتہائی شرافت۔ انتہائی بردباری اور انتہائی ایمانداری کا ثبوت پیش کیا۔ اسنے اعلان کرا دیا کہ جدید سکہ منسوخ قرار دیا جاتا ہے مقررہ میعاد کے اندر تانبے کے تمام جدید سکے شاہی خزانے میں داخل کر کے اُنکے عوض چاندی کے سکے خزانے سے لیجاؤ۔ اس طرح شاہی خزانے کو نقصان برداشت کرنا پڑا گویا سلطان نے اس قرضہ کا بڑے سے بڑا سود بخندہ پیشانی ادا کر دیا مگر اپنی ساکھ اور اپنے شاہانہ مرتبے کو قایم رکھا۔ یہ واقعہ صرف چند روزہ تھا۔ غالباً اس جدید سکے کے جاری ہونے سے منسوخ ہونے تک پورے ایک سال کی مدت بھی نہیں گذری اور قیاس چاہتا ہے کہ چند ہی مہینوں کے بعد اس تجربے میں ناکامی کا احساس سلطان کو ہو گیا اور اسنے جلد از جلد اپنی تجویز کو واپس لیکر معاملہ صاف کر دیا۔ ضیاء برنی نے سلطان کی مفروضہ غلط کاریوں میں ایک کا اضافہ کر کے خوب آب و تاب کے ساتھ بیان کیا اور بعد کے مورخین نے اسکو بلا غور و تامل اور بھی چمکا دیا۔ خود ضیاء برنی کی تاریخ میں کسی دوسرے واقعہ کے ذیل میں اس کا کوئی ذکر یا اشارہ تک نہیں آیا۔ ابن بطوطہ جو معمولی سے معمولی باتوں کو بھی جنمیں کوئی ذرا سا جدت کا پہلو نکلتا ہو عام سیاحوں کی طرح ضرور بیان کرتا ہے لیکن وہ اپنے سفرنامے میں اس تانبے کے سکے کا کوئی تذکرہ نہیں کرتا جو دلیل اس بات کی ہے کہ خود محمد تغلق کے زمانے میں بھی یہ کوئی عجیب اور زیادہ قابل تذکرہ بات نہیں سمجھی گئی تھی۔ اور یہ ایسی معمولی بات تھی کہ کسی نے اس کو کوئی اہمیت نہیں دی سرکاری خزانے کا نقصان جو سکوں کے واپس لینے میں ہوا وہ بھی بہت زیادہ اور غیر معمولی نہ ہوگا۔ ہندوؤں نے جو سکے اپنے گھروں میں ڈھالے یا سرکاری دار الضرب میں چوری سے مضروب کرا لیے ہوں گے وہ زیادہ نہ ہوں گے اور ایسے واقعات تھوڑے ہی ہونے پائے کہ خبر لگنے پر فوراً ہی منسوخی اور سکوں کی واپسی کے احکام نافذ ہو گئے۔ ضیاء برنی کے مبالغہ آمیز الفاظ کو سب سے زیادہ تقویت قریباً سو سال بعد کی ایک تصنیف

تاریخ مبارکشاہی کی اس روایت سے پہونچی کہ سو برس بعد تک تانبے کے ان واپس شدہ سکوں کے ڈھیر قلعہ دہلی میں موجود تھے۔ یہ بات کسی طرح عقل و فہم میں نہیں آتی کہ اس قدر طویل مدت تک جسمیں تیمور کا حملہ۔ تیموری مغلوں کی دست درازی اور فیروز تغلق کی پرسکون سلطنت سب کچھ گذر چکا تھا۔ ان سکوں کے انباروں کو کس غرض سے محفوظ رکھا گیا تھا۔ وہ سکے آخر دھات کے تھے مٹی یا پتھر کے نہ تھے جنکے انبار کو آثار قدیمہ کے طور پر محفوظ رکھنا اور کسی دوسرے کام میں نہ لانا ضروری سمجھا گیا تھا۔ فیروز تغلق کے بعد دہلی پر ایسے ایسے حوادث مبارک شاہ کے عہد تک آچکے تھے کہ ان تانبوں کے سکوں کے انبار علی حالہ کسی طرح محفوظ نہیں رہ سکتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ محمد تغلق جسنے ان سکوں کو منسوخ قرار دیا تھا ان کو باقی نہیں رکھ سکتا تھا۔ اسنے یقیناً ان کو گلوا کر تانبے کے دوسرے مروج سکے یا تانبے کے ظروف تیار کرالیئے ہونگے۔ تاریخ مبارک شاہی تو بہت دنوں بعد کی تصنیف ہے شمس سراج عفیف جو ضیائے برنی اور سلطان محمد تغلق کی وفات کے تھوڑے ہی دنوں بعد اور تاریخ مبارک شاہی کی تصنیف سے بہت دنوں پہلے اپنی کتاب تاریخ فیروز شاہی میں لکھتا ہے کہ اسمیں بار بار محمد تغلق کا تذکرہ بھی آتا ہے ایک باب میں چاندی سونے کی مہروں یعنی شاہی سکوں اور چاندی کے کھرے کھوٹے ہونے کا ذکر خاص طور پر کرتا ہے وہ سلطان محمد تغلق کے اس جدید تانبے کے سکے کا کوئی تذکرہ نہیں کرتا۔ ابن بطوطہ اور شمس سراج عفیف صرف دو ہی ایسے شخص ہیں جو ضیائے برنی کی تقلید کے محتاج نہ تھے اور جنہوں نے ضیائے برنی کی تاریخ سے قطعاً کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا یہی دونوں اس سکے کے معاملے میں خاموش ہیں۔ بعد کے مورخین نے ضیائے برنی کے بیان کو روغن قاز مل مل کر نقل کرنا شروع کردیا۔ ابن بطوطہ تو ضیائے برنی کی کتاب کے لکھے جانے سے بہت دنوں پہلے ہندوستان سے رخصت ہوچکا تھا شمس سراج عفیف کی کتاب خود اس بات کی شاہد ہے کہ وہ ہر واقعہ کو اپنی ذمہ داری پر درج کرتا اور ضیائے برنی کی تاریخ سے قطعاً کوئی بات بھی کم کھا کے کو نقل نہیں کرتا کیونکہ اسکے زمانے میں سلطان محمد تغلق کا عہد حکومت دیکھنے والے لوگ بکثرت موجود تھے۔ بہر حال اس جدید سکے کی حیثیت اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جو اوپر مذکور ہوئی۔ ○

عباسی خلیفہ اور سلطان محمد تغلق

سنہ ۷۲۱ھ سے سنہ ۷۴۱ھ تک کا زمانہ یقیناً ہر طرح امن وامان اور اطمینان کا زمانہ تھا۔ سنہ ۷۴۱ھ کے آخر یا سنہ ۷۴۲ھ کے شروع میں سلطان نے اس خیال کی بنا پر کہ شریعت اسلام اس مکمل نظام کا نام ہے جسکے اوامر ونواہی معاد و معاش اور دین و دنیا دونوں پر حاوی ہیں اور اسی لیے خلفائے راشدین پیشوایان دین اور فرمانروایان دنیا دونوں حیثیتوں کے جامع تھے لہذا کوئی مسلمان پادشاہ جو خلیفہ اسلام کی مرکزیت سے وابستہ نہ ہو اور خلیفۂ اسلام نے اسکو سند حکومت عطا نہ کی ہو اسکی سلطنت اسلامی سلطنت نہیں کہلا سکتی خلیفہ عباسی کی خدمت میں ایلچی معہ درخواست روانہ کیا۔ ہمکو اس وقت اس مسئلہ میں الجھنے کی مطلق ضرورت نہیں کہ سلطان محمد تغلق کا اجتہاد اس زمانے اور اُن حالات میں شرعی نقطۂ نظر سے صحیح تھا یا غلط۔ مگر یقینی ہے کہ سلطان محمد تغلق نے عباسی خلیفہ سے جنکا قیام مصر میں تھا اسی طرح سند حکومت حاصل کرنی چاہی تھی اگرچہ مصر کی حکومت سلاطین مصر کے ہاتھ میں تھی لیکن تباہی بغداد کے بعد جب سے خلفائے عباسیہ کا سلسلہ مصر میں شروع ہوا تھا سلاطین مصر خلیفہ کی اجازت اور منظوری سے بعد تخت نشین کیے جاتے تھے۔ خلیفہ کی سیاسی اہمیت معمولی نہ تھی مصر ہی میں نہیں بلکہ تمام عالم اسلام میں ان کا اقتدار و اثر بہت کافی اور مسلم تھا ہندوستان میں بھی اب تک تمام مسلمان سلاطین اپنے آپ کو عباسی خلیفہ کا نائب کہتے اور سکوں پر اپنے نام کے ساتھ خلیفہ کا نام کندہ کرنا ضروری سمجھتے تھے یعنی کوئی سکہ بغیر خلیفہ کے نام کے جاری ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ یہاں تک کہ خسرو تمکات حرام کو بھی اپنے سکہ میں اپنے نام کے ساتھ خلیفہ کا نام کندہ کرانا پڑا تھا مگر سکوں اور خطبوں میں خلیفہ کے نام کو ضروری سمجھنے کے سوا اور کوئی تعلق خلیفہ سے نہ تھا یہی وجہ تھی کہ مستعصم باللہ عباسی خلیفہ کو بغداد میں شہید ہوئے کئی سال گذر چکے تھے اور ہندوستان میں انکے نام کے سکے مضروب ہو رہے تھے۔ سلطان محمد تغلق نے عملی اور حقیقی طور پر اپنے آپ کو خلیفہ کا فرمان پذیر بنانا چاہا۔ خلیفہ ابوالربیع مستکفی باللہ عباسی اور سلطان ملک الناصر جنہوں نے سنہ ۷۲۷ھ میں سفارت بھیجی تھی اور جو بڑے ذی ہوش اور ذی حوصلہ تھے دونوں فوت ہو چکے تھے سنہ ۷۳۱ھ میں جو سفارت آئی تھی اسکو کوئی غیر معمولی اہمیت نہیں دی گئی تھی لیکن اب سلطان نے خود اظہار عقیدت اور اقرار اطاعت کی درخواست خلیفہ کی خدمت میں بھیجی اور سند حکومت کی استدعا کی

سلطان کی یہ درخواست اور سفارت خلیفہ ابوالعباس حاکم بامر اللہ کی خدمت میں پہونچی خلیفہ نے چند روز اس سفارت کو مصر میں ٹھہرایا پھر اسکے ساتھ اپنے سفیر حاجی سعید حرمزی کو سلطان محمد تغلق کے لیے فرمان، علم اور خلعت دیکر روانہ کیا۔

خلیفہ کے سفیر کی آمد اور سلطان کا اظہار عقیدت

۷۴۴ھ میں حاجی سعید حرمزی ہندوستان آئے اور سلطان محمد تغلق نے اُن کا بڑا شاندار استقبال کیا جس کا اندازہ قصائد بدرچاچ سے بخوبی ہو سکتا ہے جو چھپے ہوئے ہر کتب فروش سے دستیاب ہو سکتے ہیں ضیاء برنی کے الفاظ یہ ہیں۔

"سران قوم حاجی سعید حرمزی آرندہ منشور و خلعت خلیفہ را استقبال کرد و شرائط تعظیم منشور و خلعت خلیفہ را بالغًا مابلغ و فوق الحد والوصف بجاے آوردہ و چند تیر پرتاب پیادہ پاے برہنہ پیش رفت و منشور و خلعت را بر سر نہادہ بر پاے سعید حرمزی بوسہ ہا زدہ و در شہر قبہ ہا بستند و بر منشور و خلعت نذر ریزہا کردند"

سلطان نے تمام خلفاے عباسیہ کے ناموں کو خطبے میں شامل کیا اور اپنے نام کے ساتھ تعظیمی الفاظ و القاب استعمال کرنے کی ممانعت کر کے صرف "سلطان محمد" لکھنا کافی قرار دیا۔ سلطان محمد کی تخت نشینی کے وقت جو سکہ مضروب ہوا تھا اُس کی عبارت جو دونوں طرف پوری ہوتی ہے یہ ہے۔

"ضُرب فی زمن العبد الراجی لرحمۃ اللہ محمد بن السلطان السعید الشہید تغلق شاہ غازی"

۷۲۷ھ میں سکوں پر یہ عبارت کندہ ہوئی۔

فی زمن السلطان العادل محمد بن تغلق شاہ دامت سلطنتہ

۷۲۹ھ میں سکہ کی عبارت یہ تھی۔

"المُلک والعظمۃ للہ عبدہ الراجی محمد تغلق"

۷۳۷ھ میں جبکہ قحط کی بلائے عظیم رفع ہو چکی تھی سکہ میں یہ الفاظ درج ہوئے

۷۴۲ھ میں اُسنے سکوں پر سے اپنا نام بالکل اُڑا دیا اور صرف خلیفہ کا نام اسطرح منقوش کرایا

خلیفۃ اللہ المستکفی باللہ

۷۴۳ھ میں حاجی سعید صرصری کے آنے سے پہلے خلیفہ کا نام سکوں پر اس طرح منقوش ہوا۔

الامام الاعظم خلیفۃ اللہ فی العالمین المتکفی باللہ امیر المومنین

حاجی سعید صرصری کے آنے کے بعد جو سکے مضروب ہوے اُنپر المستکفی للہ کی جگہ ابو العباس حاکم بامر اللہ کا نام درج ہوا۔ میرے پاس سلطان محمد تغلق کے عہد حکومت اور اس سے پہلے کے بھی سکے موجود ہیں سکوں کی مذکورہ بالا عبارتیں میں نے اصل سکوں سے نقل کی ہیں۔ سکوں کے الفاظ کی تبدیلیوں سے سلطان کے خیالات و جذبات کی تبدیلیوں کا بخوبی پتا چل رہا ہے۔ ۷۴۴ھ میں دولت آباد (دیوگیر) کی ٹکسال میں جب مذکورہ سکے سلطانی حکم کے موافق مضروب ہوے تو قتلغ خاں حاکم دولت آباد نے سکوں پر خلیفہ کے نام کا ہونا سخت ناپسند کیا اور سلطان کے نام کا سکے سے جدا ہونا۔ سلطان کا تخت سلطنت سے جدا ہونا قرار دیکر فاسد ارادوں کو دل میں راہ دی۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ قتلغ خاں شیعی خیالات کا آدمی تھا اسلیے عباسی خلیفہ سے اسکا متنفر ہونا اور سلطان محمد تغلق کی مذکورہ حرکت سے ناراض ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ سلطان نے اپنے آپ کو خلیفہ کا نائب قرار دیکر اپنی ہر ایک چیز کو خلیفہ کی طرف منسوب اور خلیفہ کی ملکیت قرار دیا۔ یہانتک کہ شاہی عمارتوں پر۔ علموں پر۔ اور ہر ایک قیمتی چیز پر خلیفہ کا نام کھدوایا جواہرات قیمتی ہدیے حاجی سعید صرصری کی معرفت خلیفہ کی خدمت میں بھیجا اسکے پھر خود ایک نہایت طویل عرضداشت بزبان عربی لکھکر حاجی رجب کے ہاتھ خلیفہ کی خدمت میں روانہ کی اور اسباب کی استدعا کی کہ مصر کے شیخ الاسلام کو ہندوستان بھیجا جاے۔ دو سال کے بعد ۷۴۶ھ میں حاجی رجب اور شیخ الشیوخ مصری خلیفہ کا فرمان اور خلعت لیکر آئے۔ اس مرتبہ پہلے سے بھی زیادہ شاندار استقبال کیا گیا اور سلطان نے تمام ارکان سلطنت۔ تمام سرداران لشکر اور ملوک و امرا کو خلیفہ کی

غائبانہ بیعت کی ترغیب دی۔ سلطان کے وزیر اعظم خواجہ جہان. ملک احمد ایاز ایران و ترکستان کے سفیروں اور بیگمات نے بھی بیعت کی۔ سب نے اپنے بیعت نامے پیش کیے اور سلطان نے ان بیعت والوں کو انعامات دیئے۔

"و فرماں داد تا ہر کہ از امرا و امیر تمنان مغلستان و خراسان در بندگی سلطان محمد می رسیدند و فرمان شد کہ منشور امیر المومنین بیعت کنند و مصحف و مشارق و منشور امیر المومنین پیش می نہادند و بیعت می کنانیدند و خطوط و عہود و مواثیق بنام امیر المومنین می ستدند و چندیں اقلیان و امیران ہزارہ و امیران صدہ و معارف مغل و خاتونان بزرگ ایشاں کہ بدرگاہ سلطان می رسیدند اول از ایشاں بیعت نامہ بنام امیر المومنین می ستدند" (ضیائے برنی)

سوائے ایک قتلغ خاں حاکم دولت آباد کے تمام ملوک و امرا نے بیعت نامے داخل کیے اور سلطان نے وہ تمام بیعت نامے معہ تحف و ہدایا شیخ الشیوخ مصری کے ہاتھ خلیفہ کی خدمت میں بھیج دیے۔ اسکے بعد دو مرتبہ اور جبکہ سلطان اپنے آخری ایام حکومت میں گجرات کی جانب بغاوتوں کو فرو کرنے میں مصروف تھا خلیفہ کے پاس سے ایلچی آئے اور ہر مرتبہ انکی ایسی ہی تعظیم و تکریم کی گئی۔

"و در یں کرت نیز بعد چندگاہ شیخ الشیوخ مصری را و آنانکہ برابر ایشاں آمدہ بودند انعامات و اکرامات وافر داد و با صد ہزار نوازش باز گردانید و چندیں مال و جواہر برسم خدمتے بدست ایشاں در بندگی خلیفہ از شہر دوالہ و کنبہاست در مصر روان کرد و دو کرت دیگر کہ منشور امیر المومنین در بہروچ و کنبہاست رسید در ہر کرتے سلطان محمد چنداں تعظیم کرد و افراطہا نمود" (ضیائے برنی)

استیصال بدعات اور قتلغ خاں کی مخالفت

قحط کی مصیبتوں سے فارغ ہونے کے بعد

جب سلطان کو ملک کی بہبودی اور زراعت کی ترقی کے کاموں میں مصروف ہونے کا پر اطمینان موقع ملا تو ساتھ ہی وہ مسلمانوں کو مراسم پرستی سے بچانے اور دین اسلام پر صحیح معنی میں عامل بنانے سے غافل نہیں رہا۔ جیسا کہ اوپر مفصل ذکر آچکا ہے مراسم پرست طبقہ اور تنگ نظر مولوی پہلے ہی اس سے کبیدہ خاطر

اور رنجیدہ تھے۔ اب انھوں نے سلطان کی توجہ کو خصوصیت سے اس طرف مائل دیکھکر
مخالفتوں اور ریشہ دوانیوں میں ہمت صرف کرنا شروع کی۔ اگرچہ تاریخوں میں اسکی
تفصیل موجود نہیں ہے لیکن اس بات کو تسلیم کرلینا زیادہ دشوار نہیں ہے کہ سلطان
کے آخر عہد حکومت میں جسقدر بغاوتیں اور فتنے نمودار ہوئے ان سب میں ان تنگ
نظر مذہبی لوگوں کی مخالفتوں کو ضرور دخل تھا اور باغیوں کی ہمت افزائی در پردہ
ان لوگوں نے ضرور کی تھی۔ قتلغ خاں اگرچہ بظاہر خیر خواہ سمجھا جاتا تھا لیکن مذہبی
خیالات اور پابندی مراسم کے معاملے میں وہ سلطان کا ہمخیال نہ تھا قتلغ خاں کو شیعی
یا تفضیلی ہونے کی وجہ سے اگرچہ مراسم پرست اور بدعتی سنیوں سے بھی کوئی خصوصی
ہمدردی نہ تھی لیکن خلیفہ عباسی کی سفارت کے آگے اور سکہ پر صرف خلیفہ ہی کا نام باقی
رہنے سے قتلغ خاں کی نفرت سلطان کے ساتھ عداوت سے تبدیل ہوگئی اور اُسنے پوری
سرگرمی سے مذکورہ مراسم پرست بدعتی گروہ کی حمایت و سرپرستی شروع کردی۔ وہ
سلطان کے نافذ کردہ ان احکام کو جنکا تعلق دینی اصلاح تھا پہلے ہی قابل عمل نہ جانتا
تھا۔ سلطان استاد ہونے کی وجہ سے چونکہ ابتک اسکا ادب کرتا تھا لہذا اپنے احکام
کی تعمیل میں اس کو زیادہ مجبور نہیں کرسکا یہی سلطان محمد تغلق کی سب سے بڑی حماقت
اور سب سے بڑی کمزوری تھی۔ قتلغ خاں کا خلیفہ عباسی کی بعیت نہ کرنا اگرچہ سلطان
کو سخت ناگوار تھا لیکن اسنے اغماض نظر ہی سے کام لینا مناسب سمجھا۔ ظاہر ہے کہ
کوتاہ فہم مراسم پرست اور بدعتی لوگوں کو قتلغ خاں کے پاس دولت آباد میں زیادہ
امن مل سکتی تھی اور یہی خاص وجہ ہے کہ دکن کے عالموں اور مسلمان اہلکاروں
کی وفاداری سلطان محمد تغلق کے ساتھ بہت کمزور ثابت ہوئی جیسا کہ آئندہ ذکر آتا
ہے۔ سلطان نے اس تنگ نظر بدعتی طبقہ کو اول اول سختی اور درشتی سے خاموش
کرنا چاہا اور جنکی شرارتوں کو حد سے متجاوز اور ناقابل اصلاح دیکھا انھیں قتل بھی کیا
لیکن جب اسکو ان لوگوں کی کثرت اور زبردست طاقت کا صحیح اندازہ ہوگیا تو
اسنے ایک نہایت نفیس اور عاقلانہ تدبیر سوچی وہ تدبیر یہ ہے کہ اسنے خلیفہ عباسی
سے جسکو تمام مسلمان خلیفہ برحق یقین کرتے تھے خصوصی تعلق پیدا کیا جسکا ابھی
اوپر ذکر ہوچکا ہے۔ سلطان نے اپنے آپ کو نائب خلیفہ بناکر اور شیخ الشیوخ مصر کو

ہندوستان بلا کر اپنے عقاید و اعمال و احکام و انتظام کی ان سے تصدیق و تحسین کرائی اور اس نیم ملا گروہ کی زبانیں بند کیں۔ ان لوگوں کا عوام پر زیادہ اثر تھا اور عوام جنکو کالانعام کہا جاتا ہے۔ کسی ایسی ہی دلیل کو مان سکتے تھے جیسی کہ خلیفہ عباسی کے ایلچیوں اور فرستادوں کے آنے سے انکے سامنے پیش ہوئی۔ جو لوگ سلطان محمد تغلق کی مجبوریوں اور دقتوں کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے انھوں نے اسکی حماقتوں کی فہرست میں ایک یہ حماقت بھی شامل کر دی ہے کہ اسنے حاجی سعید حرمزی اور شیخ الشیوخ مصری کے سامنے اپنے آپ کو بیحد ذلیل کیا اور انکی حد سے زیادہ تعظیم و توقیر کی مگر جو لوگ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ۔

"THE WORLD IS THICKLY POPULATED WITH FOOLS."

وہ خوب جانتے ہیں کہ اس احمقوں کی دنیا میں عاقلوں کو مجبوراً کیسی کیسی حماقتوں کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے۔

محمد تغلق کے خلاف سازشیں اور مسلسل بغاوتیں

جس زمانے میں مصر سے حاجی سعید حرمزی خلیفہ کا فرمان۔ علم اور خلعت لیکر دہلی آئے اور اندرونی مخالفوں کی زبانیں بند ہوئیں تو عناد و عداوت کا مادہ دوسری طرف کو پھوٹ نکلا یعنی ان لوگوں نے سلطان کے خلاف خطرناک سیاسی سازشیں شروع کیں۔ پروفیسر گارڈنر براؤن اپنے مضمون میں لکھتے ہیں کہ سلطان کو قتل کر کے اسکے چچازاد بھائی فیروز تغلق کو تخت نشین کرنے کی سازش بھی عمل میں آ چکی تھی۔ ضیاء الدین برنی اس سازش کا کوئی نمایاں اور صاف پتا نہیں دیتا صرف اسقدر کہتا ہے کہ۔

و سلطان محمد در ان چند سال کہ در دہلی ساکن بود بیحد و بی مبالغہ در کار سیاست بود و بدان سبب دیار ہاے مضبوط گشتہ از دست رفتہ و آنچہ مضبوط ماندہ در ان تخلخل و تشتت افتادہ و اخبار بغاۃ و شطط ایشان بسمع سلطان میرسید و در شہر سیاست بر مزید می گشت و از بہر ہر کلمہ کہ براست و دروغ و لفنا و غنا از شخصی روایت میکردند آنکس بسیاست می پیوست .... و چند معتبر سلطان در تتبع و تفحص

اہل سیاست مشغول می بودند و خلق را می کشانیدند و ہر چند کہ سیاست در شہر بیشتر می شد خلق اطراف متنفر تر می گشت و فتنہا و بغی با بیشتر می زاد و در ملک نقص و نقصان بیشتر بار می آورد و ہر کرا سیاست می کردند او را شریر نام می نہادند۔"

چونکہ ہم اسبابت سے واقف ہو چکے ہیں کہ ضیائے برنی کے خیالات سلطان محمد تغلق کی نسبت کس قسم کے تھے لہذا ہمکو اسکے مذکورہ ادائے بیان سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے بلکہ اسبابت پر غور کرنا چاہیے کہ دہلی میں باغیانہ خیالات پھیلانے اور بغاوت کی سازشیں کرنے والوں کی ایک جماعت ضرور موجود تھی جنکو شریروں کا خطاب دیا گیا تھا۔ ان شریروں اور باغیوں کا دور دراز کے صوبہ داروں سے بھی ضرور کوئی تعلق تھا اور جب اُن کو دہلی میں سزا دی جاتی تھی تو صوبوں کے حامل شکر نا راض ہوتے تھے۔ ضیائے برنی کے ان الفاظ میں "می کشانیدند" مصدر کشودن سے مشتق اور بمعنی "می رہانیدند" یا "آزاد کنانیدند" استعمال ہوا ہے جس سے ثابت ہے کہ ان شریروں کی شرارتوں اور بغاوتوں کا حال معلوم ہونے پر جب انکو سزا دی جاتی تھی تو چند لوگ ایسے بھی تھے جو ان باغیوں کو سزا سے بچانے اور آزادی دلانے کی کوشش کرتے تھے یہ لوگ ضرور با اثر اور بڑے بڑے شاہی اہلکار اور شریروں کے ہمدرد ہوں گے۔ ان کو ضیائے برنی "معتبر مسلمان" کا خطاب دیتا ہے۔ ضیائے برنی نے ان شریروں کی شرارتوں یا ان پر عاید کیے ہوئے الزاموں کا مطلق پتا نہیں دیا۔ وہ ان کو سزا دینے کی شکایت تو کرتا اور اس سزا دہی کے برے نتائج بھی بتاتا ہے لیکن یہ نہیں بتاتا کہ انکو کس جرم میں ماخوذ کر کے سزا دی جاتی تھی اور ان پر کونسا جھوٹا الزام لگایا جاتا تھا۔ ضیائے برنی کی اسی مشکوک طرز عمل سے شبہ گذرتا ہے کہ اُن چند معتبر مسلمانوں میں ممکن ہے کہ فیروز تغلق بھی ہو۔ ایک سب سے بڑا قرینہ یہ بھی موجود ہے کہ سلطان محمد تغلق نے جب خواجہ نصیر الدین رحمہ اودھی المعروف بہ چراغ دہلی کو اپنی مصاحبت کے لیے مخصوص کیا تو انھوں نے سلطان کے پاس جانے سے انکار کیا اس انکار کے لیے چونکہ وہ کوئی دلیل شرعی پیش نہیں کر سکے لہذا سلطان نے اصرار کیا۔ سلطان کا وزیر اعظم خواجہ احمد ایاز بھی حضرت نظام اولیاء سے اسی طرح خرقۂ خلافت حاصل کیے ہوئے تھا جس طرح کہ خواجہ نصیر الدین رحمہ کو خرقۂ خلافت حاصل ہوا تھا۔ نیز سلطان کے دربار میں شیخ الاسلام حضرت مولانا رکن الدین ملتانی رحمہ۔ مولانا علم الدین رحمہ

ملک سعدالدین وغیرہ بہت سے ایسے لوگ موجود تھے جو حضرت نظام اولیا رحمہ کے مخصوص دوستوں اور مریدوں میں سے تھے اور خواجہ نصیرالدین رحمہ سے مرتبہ میں کم نہیں سمجھے جاتے تھے۔ آخر خواجہ نصیرالدین رحمہ نے اپنے انکار کو مناسب نہ سمجھکر سلطان کی خدمت میں جانا قبول کر لیا۔ چنانچہ ٹھٹھ کے سفر میں جبکہ سلطان محمد تغلق کا انتقال ہوا وہ سلطان کے ہمراہ موجود تھے۔ سلطان محمد تغلق کے مخالفوں نے خواجہ نصیرالدین رحمہ چراغ دہلی کا سلطان کے پاس جانا انکی توہین قرار دیکر حضرت نظام المشائخ رحمہ کے اکثر معتقدین کو سلطان کے خلاف بھڑکا دیا اور اس طرح صوفیوں کے بڑے طبقے نے تنگ دل اور تنگ نظر مولویوں سے شریک ہو کر سلطان کی مخالفت میں سازشی جماعت کو بیحد طاقتور بنا دیا۔ اس صوفی طبقہ کی فیروز تغلق نے تخت نشین ہو کر جو حد سے زیادہ مدارات کی ہے اور تنگ خیال اور بدعتی مولویوں کو جو حد سے زیادہ آزادیاں عطا فرمائی ہیں وہ فیروز تغلق کے شریک سازش ہونے کی دلیل ضرور بن سکتی ہے۔ اس قوی قرینے کے علاوہ ملا عبدالقادر بدایونی کا بیان صاف اور غیر مشکوک الفاظ میں اس سازش کے وجود پر مہر تصدیق ثبت کر دیتا ہے۔

بہرحال دارالسلطنت دہلی کے معزول شدہ فتنے گراورانکے قدامت پسند و مراسم پرست معتقدین کا گروہ بیکار نہیں بیٹھا اور اب اسکی کوششوں نے بڑی خطرناک صورت اختیار کر لی۔ سلطان محمد تغلق ان باتوں سے بے خبر نہ تھا اسنے ان لوگوں کو جنپر جرم بغاوت ثابت ہوا سزائیں دیں اور ضیاء برنی نے خوب دل کھول کر ماتم کیا اور اسکے گریۂ ماتم نے لوگوں کو محمد تغلق کے ظالم بلکہ اظلم ہونے کا یقین دلایا۔ ان سازشوں اور سازشی لوگوں کے لیے دکن اور گجرات کے صوبوں کی آب و ہوا زیادہ موافق تھی سلطان کو بھی اب دولت آباد اور گجرات ہی کا زیادہ خیال تھا اسنے ۷۴۲ھ میں قوام الملک نو مسلم کو جو ملتان کی صوبہ داری کے بعد اب بدایوں کا حاکم تھا خانجہاں کا خطاب دیکر گجرات کی صوبہ داری پر مامور کیا۔ دولت آباد میں قتلغ خاں کا طرز عمل ان باغیانہ سازشوں کے لیے نشو و نمائی کا موجب ثابت ہو رہا تھا۔ سلطان کو قتلغ خاں کی بہت ہی رعایت مد نظر تھی جیسا کہ ضیاء برنی بھی لکھتا ہے کہ۔

شرائط تعظیم قتلغ خاں کہ پیش او در عنفوان صبا چیزے خوانده بود چناں محافظت

نمودے و مبالغت کردے کہ ہیچ شاگردے را از ہیچ استاد میسر نشود۔"

اب جبکہ معاملہ حد سے تجاوز کرنے لگا تو سلطان نے مجبور ہو کر ۷۴۷ھ میں قتلغ خاں کو دولت آباد سے معزول کر کے دہلی بلا لیا اور قتلغ خاں کے ماتحت جو کئی چھوٹے چھوٹے صوبہ دار مقرر تھے انکو بھی معزول کر کے دوسرے معتمد سرداروں کو انکی جگہ بھیجدیا۔ مذکورہ حالات میں یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی کہ سلطان محمد تغلق کو نومسلم سردار وغیرہ جو اس سازشی جماعت میں زیادہ رسوخ نہ رکھنے کی وجہ سے شامل نہ ہو سکے تھے زیادہ اعتماد تھا۔ بعض خاندانی مسلمان سردار بھی محمد تغلق کے ہمخیال اور معتمد تھے۔ ضیائے برنی ہر ایک نومسلم اور سلطان کے ہر ایک ہمخیال وفادار سردار کو برا کہتا اور حقارت آمیز الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ قوام الملک خانجہان کی نسبت کہتا ہے کہ

"مطرب بچۂ بد اصل را چناں برکشید کہ درجۂ او از درجات ملیاران از ملوک بگذشت و گجرات و ملتان و بدایوں بدو داد"

اسی طرح تمام ان سرداروں کو جو قتلغ خاں کے مقرر کردہ صوبہ داروں کی جگہ مقرر ہوئے تھے بڑے جوش و طیش کے ساتھ گالیاں دیتا ہے۔ قتلغ خاں کا دولت آباد سے جدا ہونا اور وہاں نئے سرداروں کا مقرر ہونا بلاشبہ ضروری تھا لیکن یہ کام بہت دیر کے بعد ہوا حالانکہ اس تبدیلی کی بہت پہلے ضرورت تھی۔ سلطان نے قتلغ خاں کی استادی کے ادب کو ملحوظ رکھکر اسقدر زیادہ عرصہ تک تامل کیا کہ شرارت پیشہ لوگوں کی شرارت کا زہر بہت کچھ اثر کر چکا تھا۔ آیندہ پیش آنیوالے واقعات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس سازشی گروہ نے ہندو راجاؤں سے بھی جو جابجا ملک کے قطعات پر قابض و حکمراں تھے سازباز کر لیا تھا اور ہندو اس باغیانہ سازش کو کامیاب بنانے اور اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے بخوشی آمادہ ہو چکے تھے۔

نومسلموں کی عزت افزائی | اسلام چونکہ قوموں اور قبیلوں کے امتیاز کو تسلیم کرتے ہوئے بھی کسی کی ذاتی عزت و ذلت پر اثر انداز نہیں ہونے دیتا اور صرف تقوےٰ کے یعنی اعمال صالحہ ہی کو موجب عزت قرار دیتا اور ترقی کی راہیں ہر قوم اور ہر قبیلہ کے لیے کھلی ہوئی چھوڑتا ہے لہذا مسلمانوں نے کبھی کسی قوم اور قبیلے کے لیے ترقی کے راستے بند نہیں کیے چنانچہ سلطان محمود غزنوی نے ایک ہندو حجام کو راجہ کا خطاب دیکر

سپہ سالاری کا عہدہ عطا کیا جیسا کہ پہلی جلد میں ذکر آچکا ہے۔ سلطان محمد تغلق نے بھی تلنگانہ کے راجہ رودر دیو کے ایک ہندو نوکر کو جو اپنی خوشی سے مسلمان ہو گیا تھا اول قوام الملک کا خطاب دیکر ملتان پھر بدایوں کا گورنر بنایا اور آخر میں خانجہاں کا خطاب دیکر صوبۂ گجرات کا نائب السلطنت مقرر کیا۔ عہد غلامان اور عہد خلجیہ میں ہندوؤں کی قوم کلال کے بعض افراد مسلمان ہو چکے تھے۔ ہندوؤں کی اس قوم کا مخصوص پیشہ چونکہ شراب فروشی تھا لہٰذا اُن کے اسلام قبول کر لینے کے بعد بھی عام مسلمان ان نومسلم کلالوں کو محض اسلئے حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ ان کا آبائی پیشہ شراب فروشی تھا لیکن سلطان محمد تغلق جو جو قرآن و حدیث کا ایک متبحر عالم تھا کسی نومسلم کلال کو اسکی ذاتی قابلیتوں کے نتائج سے مایوس اور ترقیات سے محروم نہیں رکھ سکتا تھا۔ چنانچہ اسنے عزیز الدین نامی نومسلم کلال کو اسکی ذاتی قابلیتوں کے نتائج سے مایوس اور ترقیات سے محروم نہیں رکھا تھا چنانچہ اسنے عزیز الدین نامی نومسلم کلال کو اسکی دینی و دنیوی قابلیتوں کا اندازہ کر کے عزیز الملک کا خطاب دیا اور قتلغ خاں کو دولت آباد سے معزول کر دینے کے بعد مجد الملک تھانیسری کو اسکی جگہ دولت آباد کا وائسرائے مقرر کر کے اسکے ماتحت صوبوں میں زین الدین المخاطب بہ مخلص الملک۔ یوسف بغرا خوریگی عزیز الدین المخاطب بہ عزیز الملک اور عماد الملک وغیرہ کو مامور کیا۔ مخلص الملک اور یوسف بغرا تو مرہٹے کے صوبوں میں مقرر ہوئے اور عزیز الملک کو دھار کی حکومت سپرد کی۔ ان تمام صوبوں میں جہاں قتلغ خاں کی وجہ سے باغیانہ خیالات خوب نشو ونما پا چکے تھے ان جدید صوبہ داروں کا مقرر کرنا اور پرانے صوبہ داروں کا یکلخت وہاں سے جدا کرنا اگرچہ نہایت ضروری بھی تھا مگر خطرہ سے خالی بھی نہ تھا۔ سلطان نے قتلغ خاں کی استادی کے مرتبہ کو اپنی جبلی شرافت کی وجہ سے ملحوظ رکھ کر اسے دولت آباد کی نیابت پر مسلسل سترہ سال تک مامور رکھا اور یہی سب سے بڑی غلطی تھی جو محمد تغلق سے ظہور میں آئی۔ عین الملک کی بغاوت معرض ظہور میں نہ آتی اور سنہ ۷۴۳ھ میں قتلغ خاں دولت آباد سے تبدیل ہو جاتا تو دکن اور گجرات میں وہ فتنے جنہوں نے سلطان محمد تغلق کو اسکے آخر ایام حیات میں پریشان کیا ہرگز برپا نہ ہوتے سلطان کے اصلاحی احکام اور علمی و دماغی نشو ونمائی کی کوششوں کا کوئی اثر قتلغ خاں کے ماتحت علاقے میں ظاہر نہ ہوا۔ مخالفوں کی کوششوں کو سرسبز ہونے کا وہاں

بخوبی موقع ملتا رہا اور سلطان سے نفرت پیدا کرنیوالے خیالات لوگوں میں خوب شایع ہوتے رہے۔ اب جبکہ سنہ ۷۴۵ھ میں قتلغ خاں اور اسکے ماتحت صوبہ دار وہاں سے معزول کیے گئے تو امیران صدہ میں جنکو موجودہ زمانے کے تحصیلداروں یا تھانیداروں کا ہم رتبہ اہلکار سمجھنا چاہیے بڑی ہل چل پیدا ہوئی اور مالوہ و مرہٹ سے لیکر گجرات تک کے صوبہ داروں کا یکلخت اور یکایک معزول ہو جانا ان صوبوں کے امیران صدہ کی انتہائی تشویش کا موجب ہوا۔ کیونکہ وہ ان معزول ہونے والے گورنروں کے سازباز میں شریک اور نئے آنے والے گورنروں سے نامانوس بلکہ متنفر تھے۔ ان مقرر ہونیوالے صوبہ داروں میں چونکہ عزیز الملک (نو مسلم کلال) بھی تھا اور گجرات کی نیابت پر قوام الملک کو پہلے بھیجا گیا تھا لہٰذا نہ صرف دہلی بلکہ دہلی کے ذریعہ تمام ملک میں اس مخالف جماعت نے جسکی سرپرستی قتلغ خاں اختیار کر چکا تھا اس بات کو شہرت دی کہ سلطان نے سفلہ پرستی پر کمر باندھی اور ایک کلال کو دھار کی گورنری عطا کی ہے۔ سلطان کو جس طرح اور باتوں کی اصلاح کا خیال تھا اسی طرح وہ اس قومی امتیاز کی ضرورت سے زیادہ اہمیت دینے کو بھی مراسم پرستی ہی کا ایک جزو سمجھتا تھا جسکا وہ جانی دشمن تھا۔ ضیاء برنی عزیز الملک کے مامور ہونے کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے کہ۔

در آخر آں سال کہ قتلغ خاں را از دیوگیر در دہلی آوردند سلطان محمد عزیز خمار (کلال) کم اصل را ولایت دھار داد و تمامی مالوہ بدو تفویض کرد وچند لک تنکہ از جہت آنکہ او با قوت و شوکت شود در حق او مرحمت شد و در وقت روان شدن آں بدبخت بے سعادت در پرداخت مصالح آں ولایت کہ بس طویل و عریض است سلطان او را ہر چیزے بدو راہ میکرد و می فرمود و در آں معرض از زبان سلطان بیروں آمد کہ اے عزیز می بینی کہ ہر طرفے چہ گونہ بلغاک پیدا می آید و فتنہ ہا می زاید و من می شنوم کہ ہر کہ بلغاک می کند از قوت امیر صدگان می کند و امیر صدگان از برائے غضب و غارت یار او می شوند آنگاہ بلغاکی را بلغاک کردن میسر می گردد و تو دانی و امیر صدگان دھار ہر کرا بیابی ایشان شریر و فتنہ انگیز بینی چنانچہ دانی و توانی دفع کنی تا چنانچہ در کار راستے آں عرصہ براہ شدہ بفراغ دل آں را بپرداخت توانی رسانید" و آں خاکسار رنجہ از دہلی بتشییت تمام

روان شد و بار زالے چند کہ برو در آمدہ بودند و مقرب و کار دار او شدہ بودند در دہار رفت و با جہالے اشرار او در زادہ در پرداخت مصالح دہار مشغول شد وروزے آں بدا صل زانیہ زادہ را در خاطر افتاد و بقیاس ہشتاد و اند نفر امیران صدہ و معارف حشم دہار را بگیرانید۔“

سلطان نے عزیز سے مخاطب ہو کر جو الفاظ کہے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ صوبہ دار اور قتلغ خاں محض اسی لیے معزول کیے گئے تھے کہ انھوں نے بغاوت کی تیاریاں مکمل کرلی تھیں اور امیران صدہ کو بغاوت پر آمادہ کر چکے تھے۔ قتلغ خاں کے معزول ہو کر دہلی آنے کے بعد سلطان نے جو انتظام مذکورہ صوبوں کا کیا تھا اس انتظام کو ناکام رکھنے کے لیے ایک طرف تو خود ان صوبوں کے امیران صدہ تھے جنکے قبضے اور اثر میں فوج اور رعایا دونوں تھیں دوسری طرف وہ مخالف جماعت تھی جو دہلی اور اور ملک کے دوسرے شہروں میں پھیلی ہوئی تھی جسمیں مذہبی طبقہ کے تنگ نظر لوگ شامل تھے۔ اگرچہ سلطان کے بروقت خبردار ہو جانے سے بغاوت کا برپا ہونیوالا طوفان قلیل عرصہ کے لیے رُک گیا لیکن یہ فاسد مادہ ہمیشہ کے لیے دبا نہیں رہ سکتا تھا۔ نہ آسانی سے تحلیل ہو سکتا تھا جس طرح بعض پھوڑوں میں شگاف دینے کے لیے مجبور ہو جانا ہے سلطان بھی اسیطرح عزیز الملک سے مذکورہ الفاظ کہنے کے لیے مجبور ہو گیا تھا۔

عزیز الملک کی بے احتیاطی عزیز الملک جسکو ضیاءِ برنی ہر جگہ عزیز خمار یا عزیز کلال لکھتا ہے جب دہار پہونچا تو اسنے وہاں کے امیران صدہ کو بیحد سرکش اور نافرمان پایا۔ چونکہ اسکو رعب سلطنت قایم رکھنے اور سیاست و شوکت سے کام لینے کی اجازت اور ہدایت تھی لہذا اسنے بلا تامل امیران صدہ کی ایک بڑی اور سرکش جماعت کو کسی بہانے سے ایک جگہ بلا کر تہ تیغ کر دیا۔ یہ خبر ملک میں مشہور ہوئی۔ مخالف سازشی جماعت نے ساتھ ہی اس بات کو بھی شہرت دیدی کہ گجرات، دولت آباد، و مرہٹ وغیرہ کے امیران صدہ کو بھی چن چن کر اسیطرح ہلاک کیا جائیگا اور کوئی بھی اپنی جان نہ بچا سکے گا اگرچہ مذکورہ صوبوں کے امیران صدہ خطاوار ضرور تھے اور بغاوت پر آمادہ ہو چکے تھے لیکن سلطان ہرگز یہ نہیں چاہتا تھا کہ سبھی کو ہلاک کیا جائے بلکہ اسکی خواہش یہ تھی کہ جو راہ راست پر آکر خیالات فاسدہ سے باز رہے اسے کچھ نہ کہا جائے۔ عزیز خمار کی ناتجربہ کاری

میں کوئی شک نہیں۔ امیران صدہ کی ایک بڑی جماعت کو جانتے ہی بیک وقت قتل کرنا احتیاط کے خلاف تھا لیکن اب جبکہ اس سے ایک فعل سرزد ہو چکا تھا۔ اسکو ملامت کرنا بھی قرین مصلحت نہ تھا۔ سلطان کی اس غلطی کو بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اسنے ایک ناتجربہ کار شخص کو جس سے ابتک کوئی بڑا کانامہ ظہور میں نہیں آیا تھا اتنا بڑا عہدہ سپرد کیا۔ سلطان بھی اپنی اس غلطی کو محسوس کر چکا تھا کیونکہ گجرات کے بعض امیران صدہ نے جب دھار کے امیران صدہ کی ہلاکت کا حال سنا اور علم بغاوت بلند کر کے شاہی خزانے کو جو دہلی کی جانب آرہا تھا لوٹ لیا اور اس خبر کو سنکر عزیز خمار دھار سے گجرات کے امیران صدہ کی سرکوبی کیلیے روانہ ہوا تو سلطان نے ناپسند کیا اور کہا کہ عزیز ناتجربہ کار ہے اسے گجرات کی طرف نہیں جانا چاہیے تھا۔ سلطان نے عزیز خمار کی ناتجربہ کاری اور بے احتیاطی کا اندازہ کر کے اس خوف سے کہ گجرات کے والیسرائے خانجہان سے بھی جو عزیز کی طرح نومسلم ہے کوئی ایسی ہی کارروائی سرزد نہ ہو اس کو اپنے پاس دہلی طلب کیا اور اسکی جگہ شیخ معزالدین پسر شیخ علاءالدین اجودھنی کے بھیجنے کا ارادہ کیا۔

دھار کے اس واقعہ نے ماؤنٹ علاقے کے تمام باغیوں کو جو ابھی تک خفیہ تیاریوں میں مصروف تھے بے پردہ ہو کر میدان میں نکل آنے کا موقع دیدیا۔

سفر گجرات گجرات سے خانجہان خزانہ اور گھوڑے لیکر دہلی کو آتا تھا۔ اسکے ساتھ گجرات کے بہت سے سوداگر بھی اپنا قیمتی مال لیے ہوئے دہلی کو آرہے تھے

دبھوئی اور بروده کے امیران صده نے بغاوت کرکے چھاپہ مارا۔ سوداگروں کا تمام مال اور شاہی خزانہ لوٹ لیا۔ خان جہان نے بمشکل اپنی جان بچاکر نہروالہ میں پناہ لی ان باغی امیران صده نے اس لوٹ کے مال سے اپنے آپ کو خوب طاقتور بناکر کنبھات وغیرہ پر قبضہ کیا اور تمام ملک گجرات میں شورش و بدامنی پھیلادی۔ یہ خبر ماہ رمضان ۷۴۸ھ سلطان کے پاس دہلی پہونچی۔ سلطان نے شیخ معزالدین کو ایک ہزار سوار دیکر فوراً گجرات کی جانب روانہ کردیا اور دوسرے روز خود بھی یہ سمجھ کر کہ بغیر میرے جائے سرکشی کا سدباب نہ ہوگا معہ فوج گجرات کی جانب روانہ ہوگیا۔ ۱۶ رمضان ۷۴۸ھ کو جبکہ سلطان دہلی سے صرف پندرہ کوس کے فاصلے پر پہونچا تھا عزیز الملک صوبہ دار دہار کا عریضہ پہونچا کہ گجرات کے امیران صده نے بغاوت و سرکشی کا اظہار کیا ہے۔ میں چونکہ نسبتاً گجرات کے قریب ہوں لہذا گجرات کے امیران صده کو سزا دینے کے لیے بلا تامل روانہ ہو رہا ہوں سلطان نے عزیز الملک کا عریضہ پڑھ کر فرمایا کہ۔

"عزیز طریقۂ حرب نداند عجب نباشد کہ از دست آن باغیان تلف شود"

یہ بات بھی قابل تذکرہ ہے کہ جب سلطان دہلی سے روانہ ہونے لگا تو قتلغ خاں نے ضیائے برنی کے ذریعہ سلطان کے پاس پیغام بھیجا کہ گجرات کے سرکشوں کو سزا دینے کے لیے سلطان کے تکلیف فرمانے کی ضرورت نہیں مجھے حکم دیا جائے کہ میں وہاں جاکر سب کو گرفتار کرکے لے آؤں۔ ضیائے برنی کہتا ہے کہ اس پیغام کو سنکر سلطان نے کوئی جواب نہیں دیا اور خود فوج لیکر روانہ ہوگیا اور خواجہ جہان ملک احمد ایاز وزیر اعظم اور اپنے چچا زاد بھائی فیروز تغلق کو دہلی میں چھوڑ گیا۔ سلطان کا قتلغ خاں کے پیغام کو سنکر خاموش رہنا اور کوئی جواب نہ دینا صاف اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ وہ قتلغ خاں سے سخت ناراض تھا مگر چونکہ قتلغ خاں استاد رہ چکا تھا اسلیے اسکو معزول کرنے کے سوا اور کوئی سزا نہ دے سکا اور اسکی پیدا کی ہوئی مصیبتوں کو دور کرنے کے لیے خود دہلی سے روانہ ہوا قتلغ خاں کو اب دہلی کے افسردہ خاطر مولویوں اور صوفیوں یعنی مراسم پرستوں کے سر جوڑکر خود انکی رہنمائی اور سربراہی کا آزاد موقع مل گیا۔ عزیز کلال دہار سے گجرات پہونچا اور وہاں باغیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ سلطان نہروالہ میں پہونچا جہاں خان جہان سلطان کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ سلطان نے شیخ معزالدین کو باغیوں کی گرفتاری اور

سزا دہی کے لیے کنبھات کی جانب روانہ کیا۔ خود بھروچ جاکر وہاں کے امیران صدہ کا لشکر فراہم کرکے خان جہان کے سپرد کیا اور حکم دیا کہ دولت آباد اور گجرات کی سرحد پر پہونچکر گجرات کے باغیوں کو دولت آباد کے علاقے میں داخل ہونے سے روکو۔ باغیوں نے جو عزیز الملک کو قتل کرکے بہت دلیر ہوگئے تھے مقابلہ کیا مگر شیخ معزالدین نے سب کو شکست دی۔ بعض گرفتار ہوکر قتل ہوئے۔ بہت سے فرار ہوکر حسب توقع دولت آباد کی جانب بھاگے۔ دریائے نربدا کے کنارے خان جہان نے ان مفروروں کو روکا کچھ تو گرفتار ہوسکے کچھ دیوگیر (دولت آباد) کے علاقے میں پہونچکر وہاں کے امیران صدہ سے جاکر ملجانے میں کامیاب ہوگئے۔

دیوگیر (دولت آباد) کی بغاوت گجرات کے ان باغیوں نے دولت آباد پہونچکر وہاں کے امیران صدہ کو جو پہلے ہی سے بغاوت پر آمادہ تھے اور زیادہ تیز کردیا گجرات میں تو سلطان نے امن وامان قایم کردیا لیکن اب دولت آباد کی حالت خطرناک ہوگئی اور باغیوں نے دولت آباد کے گورنر مجد الملک کو قتل کردیا۔ سلطان نے بھروچ کے عامل امیر حسین المخاطب بہ نظام الملک کو جو امیر حسن المخاطب بہ قتلغ خاں مذکور کا بھائی تھا دیوگیر بھیجا نظام الملک سے بھی وہاں کچھ نہ ہوسکا۔ نظام الملک چونکہ قتلغ خاں کا بھائی تھا اس لیے باغیوں نے اسکے ساتھ بہت رعایت کا معاملہ کیا یعنی اس کو گرفتار کرکے نظر بند تو کیا مگر جان سے نہ مارا۔ باقی ان تمام سرداروں کو جو سلطان نے اس علاقے میں جدید انتظام کے ماتحت مقرر کیے تھے اور جو سلطان کے وفادار تھے چن چن کر قتل کیا اور امیران صدہ میں سے ایک امیر مسمی اسمعیل خاں کو اپنا سرگروہ یا بادشاہ بناکر دولت آباد کے متعلقہ تمام علاقے کو آپس میں تقسیم کرلیا۔ یہ خبر سنکر سلطان بھروچ سے معہ لشکر دولت آباد کی جانب روانہ ہوا۔ باغیوں نے جو خوب طاقتور ہوچکے تھے جمکر مقابلہ کیا آخر شکست کھاکر دو حصوں میں تقسیم ہوگئے ایک حصہ تو اسمعیل خاں کی ماتحتی میں شہر دولت آباد کے متصل قلعہ دولت آباد میں محصور ہوا۔ دوسرا حصہ جسمیں حسن گانگو بھی شامل تھا ملک میں منتشر ہوکر موجب مشکلات بنا یعنی تمام امیران صدہ اپنے اپنے متعلقہ پرگنوں میں جاکر مضبوط ہو بیٹھے۔ نظام الملک باغیوں کی قید سے نکلکر سلطان کی خدمت میں پہونچ گیا۔ سلطان نے شہر دولت آباد میں مقیم ہوکر ملک میں امن وامان اور نظام

حکومت قایم کرنے اور باغیوں کو گرفتار و قتل کرنے کا انتظام شروع کیا۔ عماد الملک کو ایک لشکر دیکر گلبرگہ کی جانب روانہ کیا اور حکم دیا کہ وہاں مقیم ہوکر مفرور باغیوں کی گرفتاری کا بندوبست اور اس نواح کے شریروں کا قلع قمع کرے۔ اسیطرح مرہٹ وغیرہ علاقوں میں جدید امرا مقرر کیے۔ دیوگیر کے اکثر امیران صدہ ابھی تک گرفتار نہیں ہوچکے تھے کچھ بھاگ کر گجرات کی طرف چلے گئے تھے۔

طغی نمک حرام سلطان ملک کے بندوبست اور باغیوں کے تدارک میں مصروف تھا اسی حالت میں خبر پہونچی کہ طغی نامی غلام دہلی سے اوباشوں اور بدمعاشوں کا ایک لشکر لیکر گجرات پہونچ گیا۔ گجرات کے شریروں اور دیوگیر و مرہٹ کے مفروروں کو بھی اپنے ساتھ شامل کرکے گجرات میں علم بغاوت بلند کردیا اور گجرات کے امیران صدہ ہی نہیں بلکہ وہاں کے ہندو راجا بھی اسکے شریک و معاون ہوگئے اور اسنے گجرات کے صوبہ دار شیخ معزالدین کو گرفتار کرلیا۔ یہ طغی نمک حرام سلطان کا غلام اور دربار سلطانی کے چوبداروں اور نقیبوں کا افسر تھا جو قتلغ خاں کی سازش میں شریک ہوکر دہلی میں اس کا دست راست بن چکا تھا اور قتلغ خاں کی ہدایت اور تجویز کے موافق دہلی سے ایک جمعیت لیکر گجرات کی طرف روانہ ہوا تھا۔ دولت آباد کے صوبہ کا انتظام مکمل نہ ہونے پایا تھا اور اسمعیل خاں بھی جو قلعہ دولت آباد میں محصور تھا ابھی گرفتار نہ ہوچکا تھا کہ طغی نمک حرام کی اس شرارت اور گجرات کی بغاوت کا حال سنکر دولت آباد میں چند امیروں کو انتظام کے لیے چھوڑ کر خود سلطان دولت آباد سے بھروچ کی جانب روانہ ہوا جہاں طغی اپنی جمعیت کو لیے ہوے پڑا تھا۔ بادشاہ کی آمد کا حال سنکر وہ بھروچ سے کنبھات کی جانب فرار اور سلطان بھروچ میں داخل ہوا۔ اسی زمانے میں دہلی سے ضیاے برنی بطور ایلچی سلطان کی خدمت میں پہونچا اور فتح دیوگیر کی مبارکباد پیش کی۔ اب حالت یہ تھی کہ سلطان کی فوج میں۔ سلطان کے مصاحبوں میں۔ سلطان کے سرداروں میں۔ اور گجرات و دیوگیر کے ہر ایک شہر میں کوئی نہ کوئی شریر اور کوئی نہ کوئی باغی پوشیدہ یا علانیہ ضرور موجود تھا۔ باغیوں کی یہ کثرت اور سازشوں کا جال اسی گروہ کی کوششوں کا نتیجہ تھا جس کا ذکر اوپر ہوچکا ہے اور جسکا لیڈر قتلغ خاں اور جسکا سرگرم رکن ہمارا مایۂ ناز مؤرخ ضیاے برنی تھا۔

طغی نمک حرام کا سلطان دہلی سے روانہ ہونے کے بعد جمعیت کثیر بہم پہونچانا اور اسوقت جبکہ سلطان دولت آباد کے انتظام میں مصروف تھا گجرات میں پہونچکر از سر نو فتنہ برپا کرنا اور دیوگیر کے باغیوں میں اس طرح دوبارہ جان ڈال دینا صاف اس بات کو ثابت کر رہا ہے کہ گجرات و دیوگیر کی بغاوتوں کا سلسلہ دہلی سے وابستہ تھا جہاں قتلغ خاں دیوگیر سے معزول شدہ پہونچا ہوا تھا۔ اور سلطان کی روانگی کے وقت اس بات کی کوشش ضیائے برنی کے ذریعہ کرچکا تھا کہ کسی طرح دہلی سے گجرات پہونچ جائے۔ سلطان یقیناً اسکے مافی الضمیر کا صحیح اندازہ کرچکا تھا اور اسی لیے جواب میں ایک لفظ بھی کہے بغیر روانہ ہوگیا تھا دہلی میں معزول و مردود شدہ تنگ ظرف مفتیوں حسد پیشہ اور دوزخ در بغل مولویوں اور صوفیوں اور انکے جاہل معتقدوں کی کافی جمعیت موجود تھی قتلغ خاں کے لیے یہ کچھ بھی دشوار نہ تھا کہ طغی نمک حرام کو اس طرح دہلی سے گجرات کی طرف روانہ کرکے سلطان کے بنے بنائے کام کو بگاڑ دے۔ یہ قتلغ خاں ہی کی تدبیر و سعی کا نتیجہ تھا کہ طغی نمک حرام کے گجرات پہونچتے ہی وہاں کے شریر اور ہندو راجا اسکے ہمدرد و ہوا خواہ بنگئے ضیائے برنی کی انتہائی چالاکی یہ ہے کہ وہ طغی کو باغی اور نمک حرام سب کچھ کہتا ہے لیکن طغی نمک حرام کے دہلی سے بعزم فساد گجرات آنے کو صاف اُڑا جاتا ہے اسکی تاریخ کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ طغی پہلے ہی سے گجرات میں موجود تھا اور سلطان کی غیر موجودگی میں موقع پاکر اسنے علم بغاوت بلند کیا تھا۔ طغی گجرات میں کب آیا اور کس تقریب سے وہاں موجود تھا اسکا کچھ پتا نہیں دیتا۔ ضیائے برنی کا مہمل بیان صاف بتا رہا ہے کہ ضیائے برنی طغی نمک حرام کے دہلی سے اس نازک وقت میں بعزم فساد آنے کو خاص طور پر چھپانا چاہتا ہے۔ مگر فرشتہ اپنی تاریخ میں سلطان علاء الدین حسن گانگو بہمنی کے تذکرہ میں صاف لکھتا ہے کہ

> "دریں اثنا از دہلی خبر رسید کہ طغی نام غلامے جماعتے از اوباش و اجلاف بر خود جمع آوردہ و راہ مخالفت و طغیان سپردہ بعزم گجرات تعجیل ہر چہ تمامتر روانہ شدہ است سلطان محمد تغلق شاہ چوں ایں خبر شنید خود متوجہ گجرات شد"

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ طغی نمک حرام دہلی سے اوباشوں کو ہمراہ لیکر بجانب گجرات جس طرف کہ سلطان خود موجود ہے روانہ ہوتا ہے حالانکہ اگر اسکا منشا بغاوت سے خود حکومت و سلطنت حاصل کرنا ہوتا تو وہ بنگالہ یا پنجاب یا بندیل کھنڈ یا کسی ایسی ہی

سمت جاتا جہاں سلطان سے زیادہ دور ہو جاتا اور سلطان وہاں بہت دنوں کے بعد پہونچ سکتا لیکن وہ تو دیدہ و دانستہ گویا موت کے منہ میں جا رہا تھا پس اس میں کیا شک کیا جا سکتا ہے کہ طغی نمک حرام ایک فدائی کی حیثیت سے سازشی مشن کو کامیاب بنانے کی کوشش میں شہید یا غازی بننے کے لیے دہلی سے روانہ ہوا تھا اور اسکے جاہل ہمراہی بھی سب بخیال خویش اپنی جانیں قربان کرنے اور شہید ہونے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ انھیں ایام میں ضیاء برنی بھی ایلچی بنکر سلطان کی خدمت پہونچ چکا تھا۔ سلطان نے ایک روز ضیاء برنی سے جو گفتگو کی اس کو ضیاء برنی ان الفاظ میں نقل کرتا ہے کہ۔

”و سلطان مرا گفت کہ می بینی کہ امیران صدۂ حرامخوار چہ گونہ فتنہ ہا می انگیزند و اگر من یک جانب فراہم می آرم و شر ایشاں رفع میکنم از طرف دیگر بلاہی انگیزند کہ اگر من دہ اول بفرمودمے کہ یکبارگی امیران صدہ دیوگیر و گجرات را از میان بردارند چندیں درماندگیہا از ایشاں مرا پیش نیامدے و ایں طغی حرامخوار را کہ غلام من ست اگر من سیاست فرمودمے یا او را بیادگار بر بادشاہ عدن ابفرستادمے ایں فتنہ ازو در وجود نیامدے“

شاید سلطان کو اسکا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ میں جس شخص کو اپنا دردِ دل سُنا رہا ہوں وہ خود شریروں اور باغیوں کو کامیاب بنانے کی کوشش میں دہلی سے چل کر لشکر شاہی میں پہونچا ہے۔ سلطان نے بھروچ میں پہونچکر ملک یوسف بغرا کو طغی کے تعاقب میں روانہ کیا۔ کنبھات میں مقابلہ ہوا۔ ملک یوسف بغرا معرکۂ جنگ میں کام آیا۔ اسکے بعد طغی نے شیخ معز الدین کو بھی جو اسکی قید میں تھا قتل کر دیا۔ یہ سنکر سلطان خود بھروچ سے کنبھات کی جانب روانہ ہوا طغی کنبھات سے بھاگ کر اساؤل پہونچا سلطان اساؤل کی جانب متوجہ ہوا تو وہ وہاں سے فرار ہو کر نہروالہ پہونچا۔ غرض طغی نے کہیں بھی جمکر سلطانی فوج کا مقابلہ نہیں کیا۔ تھوڑے سے سواروں کے ساتھ جنگ چھاپوں میں مصروف تھا۔ چونکہ ہر شہر اور ہر قصبے میں اسکو امداد دینے والے شریر موجود تھے لہذا سلطانی لشکر کی نقل و حرکت سے بر وقت واقف ہو جاتے اور خود ایک مقام سے دوسرے مقام پر بآسانی بھاگ جانے کی سہولت اسے میسر تھی اور اسی لیے اسکی

گرفتاری دشوار ثابت ہوئی ؎

مگس راکے تواں کشتن بشمشیر چگونہ پشہ راسیلی زند شیر

گجرات کا انتظام اور بغاوت کا استیصال

سلطان نے بارش کی وجہ سے چند روز ساؤل میں قیام کیا

طغی نمک حرام نے نہروالہ میں باغیوں کی زبردست جمعیت فراہم کی اور نہروالہ سے نکل کر ساؤل کی طرف چلا۔ یہ خبر سنکر سلطان فوراً ساؤل سے جبکہ خوب بارش ہو رہی تھی طغی کی سزا دہی کے لیے روانہ ہوا۔ آخر مقابلہ ہوا اور طغی شکست کھاکر نہروالہ کی طرف بھاگا۔ پانسو کے قریب باغی سلطانی لشکر کے ہاتھ میں گرفتار ہوکر مقتول ہوئے طغی نہروالہ سے اپنا ساز و سامان لیکر بھاگا اور گرنار کے راجہ رائے مہرو سپہ کے پاس جو اس کا ہمدرد و حلیف بن چکا تھا چلا گیا۔ سلطان طغی کے فرار ہو جانے کے بعد نہروالہ میں پہونچا اور حوض سہسلنگ کے چبوترے پر قیام کرکے گجرات کے انتظام میں مصروف ہوا۔ چند ہی روز میں گجرات کے اندر امن وامان قایم ہوگیا۔

"سلطان در نہروالہ آمد و در چبوترۂ حوض سہسلنگ نزول فرمود و در پرداخت مصالح ولایت گجرات مشغول شد و مقدمان و رانگان و مہتگان گجرات در بندگی درگاہ در می آمدند و خدمتہا می آوردند و جامہ و انعام می یافتند چنانکہ دل رست نزدیک خلق فراہم آمد و از تشتت و از تفرق برست و رعایا از غصب و غارت طغاة خلاص شد" (برنی)

طغی نمک حرام کے کچھ ساتھی جو دہلی سے ہمراہ آئے تھے مندل اور ٹیری کے راجہ کی خدمت میں پہنچے کیونکہ وہ بھی ان باغیوں کا حلیف تھا۔ رانا ئے مندل وٹیری نے یہ دیکھکر کہ سلطان محمد تغلق کے مقابلے میں باغیوں کا کامیاب ہونا دشوار ہے ان باغیوں کے سر کاٹ کر سلطان کی خدمت میں بھجوا دیے اور خود بھی اپنے گناہوں کی معافی کے لیے حاضر ہوگیا۔ سلطان نے اسکو خلعت و انعام دیکر اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ سلطان کے پاس نہروالہ میں خبر پہونچی کہ عماد الملک کو بیدخل کرکے باغیوں نے گلبرگہ پر قبضہ اور حسن گانگو کو اپنا بادشاہ بنالیا اور حسن گانگو نے دولت آباد آکر دولت آباد سے بھی سلطانی اہلکاروں کو بیدخل کردیا۔ غرض دیوگیر و مرہٹ کا تمام علاقہ سلطانی

قبضے سے نکل گیا۔ یہ خبر سنکر سلطان نے ملک احمد ایاز وزیر اعظم کو جو سلطان کا بڑا خیر خواہ اور مدبر سردار تھا دہلی سے اسلیے طلب کیا کہ اسے دولت آباد کی جانب بھیجے اور خود گجرات کا بندوبست کرے جہاں طغی نمک حرام گرنار کے راجہ کی حمایت میں ابھی تک سلامت موجود تھا اور گرنار کی جانب فوج کشی ضروری سمجھی

دکن کی خود مختاری اور وہاں کے ہندوں کی خوش نصیبی

اس جگہ یہ بتا دینا نہایت ضروری ہے کہ دکن کے ہندو راجاؤں نے جو سلطنت اسلامیہ کی غلامی و فرمانبرداری کا حلقہ اپنی گردن میں ڈالے ہوئے تھے جب یہ دیکھا کہ مرہٹہ و دولت آباد وغیرہ کے مسلمان سردار اور مسلمان امیران صدہ ہی سلطان کے خلاف علم بغاوت بلند کر رہے ہیں تو کشنا نایک ابن رودر دیو اور بلال دیو وغیرہ کے زیر اہتمام ایک جگہ جمع ہوکر اپنی خود مختاری کے لیے تجاویز سوچیں اور بیجانگر کے آباد کرنے اور دکن کے جنوبی حصہ سے مسلمان کا عمل دخل اٹھا دینے کا تہیہ کرکے حسن گانگو بہمنی کے ساتھ ہی اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اسکے متعلق فرشتہ کی تحریر کو سب سے زیادہ مستند سمجھنا چاہیے کیونکہ وہ دکن کا باشندہ اور وہاں کے تاریخی حالات سے بخوبی واقفیت رکھتا تھا۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ۔

"دریں وقت کشنا نایک پسر رودر دیو کہ در نواحی ورنگل می بود جریدہ نزد بلال دیو کہ راے عظیم الشان کرناٹک بود رفتہ گفت مسلمانان در دیار تلنگ و کرناٹک داخل شدہ ارادہ دارند کہ یکبارہ مارا استاصل سازند دریں باب فکرے باید نمود بلال دیو جمیع اعیان مملکت را حاضر ساختہ مشورت طلبید و بعد از تفکر و امعان نظر قرار یافت کہ بلال دیو جمیع ممالک خویش را و عقب گذشتہ خود در سرحد راہ سپاہ اسلام تخت گاہ سازد و معبر و معور و کمپلہ از تصرف مسلمانان بر آوردہ و کشنا نایک تسرف نمودہ ورنگل را نیز دریں ایام کہ فرصت است از حوزۂ دیوان دہلی در آوردہ بلال دیو در کوہستان سرحد خود در جائے صعب شہرے بنام پسر خود بیجن راے بنا کرد کہ مشہور بہ بیجن نگر گشت و رفتہ رفتہ از کثرت استعمال بیجانگر شدہ پیادہ و سوار بسیار ہمراہ کشنا نایک کردہ نخست ورنگل را

قابض شد و ملک عماد الملک وزیر گریختہ بدولت آباد آمد بعدہ بلال دیو کشنا نایک را ملک دادہ از دو طرف رایان معبر و دھور سمدر را کہ از قدیم الایام باجگذار حاکم کرناٹک بودند از تصرف مسلمانان برآوردند و از ہر طرف فتنۂ خفتہ بیدار گشت ۔"

یوں سمجھنا چاہیے کہ بدبخت مسلمانوں یعنی نفس پرست شریروں کی سازشوں نے دکن کے وسیع ملک کو ہندوستان کی اسلامی شہنشاہی سے جدا کر کے بیک وقت دکن میں دو خود مختار حکومتیں قایم ہونے کا سامان بہم پہونچایا جنمیں سے ایک اسلامی اور دوسری ہندو حکومت تھی جسکا مفصل تذکرہ آگے اپنے مقام پر آئے گا۔ ہندوؤں کو حسن گانگوی کے خود مختار ہونے سے بیحد فائدہ پہونچا۔ اسی لیے ہندوؤں نے حسن گانگوی کو علم بغاوت بلند کرنے میں بخوبی مدد دی۔

"راجۂ مملکت تلنگ (کشنا نایک) کہ از دست سلطان محمد تغلق شاہ خونیں دل بود از کولاس پانزدہ ہزار پیادہ بمدد حسن گانگوی بہمنی فرستاد" (فرشتہ)

دکن میں بہمنی سلطنت کا جدا قایم ہونا مقصد اسلامی کے لیے تو بیحد مضر تھا لیکن بیجانگر کی ہندو ریاست خود مختار ہو کر آئندہ عرصۂ دراز تک کے لیے مسلمانوں کے حملوں سے محفوظ اور مستحکم بننے سے بچ نہ سکی اور یہ سب نتیجہ تھا مسلمانوں کی اس ناعاقبت اندیشی کا جسمیں وہ آج بھی مبتلا پائے جاتے ہیں۔

ملک احمد ایاز جب دہلی سے روانہ ہو کر سلطان کی خدمت میں پہونچ گیا تو معلوم ہوا کہ حسن گانگو کے پاس باغیوں کی بہت بڑی جمعیت فراہم ہو چکی ہے اور دکن کے تمام ہندو راجاؤں نے بھی متفق ہو کر حسن گانگوی کو مدد دینے اور سلطان دہلی کے مقابلے میں بغاوت اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ یہ حالات معلوم ہونے کے بعد سلطان نے ملک احمد ایاز کو اس طرف بھیجنا مناسب نہ سمجھکر مصلحت اسی میں سمجھی کہ گجرات کا بندوبست مکمل اور مضبوط کرنے کے بعد خود ہی دولت آباد کی طرف جا کر دکن کے فتنے کو مٹائے اور وہاں کے باغیوں کا مکمل استیصال کرے۔ چنانچہ دولت آباد کی مہم کو سلطان نے ملتوی کر دیا اور گرنار کی طرف متوجہ ہوا۔ رانائے کھنگھار۔ اور رانائے گرنار او ر طغی نے نے ملکر مقابلہ اور مدافعہ کی کوشش کی اور جا بجا ہر قسم کی مضبوطی کر لی۔ افواج

سلطانی نے ان باغیوں کو شکستیں دیں۔ گرنار کے راجہ نے اپنی ہلاکت یقینی دیکھکر چاہا کہ طغی کو گرفتار کر کے سلطان کے پاس بھیجدے اور اس طرح سلطان کو رضامند کرے طغی کو راجہ کا یہ ارادہ قبل از وقت معلوم ہوگیا۔ اور اسنے اپنے لیے حفاظت اور فرار کی راہیں تلاش کیں۔ آخر طغی تو بھاگ کر جام ٹھٹھہ کے پاس چلا گیا۔ کھنگھار اور گرنار کے رانا گرفتار ہوکر سلطان کی خدمت میں آئے اور سلطان نے ایک دوسرا ہندو راجا اپنی طرف سے گرنار میں مقرر کیا جسکو ضیائے برنی صرف گرنار کے نام سے یاد کرتا ہے سلطان نے گرنار فتح کرنے کے بعد اس طرف کے جزیروں کو بھی سلطانی علاقے میں شامل کیا۔ اس طرح تمام ملک گجرات کا انتظام درست ہوگیا اور اس انتظام و اہتمام میں ایک سال گذر کر سنہ ۷۵۱ھ شروع ہوا۔ اسی عرصہ میں خبر پہونچی کہ دہلی میں قتلغ خاں کا انتقال ہوگیا اپنے اس نامہربان استاد کے مرنے کی خبر سنکر سلطان نے اظہار ملال کیا اور واپس ہوکر مقام کوندل میں جو ٹھٹھہ کے راستے میں ہے مقیم ہوا۔ وزیر اعظم خواجہ جہاں ملک احمد ایاز اور خان جہان دونوں کو دہلی کی جانب رخصت کیا جس کا سبب غالباً یہ تھا کہ اسکے پاس دہلی میں سازشوں کے نشو و نما پانے اور فیروز تغلق کو تخت نشین کرنیکی تجویزوں کے حالات پہونچ چکے تھے۔ چنانچہ اسنے ملک احمد ایاز کو حکم دیا کہ دہلی جاتے ہی فیروز تغلق بعض مشائخ۔ خداوندزادہ بنت تغلق شاہ اور بعض علماء کو لشکر سلطانی کی جانب روانہ کرے چنانچہ دہلی سے یہ لوگ روانہ ہوکر سلطانی لشکر میں پہونچ گئے۔ ملا عبدالقادر بدایونی منتخب التواریخ میں یہ روایت لکھتے ہیں کہ محمد تغلق کے پاس یہ خبر پہونچی تھی کہ دہلی میں حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی نے فیروز تغلق کو تخت نشین کرنے کی تیاری کر لی ہے اس خبر کے سنتے ہی محمد تغلق نے فیروز تغلق اور شیخ نصیر الدین رحمہ کو دہلی سے بلوایا اور خواجہ احمد ایاز کو دہلی بھیجا۔ یہ روایت اکبر کے زمانہ تک لوگوں میں مشہور اور عام زبانوں پر جاری تھی لہذا اسکو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ قتلغ خاں نے سلطان محمد تغلق کے قتل کرانے اور فیروز تغلق کو تخت سلطنت پر بٹھانے کی سازش میں صوفیوں۔ مولویوں اور ملک کے اکثر امیروں کو آمادہ و مستعد کر لیا تھا اور اسکی سب سے بڑی چالاکی اور دور اندیشی یہ تھی کہ اسنے حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کو ٹھہرا اپنا پیشوا اور رہنما بنا لیا اور ایسی غلط فہمیاں ہوشیاری کے ساتھ پیدا کیں

کہ خواجہ ممدوح محمد تغلق کو برا اور فیروز تغلق کو اچھا سمجھنے لگے۔ یہ بات بھی فراموش نہ ہونی چاہیے کہ خواجہ ممدوح محمد تغلق سے اسکے علاوہ بھی ایک اور وجہ سرگرانی کی رکھتے تھے جسکا ذکر پہلے آچکا ہے چنانچہ قتلغ خاں کی وفات کے بعد اس سازشی جماعت کے تمام سرگرم ارکان نے حضرت خواجہ ممدوح ہی کو اپنے کاموں کا مہتمم اور آمر قرار دیا۔

محمد تغلق کی وفات سلطان کوندل میں بہت دنوں مقیم رہا ملتان دیپالپور اور اُچ وغیرہ سے لشکر اور کشتیاں وغیرہ طلب کیں اور تمام سامان فراہم ہوگیا اب ٹھٹھہ پر حملہ کرکے وہاں کے جام اور طغی باغی کو جو ٹھٹھہ میں پناہ گزیں تھا سزا دینی باقی تھی اور یہ بہت ہی معمولی کام تھا کیونکہ گجرات کا سلطان نے ایسا مستحکم انتظام کردیا تھا کہ وہاں اب کسی بغاوت کے نشو ونما پانے کا موقع باقی نہیں رہا تھا طغی نمک حرام کو سزا دینے کے بعد سلطان کو دولت آباد اور دکن کی جانب متوجہ ہونا تھا اور دکن ہی کے لیے اسنے کوندل میں لشکر جمع کیا تھا۔ مغلوں کا چغتائی سلطان بیان قلی خان برادرزادہ ترمشیرین خان برائے نام سلطان تھا اسکا وزیر اعظم امیر قزغن درحقیقت فرمانروائی کرتا تھا اور سلطان محمد تغلق کے ساتھ اسکے تعلقات بہت مخلصانہ تھے۔ سلطان محمد تغلق اس بات سے واقف ہوچکا تھا کہ اسکے لشکر کے ایک بڑے حصے کی وفاداری کو صوفیوں اور بدعتی شریروں کے سازشی گروہ نے متزلزل کردیا ہے لہذا اسنے احتیاطاً امیر قزغن کو لکھا کہ مغلوں کی ایک امدادی فوج بھیجدو۔ چنانچہ امیر قزغن نے پانچ ہزار مغلوں کی ایک فوج التون بہادر نامی سردار کی ماتحتی میں روانہ کی۔ مغلوں کی یہ فوج سلطان کی خدمت میں اسوقت پہونچی جبکہ وہ کوندل سے روانہ ہوکر ٹھٹھہ پہونچنے کے لیے دریائے سندھ کو عبور کررہا تھا مغلوں کی اس فوج کے پہونچنے سے سلطان خوش ہوا اور مہمان فوج کی خوب خاطر مدارات کی۔

سلطان محمد تغلق چونکہ اس عظیم الشان سازش سے جسمیں بہت سے ارکان سلطنت اور مراسم پرست ملاں بھی لگے شامل تھے بے خبر نہ تھا وہ ایک طرف میدان جنگ میں باغیوں کی گرفتاری یعنی سزا دہی کا کام انجام دے رہا تھا دوسری طرف اس کا دماغ اس سازش کے عواقب ونتائج کو سوچ رہا تھا۔ دہلی سے فیروز تغلق اپنی بہن خداوند زادہ اور بعض علما و مشائخ کا جنہیں خواجہ نصیر الدین رحمۃ چراغ دہلی بھی شامل تھے اپنے پاس بلالینا اور اپنے وزیر اعظم ملک احمد ایاز اور خانجہاں کو دہلی کی طرف بھیجنا بلا سبب اور بے معنی نہ تھا۔ اسکو فیروز تغلق

سے محبت تھی۔ فیروز تغلق کو ہمیشہ مصروف شکار اور آوارہ و بیکار رہنے سے منع کرتا رہتا تھا
فیروز تغلق کی شراب خوری کا بھی اسکو حال معلوم ہوچکا تھا۔ فیروز تغلق نماز روزہ کا پابند تھا
سلطان ان بری عادتوں کے چھوڑانے کے لیے اسپر کبھی کبھی تشدد بھی کرتا تھا اور زیادہ دنوں
اپنے آپ سے جدا رکھنا نہ چاہتا تھا کہ لہو و لعب میں ترقی نہ کرجائے اور سازشی گروہ کے
فریب میں آکر اُن کا آلۂ کار نہ بنجائے۔ اسکو اپنی بہن خداوندزادہ اور اپنے بہنوئی خسرو ملک
کی طرف سے بھی اسی قسم کا اندیشہ تھا۔ سلطان کی ایک بیٹی تھی جسکی شادی عماد الملک سے ہوئی تھی
عماد الملک ہر طرح قابل اعتماد اور سلطان کا ہمخیال و وفادار تھا۔ ایک بیٹا تھا جسکی عمر صرف
چھ سات سال کی تھی وہ دہلی ہی میں زیر تعلیم تھا۔ ایسی حالت میں کہ گجرات اور سندھ کی طرف
سے مطمئن ہوکر دکن کی طرف جانا ضروری تھا اُسنے ملک احمد ایاز کو دہلی بھیجکر اور وہاں سے
مذکورہ شاہی خاندان کے لوگوں اور با اثر مشائخ و علما کو اپنے بلاکر دہلی کی جانب سے اطمینان
حاصل کیا۔ غرض سلطان اپنے عظیم الشان لشکر کے ساتھ دریائے سندھ کو عبور کرکے ٹھٹھہ کی
جانب روانہ ہوا۔ ۱۰ محرم ۷۵۲ھ کو سلطان نے عاشورہ محرم کا روزہ رکھا اور افطار کے
وقت مچھلی کھائی جس سے بخار ہوگیا ایک دو روز اس علالت کے سبب قیام کیا اور جب
ہر طرح تندرست ہوگیا تو ٹھٹھہ کی جانب کوچ کیا۔ ٹھٹھہ سے چودہ کوس کے فاصلہ پر قیام ہوا
اب صرف حکم کی دیر تھی اور ایک ہی روز میں فوج حملہ آور ہوکر ٹھٹھہ کے باغیوں اور طغی
نمک حرام کا خاتمہ کرسکتی تھی مگر کسی غیر معلوم وجہ سے یکایک سلطان کی حالت متغیر ہوگئی
اور وہ قبل اسکے کہ فوج کو حملہ کا حکم دے ۲۱ محرم ۷۵۲ھ کو فوت ہوگیا (اس حادثہ وفات
پر سلطان فیروز تغلق کے ابتدائی حالات سے جو آگے آنیوالے ہیں روشنی پڑیگی)

سلطان محمد تغلق کے خصائل بطور خلاصہ

اگر محمد تغلق کی مدت حیات ختم نہ ہوگئی ہوتی تو وہ طغی
نمک حرام کے فتنے سے فارغ ہوتے ہی دکن کے تمام فتنوں کو بھی فرو کردیتا اور ہندستان
میں بے امنی۔ جہالت۔ بغاوت۔ ظلم۔ بیجا عصبیت اور مراسم بدعات کا نام و نشان
باقی نہ چھوڑتا اسنے اپنی ستائیس سالہ حکومت میں ایسی ایسی عظیم الشان مشکلات کا
کامیاب مقابلہ کیا کہ اگر اسکی جگہ کوئی دوسرا شخص مثلاً فیروز تغلق ہوتا تو اسکی نسبت
بہت کامیابی حاصل نہ کرسکتا۔ اسکی زندگی از ابتدا تا انتہا لہو و لعب، بدکاری، تن آسانی

اور غفلت سے جس طرح پاک و صاف ہے اسی طرح پاک بازی۔ دانائی۔ رحم دلی۔ عدل و انصاف۔ علم دوستی۔ معارف پروری۔ روشن خیالی اور ارتقا سے لبریز و منور ہے۔ وہ صاحب السیف والقلم اور وارث ہم و حکم تھا۔ اسکی زندگی انتہائی مصروفیت اور شفقت علی خلق اللہ میں بسر ہوئی۔ اگر مروت کی صفت اس میں حد سے زیادہ بڑھی ہوئی نہ ہوتی تو وہ قتلغ خاں کو اپنی سلطنت کی خرابی کے لیے اسقدر آزادی اور وسیع مہلت کبھی عطا نہ کرتا محمد تغلق کی زندگی میں ایک بھی مثال ایسی دستیاب نہیں ہو سکتی کہ اُسنے اپنی ذات کے آرام اور اپنے نفس کی لذت کے لیے رعایا کا مال خرچ کیا یا کسیکو آزار پہونچایا ہو ایک سلطان کے لیے کیا یہ قابل فخر بات نہیں ہے کہ اسکی نظر کبھی کسی غیر محرم عورت پر نہیں پڑی۔ جب اپنے مکان میں داخل ہوتا تو دروازے ہی پر رُک کر کھڑا ہو جاتا اور آگے کسی کو بھیجکر اپنے آنے کی اطلاع بھجواتا تاکہ اگر بادشاہ بیگم کے پاس کوئی دوسری عورت آئی ہوئی ہو تو پردے کا انتظام ہو جائے اور سلطان کی نگاہ کسی غیر عورت پر نہ پڑنے پائے

کسی سلطان کی سب سے بڑی خوبی اس کا عادل ہونا ہے سلطان محمد تغلق کے نام کے ساتھ لفظ "عادل" بطور جزو نام اور بطور اسم علم اسکی وفات کے تین سو سال بعد تک عام زبانوں پر جاری تھا چنانچہ ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی کتاب منتخب التواریخ میں اس سلطان کا ذکر شروع کرتے ہوئے عنوان میں اسکا نام "سلطان محمد عادل" لکھا ہے۔ ملا محمد قاسم فرشتہ اپنی تاریخ فرشتہ میں لکھتے ہیں کہ سلطان محمد تغلق کی خدمت میں جو مفلوک الحال آتا مالا مال ہو جاتا۔ بیواؤں۔ محتاجوں اور ضعیفوں کی خبر گیری اور پرورش کا اسکو خاص طور پر خیال رہتا۔ فارسی اور عربی میں ایسے مکاتیب لکھتا کہ بڑے بڑے منشی اور ادیب حیران رہجاتے فصاحت اور شیریں کلامی میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔ جودت فہم اور حدت ذہن میں خاص طور پر ممتاز تھا۔ مردم شناسی کا ملکہ حد کمال کو پہونچا ہوا تھا۔ قوت حافظہ اسقدر قوی تھی کہ جو ایک مرتبہ سنا ساری عمر یاد رہا۔ تاریخ۔ ریاضی۔ طب۔ نجوم۔ فلسفہ منطق میں دستگاہ کامل رکھتا اور شعر خوب کہتا تھا اسنے حالت نزع میں یہ شعر کہے تھے ؎

بسیار درین جہان چمیدیم — بسیار نعیم و ناز دیدیم
اسپانِ بلند برنشستیم — ترکانِ گرانبہا خریدیم
کردیم بسے نشاط آخر — چوں قامتِ ماہِ نو خمیدیم

شمس سراج عفیف کہتا ہے کہ سلطان محمد بادشاہ ہے باجاہ صاحب دستگاہ ہے

با کیاست فراواں و فراست بے پایاں بود"۔ الفنسٹن صاحب اس سلطان کی نسبت لکھتے ہیں کہ عالموں فاضلوں پر ایسی ایسی بخششیں کیں اور ایسے ایسے وظیفے مقرر کیے کہ پہلے کسی بادشاہ نے مقرر نہ کیے تھے اسنے طرح طرح کی فیاضی اور دریا دلی سے شفاخانے بنائے اور محتاج خانے جاری کیے اور قلمرو کے تمام عالموں فاضلوں سے ایسے ایسے سلوک کیے کہ اسکے مناقب اور محامد کے چرچے جابجا ہوئے۔ تمام لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ یہ بادشاہ اپنے زمانے میں نہایت قابل اور نہایت خوش بیان تھا۔ یہانتک کہ اسکے بعد بھی اسکی عربی و فارسی تحریروں کی خوبی بیان کی جاتی تھی۔ روزہ نماز کا پابند اور مینوشی سے نہایت محترز تھا۔ ذاتی کاموں میں اپنے مذہب کے اصولوں کی پابندی کو مقدم رکھتا تھا۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ "سلطان کو اقامت صلوٰۃ کا بڑا خیال تھا۔ تمام ملازموں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم تھا۔ جو تارک صلوٰۃ ہوتا اُسکو سخت سزا دیجاتی تھی اسنے بازاروں میں آدمی متعین کر رکھے تھے کہ نماز کے وقت جو جماعت میں شریک نہوا اسکو سزا دیں۔ اسنے حکم دے رکھا تھا کہ آدمیوں کو بلا بلا کر وضو اور نماز کے فرائض بتائیں اور شرائط اسلام سکھائیں۔ ہر گلی کوچہ میں احکام شرعی عوام الناس کو سکھائے جاتے تھے۔ نماز کے ساتھ دوسرے احکام شرع کی پابندی کے لیے بھی خاص اہتمام سے کام لیا جاتا تھا۔ کسی ہندو امیر نے قاضی کے یہاں نالش کی کہ سلطان نے میرے بھائی کو بے سبب قتل کیا ہے۔ قاضی نے سلطان کی طلبی کا حکمنامہ جاری کیا۔ سلطان قاضی کی مجلس میں حاضر ہوا اور کوئی ہتیار ساتھ نہ لے گیا اُسنے قاضی کو سلام کیا اور جب تک قاضی نے بیٹھنے کا حکم نہ دیا برابر کھڑا رہا۔ قاضی نے فریقین کے بیانات سنے آخر وہ ہندو امیر اپنے بھائی کے خون پر دلائل سننے کے بعد راضی ہو گیا جب تک قاضی نے جانے کی اجازت نہ دی سلطان قاضی کی مجلس میں ٹھہرا رہا سلطان کے دربار میں جب کوئی شخص آتا اور سلام کرنے کی جگہ پر پہونچتا تو نقیب بلند آواز سے کہتا "بسم اللہ" اور اگر وہ شخص ہندو ہوتا تو نقیب بجائے بسم اللہ کے "ہداک اللہ" کہتا۔ اس سلطان کی سخاوت تمام صفات پر غالب ہے میں نے اسکی سخاوت کی برابر کسی پہلے سلطان کی سخاوت کا حال نہیں سنا۔ تمام اشخاص سے زیادہ یہ سلطان منکسر و متواضع ہے اور سب سے زیادہ یہ عدل کو ملحوظ رکھتا ہے" انتہی

میں آخر میں اپنے ہندو دوستوں کو صرف ایک بات کی طرف اور توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ کہ سلطان محمد تغلق نے دیوگیر کو دارالسلطنت بنانے کے ارادے سے وہاں نہ صرف دولت آباد کا بے نظیر قلعہ پہاڑ کو تراش کر بنایا بلکہ شہریت اور دارالسلطنت کے تمام لوازم فراہم کیے اور وہاں رہنے کے ارادے سے چلا بھی گیا۔ محمد تغلق مذہب کا پابند اور سچا پکا مسلمان تھا۔ ایلورا کے مشہور و معروف مندر دولت آباد سے کچھ دور نہ تھے مندروں کے مسمار کرانے کا الزام جو مسلمان سلاطین کے سر تھوپا جا رہا ہے اگر اس میں ذرا بھی صداقت ہوتی اور اسلام دوسری قوموں کے معابد کو منہدم کرنے کی اجازت دیتا تو محمد تغلق جیسا پابند شرع سلطان اپنے بغل میں ایلورا کے مندروں کو کسی طرح باقی نہ رہنے دیتا۔ خوب سوچو اور بہت غور کرو۔

سلطان فیروز تغلق

سلطان علاء الدین خلجی کے حالات میں اوپر بیان ہو چکا ہے کہ سنہ [illegible]ھ میں دکن بھی فتح ہو کر سلطنت اسلامیہ میں شامل ہو چکا تھا اور مسلمانوں نے اس کماری میں مسبب ہوا کر کل برعظم ہندوستان پر اسلامی حکومت کے قایم ہو جانے کی مہر لگا دی تھی۔ قریباً چالیس سال تک پورے برعظم ہندوستان کی اسلامی سلطنت کا ایک ہی مرکز رہا۔ سلطان محمد تغلق کے آخر عہد حکومت میں بعض مسلمان گورنروں کی بغاوت اور ناعاقبت اندیشی سے دکن میں بغاوتیں برپا ہوئیں۔ سلطان محمد تغلق گجرات کی بغاوت فرو کرنے کے بعد دکن کی بغاوت دور کرنے کے لیے اُس طرف روانہ ہوئے تھا کہ پیغام اجل کے پہونچنے پر عالم جاودانی کو روانہ ہو گیا۔ اسکے جانشین فیروز تغلق نے دکن کی جانب کوئی توجہ نہیں کی اور غالباً فیروز تغلق کی رضامندی سے دکن کی سلطنت بہمنی کے نام سے ایک خودمختار اسلامی سلطنت جدا قائم ہو گئی۔ اسکے بعد حضرت اورنگزیب عالمگیر کے عہد حکومت تک کل برعظم ہندوستان کی حکومت ایک مرکز سلطنت سے وابستہ نہ ہو سکی بلکہ جدا جدا متعدد اسلامی سلطنتیں ہندوستان میں قایم رہیں۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ دور یہ فنائیہ کے خاتمہ تک مسلسل شمالی ہند کی سلطنت دہلی کے سلاطین کا تذکرہ جاری رکھا جا سکتا۔ اسکے بعد دکن، گجرات، بنگال، کشمیر وغیرہ کے حالات بیان کیے جائیں۔

سلسلہ کو زیر بحث لایا جائے چنانچہ دکن کے حالات کو ملتوی رکھ کر فیروز تغلق کے مختصر اور ضروری حالات جو اس تصنیف کے موضوع سے مناسبت رکھتے ہیں عرض کیے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کا ہندو قوم کی تہذیب۔ تمدن۔ اخلاق۔ اور معاشرت پر کس تدریج و ترتیب سے کیا کیا اثر پڑا؟ یہ ضروری مضمون ابھی تک ملتوی اور میرے ذہن میں ہے۔ آئندہ کسی مناسب موقع پر اسکو بالتفصیل بیان کیا جائے گا۔ خلط بحث سے بچنے کے لیے اس مضمون کو فی الحال ملتوی رکھنا اور سلسلۂ سلاطین کو ایک مناسب حد تک پہونچا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ○

مسلمانوں کا ذات پات کی قید سے آزاد رہنا

فیروز تغلق کی ماں کا ذکر اوپر آچکا ہے کہ وہ ایک راجپوت زمیندار مسمی رانا مل بھٹی کی بیٹی تھی۔ فیروز تغلق کی دادی بھی پنجاب کی ایک جاٹنی تھی۔ اگر اسلام اور مسلمانوں میں ذات پات کو ایسی ہی اہمیت دی گئی ہوتی جیسی کہ منوسمرتی میں تعلیم کی گئی ہے اور ہندوؤں میں رائج ہے تو مسلمان اول تو غیاث الدین ہی کو کبھی اپنا بادشاہ اور سلطان نہ بناتے اور اگر کسی مجبوری سے اسکو سلطان تسلیم کر لیا تھا تو فیروز تغلق کو جسکے جسم میں ہندوانی خون دو آتشہ ہو کر موجود تھا کبھی تخت سلطنت کا مستحق قرار نہ دیتے۔ فیروز تغلق کا بھائی ملک قطب الدین ابن سالار رجب جو پہلی مسلمان بیوی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا لشکر میں موجود تھا۔ دوسرا بھائی ملک ابراہیم ابن سالار رجب جو وزارت اور نیابت سلطنت کی خدمات انجام دینے کی وجہ سے ملک نائب باربک کے خطاب سے مخاطب ہوا موجود تھا۔ خود سلطان محمد تغلق کا ہفت سالہ بیٹا موجود تھا۔ سلطان غیاث الدین تغلق کا نواسا داور الملک جو نائب امیر حاجب تھا امیدوار سلطنت تھا اور اسکی ماں یعنی سلطان محمد تغلق کی بہن خداوندزادہ اپنے بیٹے کو بادشاہ بنانا چاہتی تھی۔ سلطان محمد تغلق کی وفات کے بعد اسنے امیروں کے پاس اس غرض کے لیے پیغام بھیجے تھے۔ خسرو ملک یعنی سلطان غیاث الدین تغلق کا داماد بھی شاہی خاندان کا آدمی تھا۔ ملک تاتار خاں جو سلطان غیاث الدین تغلق کا منہ بولا بیٹا اور سلطان محمد تغلق کا بھائی سمجھا جاتا تھا اور بڑا بہادر سپہ سالار تھا سلطانی لشکر میں موجود تھا۔ ان سب کے موجود ہوتے ہوئے فیروز تغلق کو تخت سلطنت پر بٹھانا سب سے بڑی دلیل اس بات کی ہے

کہ مسلمانوں نے اپنی مذہبی تعلیمات کو پیش نظر رکھ کر ذات پات کو کبھی زیادہ اہمیت نہیں دی اور ہندو قوم کو جو انکی مفتوح و مغلوب و محکوم قوم تھی ذلیل ٹھہرانے اور ذلیل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

خواجہ جہان ملک احمد ایاز کا مقتول ہونا

سلطان محمد تغلق کا ٹھٹھہ کے قریب ۲۱ محرم ۷۵۲ھ کو انتقال ہوا۔ چونکہ یہ حادثہ دریائے سندھ کے کنارے بحالت سافرت وقوع پذیر ہوا لہذا لشکر میں بدنظمی اور ہلچل کا پیدا ہونا ذرا بھی خلاف توقع نہ تھا پانچ ہزار مغل جو التون بہادر مغل سردار کی ماتحتی میں بطور امدادی لشکر کے آئے ہوئے تھے انھوں نے یہ رنگ دیکھ کر اور اپنے ہم قوم امیر نوروز داماد ترمشیرین خان سے جو سلطان محمد تغلق کا پرانا اور وفادار سردار تھا اکثر ہندوستانی افسروں کی بیوفائی اور محسن کشی کے حالات سنکر سلطان کی وفات کے بعد اپنے ملک کو واپس جانے کا قصد کیا اور چلتے وقت جو سامان ملا لوٹ لیا۔ امیر نوروز نے کبھی سلطان کے ساتھ کوئی بیوفائی نہیں کی تھی اور وہ سلطان محمد تغلق کے مخصوص تربیت کردہ لوگوں میں سے تھا اس کا سلطان کی وفات کے بعد مذکورہ مغل فوج کے ساتھ اپنے ملک کو واپس چلا جانا اور مغلوں کو لوٹ مار یا لڑائی کی ترغیب دینا فیروز شاہی مؤرخین کے نزدیک مغلوں کی جبلی غارتگری کا نتیجہ تھا لیکن اس سے یہ بھی ثبوت ملتا ہے کہ سلطان محمد تغلق کے اکثر سرداران لشکر نیز فیروز تغلق کے خیالات سلطان مرحوم کی نسبت اچھے نہ تھے اور اسی لیے سلطان مرحوم کے ایک قدیم و وفادار خادم نے سلطان کے بعد یہاں رہنا گوارا نہ کیا ؎

بلبل چو تاب شکر تابت بحو رندید | از باغ و بوستان و گل و گلستاں گذشت

غرض اس لوٹ مار کے ہنگامے میں کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا۔ وزیر اعظم ملک احمد ایاز کا غلام جس کا نام ملیح تون تون تھا دہلی سے سلطان لشکر میں آیا ہوا تھا۔ اس افراتفری اور لوٹ مار کے ہنگامے میں بہت سے آدمی آوارہ ہو کر ادھر ادھر چلدیئے۔ ملیح تون تون بھی وہاں سے بھاگا اور سیدھا دہلی کا رخ کیا۔ جلد از جلد دہلی پہونچکر اپنے آقا ملک احمد ایاز کو سلطان کی وفات کا حال سنایا۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ مغلوں نے حملہ کر کے لشکر کو لوٹا اور بہت سے سردار مارے گئے۔ بعض مغلوں کے ہاتھ میں گرفتار اور بعض مفقود الخبر ہیں فیروز تغلق اور تاتار خاں کی نسبت کہا کہ وہ دونوں بھی مقتول یا اسیر ہو چکے ہیں

شمس سراج عفیف کے الفاظ یہ ہیں۔

"در روز غارت بنگاہ خلق لشکر متفرق افتادہ ہر یکے کہ دراں انجمن بود بہر سمتے رخ نہاد ہنوز سلطان فیروز کہ بپادشاہی ننشستہ ہمدراں لحظہ ملیح تون تون نام غلامے بود ازاں خواجہ کہ خواجہ جہاں پیش ازاں بر سلطان محمد فرستادہ بود ملیح مذکور درچنین شور مشہور از لشکر جانب دہلی رواں شد و سلامت در دہلی رسید پیش خواجہ جہاں تقریر کرد کہ سلطان محمد از جہاں خرامید طائفہ مغل بر لشکر دویدہ خلائق بازار بزرگ را نہب و غارت کردہ میان لشکر فساد بسیار و خونریزی بیشمار شدہ ملیح مذکور ایں تقریر نیز کردہ کہ تاتار خاں و ملک امیر حاجب یعنی سلطان فیروز غائب شدند و معلوم نیست کہ ایشاں بدست مغلاں افتادند و یا کشتہ شدند و بیشتر ملوک دراں جنگ سعادت شہادت یافتہ"

ملک احمد ایاز اس خبر کو سنکر سخت پریشان ہوا۔ سلطان محمد تغلق کی وفات کا حال اگرچہ ایک سانحہ عظیم تھا لیکن فیروز تغلق اور تاتار خاں کے مقتول یا اسیر ہونے کی خبر اور بھی زیادہ موجب تشویش ہوئی۔ ملک احمد ایاز کی بیوی نے فیروز تغلق کو اپنا منھ بولا بیٹا بنایا تھا اور فیروز تغلق ملک احمد ایاز کو باپ کہتا تھا۔ ملک احمد ایاز ہی نے سلطان محمد تغلق کو فیروز تغلق کی جانب ہمیشہ محبت کے ساتھ متوجہ رکھا اور اب محمد تغلق کے بعد وہی سب سے زیادہ اسکو سلطان بنانے میں کوشاں ہوتا۔ لیکن جب اسکو اپنے غلام ملیح تون تون کی زبانی فیروز تغلق کے مقتول یا اسیر ہونے کا حال معلوم ہوا تو اسنے سلطان محمد تغلق کے ہفت سالہ بیٹے محمود کو قوام الملک خان جہاں۔ سید جلال الدین ترمذی۔ ملک حمید الدین کچھی۔ مولانا نجم الدین۔ ملک حسام الدین ازبک وغیرہ کے مشورے سے پادشاہ بنا کر دہلی کے موجودہ سرداروں سے بیعت لے لی اور ملک کے نظم و نسق کو قائم رکھنے کے لیے جدید فوج بھی بھرتی کی۔

سلطان محمد تغلق نے کسی خاص شخص کو اپنا ولیعہد نہیں بنایا تھا۔ فیروز تغلق کے عہد حکومت میں جو تاریخیں لکھی گئیں اُن میں یہ ذکر ضرور موجود ہے کہ محمد تغلق نے فوت ہوتے وقت فیروز تغلق کو اپنا جانشین تجویز کر دیا تھا لیکن یہ سراسر غلط اور محض فیروز تغلق کی خوشنودی مزاج کے لیے غالباً لکھا گیا ہے کیونکہ محمد تغلق کی وفات کے کئی روز بعد تک

تخت نشینی اور محمد تغلق کی جانشینی کا معاملہ بالکل مہمل رہا اور محمد تغلق کی بہن کو بمشکل رضامند کرکے فیروز تغلق کو اس دلیل کی بنا پر تخت نشین کیا گیا تھا کہ اگر جلدی بادشاہ نامزد نہ کیا گیا تو اس لشکر کا انتظام و اہتمام کے ساتھ دہلی پہونچنا دشوار ہے۔ خود شمس سراج عفیف نے فیروز تغلق کی تخت نشینی کے جو حالات لکھے ہیں ان سے ثابت ہو رہا ہے کہ محمد تغلق نے کسیکو اپنا ولیعہد نہیں بنایا تھا۔ نہ فیروز تغلق کے حامیوں نے تخت نشینی کے وقت کسی سے بطور دلیل اسبات کا ذکر کیا کہ فیروز تغلق کو ولیعہد نامزد کیا جا چکا ہے۔ اگر سلطان محمد تغلق فیروز تغلق کو ولیعہد مقرر کر جاتا تو تین چار روز تک فیروز تغلق کی تخت نشینی معرض التوا میں نہ رہتی اور کسیکو مخالفت کرنے یا خداوندزادہ ہمشیرۂ محمد تغلق کو فیروز تغلق کے خلاف کوشش کرنے کا قطعًا موقع نہ ملتا۔ اگر بطور فرض محال اسبات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ مرتے وقت سلطان محمد تغلق نے فیروز تغلق کو ولیعہد بنایا تھا تو خواجہ جہان ملک احمد ایاز تو اس سے واقف نہ تھا۔ ملک احمد ایاز کی نیک نیتی اور پاک باطنی میں کسی شک و شبہ کی گنجایش نہیں۔ اسنے اپنے آقا اور اسکے خاندان سے ہرگز کسی قسم کی بیوفائی نہیں کی اور جو کچھ کیا وقت کی مصلحت کے موافق کیا۔ شمس سراج عفیف کے الفاظ یہ ہیں۔

"چوں بعد از شرط عزا خواجہ جہان از ماتم برخاست گفتار ملیح راست پنداشت دریا محل خواجہ جہان اجتہاد کردہ پسر سلطان محمد را بپادشاہی نشاندہ بتقدیر اللہ تبارک وتعالیٰ در اجتہاد خواجہ جہان غلط افتادہ چوں خواجہ جہان شنید کہ ملک امیر حاجب (فیروز تغلق) سلامت است و در ملک نشستہ بر غلط اجتہاد واقف شد۔"

ادھر دریائے سندھ کے کنارے سلطانی لشکر میں یہ صورت پیش آئی کہ ۲۴ محرم ۷۵۲ھ کو خواجہ نصیر الدین رحمۃ چراغ دہلی کی کوشش سے فیروز تغلق کی تخت نشینی کے مراسم ادا کیے گئے۔ فیروز تغلق تخت نشین ہونے کے بعد مغلوں کو بھگا کر اور عماد الملک اور امیر علی غوری کو طغی نمک حرام کی سرکوبی پر مصلحتًا مامور کرکے معہ لشکر دہلی کی جانب روانہ ہوا۔ طغی نمک حرام ٹھٹھہ سے نکلکر گجرات کی طرف جا رہا تھا کہ عماد الملک کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور عماد الملک جلد واپس آکر لشکر فیروز شاہی میں شامل ہو گیا۔ چند روز کے بعد سفر کی کسی منزل میں فیروز تغلق نے یہ خبر سنی کہ دہلی میں سلطان محمد تغلق کے بیٹے کو خواجہ جہان ملک احمد ایاز نے تخت سلطنت پر بٹھا دیا ہے۔ ادھر ملک احمد ایاز کو معلوم ہوا کہ

فیروز تغلق زندہ و سلامت موجود اور بادشاہ بنکر دہلی کی جانب آرہا ہے۔ شمس سراج عفیف کہتا ہے کہ:۔

"چوں خواجہ جہان اخبار دولت سلطان فیروز شنید بر غلط خود تاسف بسیار خورد"

چونکہ تمام گروہ صوفیا قدامت پسند اور مراسم پرست علما اور اکثر امرا مذکورہ سازش میں شریک اور خواجہ جہان کے مخالف تھے اسلیے خواجہ جہان کو فیروز تغلق کی مخالفت میں کامیابی کی کوئی توقع نہیں ہو سکتی تھی بلکہ اس کو اپنی سلامتی کی امید بھی صرف اسلیے تھی کہ فیروز تغلق پر اسکے احسانات ثابت تھے اور معمولی انسانی شرافت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ فیروز تغلق خواجہ جہان ملک احمد ایاز کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہونچنے دے۔ چنانچہ ملک احمد ایاز کو اطمینان تھا کہ فیروز تغلق جب اصل حقیقت اور واقعہ کی اصل نوعیت سے واقف ہوگا تو میرے ساتھ کوئی برائی نہ کرے گا۔ اسی طرح فیروز تغلق کو بھی اس بات کا یقین تھا کہ ملک احمد ایاز میرا بدخواہ نہیں ہے۔ قوام الملک خان جہاں نومسلم نے جب یہ سنا کہ فیروز تغلق معہ لشکر سرستی کے مقام پر پہونچ گیا ہے تو عجیب چالاکی سے کام لیا کہ خواجہ جہان کو خبر کیے بغیر تنہا دہلی سے چلا یا اور فیروز تغلق سے آملا۔ فیروز تغلق اسکے آنے سے بہت خوش ہوا اور وزارت کا وعدہ دیا۔ اسی روز شہزادہ فتح خاں فیروز تغلق کی گوجری بیوی کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ شمس سراج عفیف کی روایت کے موافق اگلے دن خواجہ جہان ملک احمد ایاز بھی فیروز شاہ کی خدمت میں پہونچ گیا اور اپنی غلطی اور غلط فہمی کا حال سنا کر معافی چاہی۔ ضیاء برنی کہتا ہے کہ ملک احمد ایاز قوام الملک خان جہاں کے پہونچنے سے کئی روز کے بعد پہونچا لیکن شمس سراج عفیف کا بیان صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اگلے ہی دن پہونچ گیا تھا۔ شمس سراج عفیف کی روایت کے موافق فیروز تغلق ملک احمد ایاز کے ساتھ عزت و مرحمت کا برتاؤ کرنا چاہتا تھا مگر اکثر سرداران لشکر اور امرا نے متفق ہو کر اس بات پر زور دیا کہ ملک احمد ایاز کو قتل کیا جائے۔ فیروز تغلق رضامند نہ ہوتا تھا مگر جب اسکو یہ معلوم ہوا کہ اکثر امرا بغاوت پر تلے ہوئے ہیں تو اسنے حکومت و بادشاہت کو بچانا ضروری سمجھکر خواجہ جہان کے متعلق امیروں کو اختیار دیدیا کہ جو تمہارا جی چاہے اسکے ساتھ سلوک کرو۔ شمس سراج عفیف کہتا ہے کہ:۔

"حضرت فیروز شاہ چوں دید کہ ایشاں ہر ہمہ ہمہ متفق فراست در مرگ بسیاست ہمائے

تلف کرد خواجہ جہان بیک زبان متفق شدہ اند سلطان فیروز از غایت نیکی و نہایت اندیشہ سپید گونہ شد و چند روز ہمہ راں اندوہ بود و روز و دریاے دل خویش از تاثیر تامل بیش ابواب تفکر می کشود بعد از فکر بسیار و تامل بیشمار حضرت جہاندار ملک عماد الملک را در محل خلوت طلبید اسرار نہانی بہ پنہانی بگوش او رسانید۔ فرمان فرمود برو و بر مقربان درگاہ و دولت خواہان بارگاہ بگو کہ اختیار کار خواجہ جہاں بدست شما دادم ہر چہ ایشا نرا مصلحت آں چنیں بر خواجہ جہان کنند از سر خواجہ جہان باز آمدم و از سر شما باز آمدن نتوانم"

ان ظالموں نے اس مرد باخدا کو شہید کر کے دم لیا۔ شہادت کے وقت خواجہ جہاں نے وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور حضرت شاہ نظام الدین اولیا رحمہ کی دستار سر سے باندھ کر سجدہ میں سر رکھا اور کلمۂ طیبہ پڑھا اسی حالت میں سر تن سے جدا کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خواجہ جہان ملک احمد ایاز نے کسی شخص کو کوئی نقصان نہیں پہونچایا تھا لیکن اسکی روشن خیالی اور پابندی کتاب و سنت نے اوہام پرستوں کو اسکا دشمن بنا دیا تھا۔ اور امیر خسرو علیہ الرحمہ کی وفات کے وقت سے اس دشمنی کا سلسلہ جاری تھا شیخ نصیر الدین چراغ دہلی اور دوسرے لوگوں نے یہ چاہا تھا کہ حضرت امیر خسرو رح کو حضرت نظام اولیا رحمہ کے پہلو میں دفن کریں۔ خواجہ احمد ایاز نے مانع ہو کر شیخ رحمہ کے پائین دفن کرایا اسی وقت سے خواجہ جہان کے ساتھ اکثر مریدین شیخ کو ملال اور نقار چلا آتا تھا۔ شمس سراج عفیف نے ملک احمد ایاز کے شہید ہونے کا حال نہایت رقت انگیز الفاظ میں مفصل لکھا ہے لیکن ضیاء برنی ملک احمد ایاز کو برا کہنے۔ تحقیر کرنے اور گالیاں دینے میں تو صفحات رنگتا چلا گیا ہے یہ بھی بتا دیا ہے کہ وہ اور اسکے ساتھ چھ سات آدمی اور فیروز شاہ کے حکم سے قتل ہوئے لیکن ملک احمد ایاز کس طرح شہید یا قتل کیا گیا۔ اس کی نسبت ایک لفظ زبان پر نہیں لاتا۔ سلطان محمد تغلق کے ہفت سالہ بیٹے کو بھی جو جمادی الآخر دہلی پہونچکر فیروز تغلق نے یقیناً قتل کرایا لیکن اسکے قتل کا کوئی تذکرہ تاریخوں میں موجود نہیں ہے۔

سلطان محمد تغلق کی وفات کا سبب بہت مشکوک ہے

اسی سلسلے میں بھی

بتا دینا ضروری ہے کہ ضیائے برنی۔ شمس سراج عفیف۔ خواجہ نظام الدین احمد۔ محمد قاسم اور فرشتہ وغیرہ میں سے کوئی بھی اس بات کا اقرار نہیں کرتا کہ سلطان محمد تغلق کی زندگی میں اسکو معزول یا مقتول کرنے اور فیروز تغلق کو بادشاہ بنانے کی کوشش یا سازش میں کسی مولوی یا کسی صوفی نے کوئی حصہ لیا تھا لیکن ملا عبدالقادر بدایونی صاف لکھتے ہیں کہ عوام میں یہ مشہور ہے کہ بادشاہ کی زندگی ہی میں حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی نے فیروز شاہ کو بادشاہ بنانے کی کوشش کی تھی اور اسی لیے شیخ اور فیروز تغلق دونوں دہلی سے گرفتار کرا کر طلب کیئے گئے تھے۔ محمد تغلق ان دونوں کو قتل کراتا لیکن جس روز یہ لشکر میں پہونچے اسی روز سلطان کا انتقال ہوا اور لوگوں نے فیروز تغلق کو بادشاہ بنایا اور اسنے تخت نشین ہو کر صوفیوں کے نام بڑی بڑی جاگیریں مقرر کیں۔ اس روایت کو صحیح تسلیم کر لینے کے بعد معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے اور فیروز تغلق کے طرفدار مورخین کے ڈالے ہوئے تمام پردے جنھوں نے اصل واقعات کو سخت پیچیدہ و ژولیدہ بنا رکھا ہے اٹھ جاتے ہیں۔ ایک طرف خواجہ جہان کا واقعہ قتل صاف نظر آجاتا ہے تو دوسری طرف سلطان محمد تغلق کا حادثہ وفات ہی بہت مشتبہ اور مشکوک ہو جاتا ہے اور خواہ مخواہ ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ سلطان محمد تغلق کو زہر دیکر قتل کیا گیا اور اس واقعہ کو چھپانے کے لیئے کئی دوسری باتیں بنالی گئیں۔ ضیائے برنی اور اسکے مقلد مؤرخین نے سلطان محمد تغلق کے بیٹے کا وجود بھی تسلیم نہیں کیا لیکن شمس سراج عفیف سلطان محمد تغلق کے بیٹے کا موجود ہونا تسلیم کرتا اور دلیل میں قاضی کمال الدین کا بیان پیش کرتا ہے۔ ملا عبدالقادر بدایونی کی روایت میں سلطان کے ایک بیٹے کا سلطان کے ہمراہ لشکر میں موجود ہونا بیان کیا گیا ہے جو سلطان کے حادثہ وفات کے وقت شکار میں گیا ہوا تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ جوان اور بادشاہت کے قابل تھا۔ اسکو یقیناً قتل کر کے فیروز تغلق کو تخت نشین کیا گیا ہوگا۔ اس طرح سلطان محمد تغلق کا ایک ہی بیٹا نہیں بلکہ دو بیٹے ثابت ہو جاتے ہیں۔ جسقدر روایات اور حالات فراہم ہو سکے سب قارئین کرام کے پیش نظر ہیں جو چاہیں فیصلہ کریں۔ ○

تنگ نظر و اوہام پرستوں کا دور دورہ

سلطان فیروز تغلق کی علم و فضل

میں وہ درجہ حاصل نہ تھا جو سلطان محمد تغلق کو حاصل تھا نہ اسکی نظر علوم دینیہ میں وسیع تھی نہ وہ سلطان محمد تغلق کی طرح قوی القلب اور عالی حوصلہ تھا۔ سلطان محمد تغلق پابندیٔ شرع کا خاص اہتمام رکھتا اور غیرت دینی کا ہمیشہ اظہار کرتا تھا فیروز تغلق اس معاملے میں بہت کمزور اور امرائے سلطنت سے مرعوب تھا۔ انکی منشا کے خلاف کسی کام کے کرنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ ملک احمد ایاز وزیر اعظم کے سوا اور کوئی شخص امرائے سلطنت میں ایسا نہ تھا جو محمد تغلق کی طرح دل سے مسلمانوں کو کتاب و سنت کا عامل بناکر بدعات و مراسم کی پابندی سے بچانا ضروری کام سمجھتا ہو ملک احمد ایاز اور اسکے ہمخیال سب قتل کر دیے گئے۔ قتلغ خاں کے بیٹے کو الپ خاں کا خطاب دیکر زمرۂ امرائے کبار میں شامل کیا گیا قتلغ خاں کے بھائی نظام الملک امیر حسین کو گجرات کی حکومت سپرد کی گئی۔ قوام الملک خاں جہاں نو مسلم ملک احمد ایاز کو دھوکہ دیکر اور فیروز تغلق کے پاس پہلے پہونچکر اپنی سرخروئی کا سامان کر چکا تھا اور وہی ان تمام امرا کا سرگروہ بنا جنھوں نے ملک احمد ایاز کے قتل پر فیروز تغلق کو مجبور کیا اس طرح خانجہاں کے لئے وزارت عظمےٰ کا عہدہ خالی ہوا۔ باقی تمام امرا قتلغ خاں کی سازش میں شریک یا کم از کم دل اس سازش کے ہمدرد اور بظاہر سلطان محمد تغلق کے خیر خواہ تھے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ فیروز تغلق نے تخت نشین ہوتے ہی ان تمام مولویوں۔ مفتیوں۔ قاضیوں اور پیروں کے بڑے بڑے روزینے مقرر کر دیئے جو سلطان محمد تغلق کے زمانے میں معزول و مطرود ہوکے بےشغل ہو گئے تھے۔ محمد تغلق کے زمانے کا تمام انتظام درہم کر دیا گیا۔ مولانا قاضی کمال الدین قاضی القضاۃ کو معزول کرکے سید جلال الدین کرمانی کو نیا قاضی القضاۃ بنایا گیا اور اسکو صدر صدور جہاں کا خطاب دیکر تمام شرعی محکموں کا مطلق العنان حاکم بنا دیا گیا ضیاء برنی کے الفاظ یہ ہیں۔

"بادشاہ اسلام خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ اوراء امور احکام شرع محمدی کلاً جملۃً مطلق العنان گردانیدہ و تعیین اوراراتہا و انعامات جماہیر علماء دار الملک و تمامی بلاد و ممالک بصدر صدور جہاں مفوض گشتہ"

اسی طرح مخدوم جہانیاں شیخ جلال الدین رحمہ کو شیخ الاسلامی دیگئی اور حضرت ابو فتح شیخ رکن الدین ملتانی رحمہ کو شیخ الاسلامی سے اسلیئے برطرف کیا گیا کہ وہ شرکیہ و بدعیہ

مراسم کے دشمن اور سلطان محمد تغلق کے ہمخیال و مؤید تھے۔ فیروز تغلق نے ۷۲۹ھ میں جبکہ وہ سلطان محمد تغلق کی غیر موجودگی میں بطور نائب السلطنت دہلی میں مقیم تھا ایک ہندو گوجر کی لڑکی سے شادی کرکے اپنے باپ کی سنت کو پورا کیا تھا۔ اس ہندو خاندان کے اکثر افراد اسکی مصاحبت میں داخل تھے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بتدریج اُن خیالات اور ان بدعات و مراسم کی طرف مائل ہوگیا تھا جو اس ملک کی آب وہوا سے نشوونما پاکر مسلمانوں میں داخل اور رائج ہوچکے تھے اور جنکو محمد تغلق نے مٹانے کی زبردست کوشش کی تھی۔ غرض سلطان فیروز تغلق کی کمزوری سمجھو یا اسکی کم علمی قرار دے لو کہ اسکے تخت نشین ہوتے ہی سب سے پہلا اور سب سے بڑا تغیر یہ ہوا کہ عالم نما جاہلوں۔ شکم پرور کاہلوں۔ نام نہاد صوفیوں اور مشایخ زادوں کے بھاگ کھل گئے اور کتاب و سنت کی ترویج و اشاعت کا نظام بکلی درہم برہم ہوگیا۔ مولانا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ ایک صاحب نے جنکا نام مولانا داؤد تھا ہندی زبان میں ایک مثنوی لکھی جس میں ایک عشقیہ قصہ بیان کیا گیا تھا۔ عہد فیروزی کے ایک دوسرے مولانا جنکا نام تقی الدین واعظ تھا اس ہندی مثنوی کو منبر پر پڑھا کرتے تھے۔ کسی عالم نے انسے پوچھا کہ ہندی مثنوی کے منبر پر پڑھنے کی کیا ضرورت ہے تو واعظ صاحب نے جواب دیا کہ اس کا مضمون اقوال تصوف کے موافق ہے۔

اسلام ملک عرب سے شایع ہوکر شام۔ عراق۔ مصر ایشیائے کوچک۔ ایران خراسان۔ ترکستان۔ طرابلس۔ الجیریا۔ مراقش۔ اندلس۔ سندھ۔ پنجاب۔ شمالی ہند دکن۔ چین۔ روس۔ بلقان۔ بحر الکاہل کے جزائر اور براعظم افریقہ کے علاقوں میں پہنچا ان ملکوں کے قدیم مذاہب۔ قدیم تمدن۔ اور قدیم معاشرت کو یکساں طور پر اسلام کے اثر سے مغلوب ہونا پڑا لیکن ہر جگہ اسلام کو بھی عارضی طور پر جدا جدا مشکلات کا سامنا پڑا ایران و خراسان و عراق عجم میں مجوسی عقائد اور مجوسی اخلاق کا اثر تا دیر وہاں کے نومسلمین میں باقی رہا اور وہاں جداقسم کی مشکلات پیش آئیں۔ شام و مصر وغیرہ میں مسیحیت کی باقیات نے وہاں کے نومسلموں کو عرصہ دراز تک متاثر رکھا اور اسرائیلیات کا ایک بیہودہ ذخیرہ اسلامی تصنیفات میں شامل ہوگیا۔ ہندوستان کے اندر سندھ و مالابار وغیرہ میں اگرچہ عربوں کے ذریعہ اسلام آیا لیکن چند روز کے بعد عربوں نے اس طرف سے

توجہ ہٹالی اور پھر افغانوں کے ذریعہ تمام برِ اعظم ہندوستان میں اسلام شایع ہوا۔ ان افغانی یا ترکستانی قبائل کو جنہوں نے ہندوستان میں اسلامی حکومت قایم کی تھی علومِ دینیہ کی طرف زیادہ توجہ کا موقع نہیں ملا تھا۔ یہ لوگ زیادہ تر ایرانیوں اور خراسانیوں کے مقلد تھے لہذا ہندوستانی قومیں جو اسلام میں داخل ہوئیں اُن کو ہندوستان کے قدیم مذاہب یعنی بودھ مذہب۔ برہمنی مذہب۔ غیر آریائی عقائد۔ لاتعداد تیرتھ استھانوں اور مروجہ پورانوں سے تعلق رکھنے والے اعمال و عقائد کے کچھ کچھ مٹے مٹائے خاکے باقی رکھنے کا موقع مل گیا اور بہت سی غیر اسلامی مراسم اور غیر اسلامی اعمال نے اسلامی جامہ پہنکر تصوف کے مختلف خانوادوں اور پیری مریدی کے سلسلوں۔ اور غیر علمی خانقاہوں میں پناہ لے لی حتیٰ کہ ابن بطوطہ اپنے سفرنامے میں صاف طور پر لکھتا ہے کہ میں نے ہندوستان میں بعض مسلمانوں کو دیکھا کہ وہ جوگیوں کے چیلے تھے۔

میں اس موضوع پر کہ کس کس زمانے اور کس کس مقام میں کن کن اسباب کے باعث کون کون سی غیر اسلامی مراسم اور بدعات مسلمانوں میں رائج ہوکر ہندوستان میں اسلام کو کیا کیا مشکلات پیش آئیں اور کس کس مردِ با خدا نے اسلام کو اُسکے اصلی رنگ میں پیش کرنے کی کیسی کیسی کوشش کی ایک مستقل تصنیف کا عزم رکھتا ہوں و باللہ التوفیق۔ سلطان محمد تغلق کے تذکرے میں بعض باتیں ضرورتاً اور مجبوراً بیان کرنی پڑیں اب ملک احمد ایاز کی شہادت کے بعد اس خاص قسم کی باتوں کو جو اتفاقاً شروع ہوگئی تھیں اس تصنیف میں ختم سمجھنا چاہیے۔

عہدِ فیروز تغلق کے قابلِ تذکرہ حالات

فیروز تغلق دریائے سندھ کے کنارے مراسمِ تخت نشینی ادا کرنے کے بعد دہلی کی جانب روانہ ہوا اور پانچ مہینے کے بعد اس سفر کو ختم کرکے دہلی پہونچا۔ راستے میں سیوستان بھکر۔ اُچ۔ ملتان۔ دیپالپور۔ پاک پٹن۔ بھٹنیر۔ سرستی۔ ہانسی وغیرہ ہر ایک مقام پر مقیم ہوتا۔ وہاں کے پیروں سے نیاز مندانہ ملت نذرانے پیش کرتا اور مزاروں پر حاضری دیتا ہوا آیا۔ ملک احمد ایاز کا خون بہا قوام الملک خان جہاں نو مسلم کو وزیرِ اعظم بنا کر سلطنت کا تمام و کمال اختیار اُسکے

سپرد کیا۔ سید جلال الدین کو صدر صدور جہان بنا کر دینی و مذہبی کاموں کا تمام و کمال اختیار اُن کے ہاتھ میں دیا۔ پہلے فوج کو نقد تنخواہیں شاہی خزانے سے دیجاتی تھیں اور جاگیرداری کا قاعدہ منسوخ کر دیا گیا تھا۔ سلطان فیروز تغلق نے دہلی آتے ہی پھر جاگیروں کا قاعدہ جاری کر دیا۔

سرمور کے ہندو راجا کی نسبت سرکشی و بغاوت کی شکایت پہونچی اور فیروزشاہ نے ۵ ماہ صفر سنہ ۷۵۳ھ کو دہلی سے سرمور کی جانب کوچ کر کے اس بغاوت کو فرو کیا اور اس نواح کے تمام راجاؤں سے اقرار اطاعت لیا۔ ۳ جمادی الاول سنہ ۷۵۳ھ کو دہلی میں شہزادہ محمد خاں پہلی بیوی کے پیٹ سے پیدا ہوا۔

بنگالہ پر چڑھائی اوپر بیان ہو چکا ہے کہ سنہ ۷۴۴ھ میں سلطان محمد تغلق حاجی الیاس کو شمس الدین کا خطاب دیکر بنگالہ کی حکومت سپرد کر آیا تھا۔ حاجی الیاس نے جب سلطان محمد تغلق کی وفات اور ملک احمد ایاز کے شہید ہونے کا حال سنا تو وہ اپنی خودمختاری کا اعلان اور باج و خراج سے قطعاً انکار کر کے بنارس تک کے علاقے پر قابض و متصرف ہو گیا۔ سلطان فیروز تغلق دہلی میں اپنے وزیر اعظم خان جہان کو بطور نائب السلطنت چھوڑ کر خود معہ فوج ۱۰ شوال سنہ ۷۵۴ھ کو دہلی سے بنگالہ کی جانب روانہ ہوا۔ جب گورکھپور اور کھروسہ کے علاقے میں پہونچا تو گورکھپور کے راجہ جیارن نامی نے حاضر خدمت ہو کر نذرانہ پیش کیا اور معہ فوج شاہی لشکر کے ساتھ ہوا۔ یہی طریقہ کھروسہ کے راجہ اودے سنگھ نے بھی اختیار کیا۔ یہ دونوں راجا صوبہ اودھ سے متعلق اور صوبہ دار اودھ کو خراج ادا کرتے تھے۔ سلطان نے خوش ہو کر راجہ جیارن اور اودے سنگھ کو اودھ کے صوبہ دار کی ماتحتی سے آزاد کر کے خود اختیاری و استقلال کے نشانات عطا کیے اور ان کو براہ راست شاہی خزانے میں اپنا خراج بھیجنے کا امتیاز عطا ہوا شمس سراج عفیف کہتا ہے کہ۔

"بعضے راویان بدیں مورخ ضعیف گفتہ دراں وقت کہ لشکر سلطان گذارمی شد سلطان فیروزشاہ رارائے جیارن راچتر دادہ"

ضیائے برنی کہتا ہے کہ۔

چوں رایات اعلیٰ در دیار گورکھپور و کھروسہ درآمد رائے گورکھپور کہ بس بزرگ

رائے ست و رائے کھروسہ پیش از فترتہا و تنفرہا و پریشانیہا خراجگذار شق اودھ بودند که سالہا تمرد ورزیده و خراج باز گرفته بودند چوں رایات اعلیٰ آنجا رسید رایان مذکور در پیش دا خول خدایگانی آمدند و با خدمتیات خود زنجیر پیل گذرانید و عواطف خسروانہ چتر و تاج و قبائے مکلل و مرصع و اسپان تنگ بست یافت و چند مقدمان دیگر که در ولایت او بزرگ و رانا بودند با او جامه پوشیدند و رائے کھروسہ نیز باندازۂ ولایت خود خدمتیات گذرانید و با مقدمان ولایت خود جامہ یافت و کسوت مرحمت پوشید و رایان مذکور از سر اخلاص حلقه بگوش کشیدند و منقاد و مطیع درگاه اعلیٰ شدند و چندیں لکھوک تنکہ نقره از بقایائے سنوات ماضیه در خزانه لشکر رسانیدند و در سنوات مستقبل خراج معین پذیرفتند و وثیقه ہائے خراج بدایوں اعلیٰ دادند و از پیش تخت اعلیٰ محصلان خراج نامزد شدند و رایان مذکور با جمیع سوار و پیادۂ خود دنبال رایات اعلیٰ بر سمت لکھنوتی و پنڈوه روان شدند۔"

شمس الدین حاکم بنگالہ فیروز شاہ تغلق کے آنے کی خبر سنکر ترہت سے پنڈوہ پہونچا اور پنڈوہ میں بھی قیام مناسب نہ سمجھکر تمام سازوسامان اور لشکر و اہل شہر کو ہمراہ لیکر پنڈوہ سے سات کوس کے فاصلے پر مقام اکدالہ میں جا کر محصور ہوا۔ مقام اکدالہ ایک طرف دریا اور دوسری طرف جنگل سے محصور اور زیادہ مضبوط مقام تھا۔ فیروز تغلق گورکھپور سے روانہ ہو کر مقام جگت میں پہونچا۔ جگت سے روانہ ہو کر جب ترہت میں گیا تو ترہت کا راجا اور اس علاقے کے ہندو زمیندار جو شمس الدین کے ماتحت تھے سب فیروز تغلق کی خدمت میں حاضر ہو کر مورد الطاف خسروانہ ہوئے۔

"رایات عالی از گورکھپور در جگت رسید و از جگت بر طریق تماشا در ترہت سایه انداخت رائے ترہت و رانگان و زمینداران آں عرصه بدرگاه پیوستند و خدمتیات گذرانیدند و خلعتہا و نوازشہا یافتند و عرصه ترہت مطیع و منقاد گشت و از لشکر اسلام در عرصه ترہت اکفتے نرسید۔" (برنی)

فیروز تغلق اکدالہ کے قریب دریا کے اس طرف قیام کر کے کئی ہفتے تک مقیم اور حاجی الیاس شمس الدین اکدالہ میں اس طرف متحصن رہا۔ اس عرصہ میں بنگالہ کے تمام ہندو امرا جو شمس الدین کے ماتحت تھے فیروز تغلق سے آملے۔

"از طائفۂ راوان و رانگان و زمینداران ولایت بنگالہ بحضرت سلطان فیروز می پیوست و امان می دادند" (شمس عفیف)

فیروز تغلق کی فوج میں گوڑ، کھپور اور کھردسہ کے راجا معہ اپنی جمعیتوں کے پہلے ہی شامل تھے اب بنگالے کے تمام ہندو بھی اس سے آملے لہذا اسکے لشکر میں ہندوؤں کی کثرت ہوگئی آخر شمس الدین خود ہی فوج لیکر اس طرف آیا اور ۵ ربیع الاول ۷۵۴ھ کو سخت مقابلہ ہوا شمس الدین میدان جنگ سے شکست خوردہ فرار ہو کر پھر اکدالہ کے قلعہ میں واپس چلا گیا۔ ضیاء برنی کی روایت کے موافق چوالیس ہاتھی اور شمس سراج عفیف کی روایت کے موافق سینتالیس ہاتھی اس لڑائی میں بطور مال غنیمت ہاتھ آئے۔ فیروز تغلق انھیں ہاتھیوں کو کافی سمجھ کر اور اکدالہ کا نام آزادپور اور پنڈوہ کا نام فیروز آباد رکھ کر بنگالہ سے واپس چلا آیا۔ اس مہم سے بجز ۴۴ یا ۴۷ ہاتھیوں کے اور کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا۔ حاجی الیاس المخاطب بہ شمس الدین اب پہلے سے بھی زیادہ مضبوطی اور شان و شوکت کے ساتھ بنگالہ کا خود مختار اور مطلق العنان بادشاہ ہو کر حکومت کرنے لگا۔ اکدالہ کو فتح اور حاجی الیاس کو گرفتار یا قتل کیے بغیر فیروز تغلق اس لیے واپس چلا آیا کہ اسکی فوج میں ہندوؤں کی کثرت تھی بلوہ اکدالہ میں حاجی الیاس کے ساتھ جو لوگ محصور تھے وہ سب مسلمان تھے۔ ہندوؤں نے قطعاً اسکا ساتھ نہیں دیا تھا۔ فیروز تغلق کو اپنے ہمراہی ہندو لشکر کا اشتیاق لوٹ مار کی نسبت معلوم ہو چکا تھا۔ اسکی غیرت اسلامی نے گوارا نہ کیا کہ جاہل لشکریوں سے شرفا کے ناموس کو برباد کرائے۔ ضیاء برنی نے اسکو صاف الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے۔

از باعث ایمانی در خاطر مبارک گذشت چوں لشکر از آب عبرہ کنند و بہ بیل سلطانی اکدالہ را تاراج کنند ہر آئنہ در چنیں ہجومے کثیر گناہگار و بیگناہ بزیر تیغ آیند و بواسطۂ تغلب الیاس مشطط چندیں مسلمانان بیگناہ ریختہ شوند و محارم مسلمانان شود و محارم مسلمانان سنی پرست اوباش خلق پایک و دہاک و مشرک و کافر خواہد افتاد و سفاحہا آشکارا خواہد شد و علویان و دانشمندان و صوفیان و مسلمان و درویشان و گوشہ نشینان و غریبان و مسافران تلف خواہند شد"

ضیاء برنی کے مذکورہ الفاظ سے اس امر کا سراغ بخوبی چل جاتا ہے کہ فیروز تغلق

کے لشکر میں کن لوگوں کی کثرت تھی اور حاجی الیاس شمس الدین کے ہمراہیوں میں کون لوگ تھے شمس سراج عفیف اس موقع پر فیروز تغلق کے الفاظ اس طرح نقل کرتا ہے کہ

چوں من درون ایں حصار درآیم و بدیں مسلمانان قوت نمایم چندیں عورات مستورات مخدرات بدست نااہلاں گرفتار گردند فرداے قیامت آں ساعت صد قناپیش کرسی قضا چہ روئے نمایم پس میان من وطائفہ مغل چہ فرق باشد"

فیروز تغلق کی ہندو بیوی | فیروز تغلق دس مہینے کے بعد ۱۲ شعبان ۷۵۵ھ کو بنگالہ کے سفر سے واپس ہو کر دہلی میں داخل ہوا۔ دہلی آتے ہی اسنے موضع لراس بزرگ اور موضع لراس خورد کے مقام پر حصار فیروزہ (جو آج کل شہر حصار کے نام سے مشہور اور ضلع حصار کا دارالصدر ہے) کی آبادی و تعمیر کی طرف توجہ کی۔ یہ تمام علاقہ غیر آباد اور جنگل تھا دور دور تک آبادی کا نام ونشان نہ تھا صرف مذکورہ دو موضعے پاس پاس آباد تھے اور ان میں گوجر رہتے تھے جو اس زمانے میں عموماً قطاع الطریق اور جرائم پیشہ تھے۔ ڈھائی سال کے عرصہ میں سلطان فصیل شہر، کوشک شاہی اور جامع مسجد وغیرہ کی تعمیر سے فارغ ہوا۔ اسی عرصہ میں فتح آباد کو بھی آباد کیا۔ جمنا سے نہر لایا۔ ان دونوں شہروں کو گلزار سدا بہار بنا کر ان کے درمیانی علاقے میں بکثرت گانوں اور قصبے آباد کردیئے۔ پانی کی نایابی سے یہ خطہ ویران اور ناقابل زراعت سمجھا جاتا تھا۔ جمنا اور ستلج سے نہریں نکالکر اس علاقے کو آباد و سرسبز بنانا درحقیقت سلطان محمد تغلق کی مجوزہ اسکیم کو عملی جامہ پہنانا تھا مگر شہر حصار فیروزہ کی تعمیر و آبادی کے متعلق مجکو ایک خاص بات کی طرف جو آگے آتی ہے توجہ دلانی ہے اور اسلیے مذکورہ الفاظ بطور تمہید لکھنے پڑے ہیں۔ شمس عفیف کہتا ہے کہ

"ایں مورخ از زبان خدمت والد خود شنید کہ سلطان فیروز شاہ بعد از آمدن از مملکت بنگالہ دو نیم سال طرف حصار فیروزہ بود و برائے استمالت مملکت انواع جدھی نمود و ابواب احسان بسوئے ایشاں می کشود و بنائے شہر حصار فیروزہ ہمدراں ایام بود بہر بار کہ سلطان فیروز در شہر (دہلی) آمدے چندروز معدود ماندے باز ہمانجا رفتے۔ چوں شاہ فیروز را اتفاق بنائے شہر حصار فیروزہ در دل افتاد درمحلیکہ شہر حصار فیروزہ آباد دانست پیش ازیں بحکمت حضرت رب العالمین

دراں مقام دو دیہہ بزرگ آبادان بود یکے لراس بزرگ دوم لراس خورد۔"
شمس سراج عفیف کے بیان سے حصار فیروزہ کے مقام پر دو گاؤں کا پہلے سے آباد ہونا ثابت ہے۔ خواجہ نظام الدین احمد اپنی طبقات میں بجائے دو کے ایک ہی گاؤں بیان کرتے اور اس کا نام راکیس لکھتے ہیں۔ ملا عبدالقادر بدایونی اس گاؤں کا نام راس یا راسن بتاتے ہیں۔

حصار کی فصیل۔ جامع مسجد اور شاہی محل آج بھی موجود ہیں۔ آج کل بھی اور اس سے پہلے بھی حصار کا کوشک شاہی ہمیشہ گوجری محل کے نام سے مشہور رہا ہے حصار کے اس گوجری محل کی نسبت شہر کے تمام قدیم خاندانوں اور ریاست ضلع کے تمام قصبوں میں عظیم الشان تواتر کے ساتھ بلا اختلاف احد سے یہ بات مشہور ہے کہ فیروز شاہ نے یہ محل اپنی گوجری بیوی کے لیے تیار کرایا تھا۔ اس محل کے توابعات مخصوصات اگرچہ سب منہدم اور ناپید ہوچکے ہیں لیکن اسکی خاص عمارت آج بھی بہت کچھ اپنی اصلی حالت میں موجود اور باقی ہے۔ میں نے خود اسی تحقیق کے لیے حصار کا سفر اختیار کیا اور وہاں جاکر اس عمارت کو دیکھا۔ یہ عمارت خود اس بات کی گواہی دے رہی ہے کہ فیروز شاہ تغلق نے اپنی بیوی کی فرمائش سے یا اسکو خوش کرنے کے لیے یہ محل تعمیر کرایا تھا۔ شمس سراج عفیف نے اس گوجری محل کا نقشہ جو الفاظ میں پیش کیا ہے اس طرح ہے۔

"در درون حصار یک کوشک برآوردند کہ در جہان ہیچ کسے یا ہیچ کس بسے آنچناں کوشک را نشان نہ دادہ چندیں محل دراں کوشک محل نشستن بار جانہادہ با تکلف بسیار برآوردہ و حکمتہائے بیشمار دروے داشتہ یک حکمت دراں کوشک ایں بود اگر کسے با فراست بسے درون کوشک محل فرودآمدے چون محل گشتے درمیان آن رسیدے محل میانہ فرودہ کوشک بغایت تاریک با مقام باریک کہ اگر نگاہبانان آں کوشک رہبری نمیکردندے ازاں تاریکی بیروں آمدن ممکن نبودے چنیں گویند دستے فراشے تنہا دراں مقام در آمدہ بود چند روز غائب شدہ بعدہٗ نگاہبانان درآمدند ازاں تاریکی بیروں آوردند۔"

ملک گجرات کی مشہور تاریخ مراۃ سکندری میں سلطان فیروز تغلق کے ایک شکار کا واقعہ اس طرح درج ہے کہ فیروز تغلق سلطان محمد تغلق کے عہد حکومت میں ایک دفعہ

شکار کے لیے گیا اور کسی شکار کے پیچھے گھوڑا ڈال کر ہمراہیوں سے جدا ہو گیا۔ اس صحرا نوردی میں ایک گاؤں نظر آیا۔ فیروز تغلق نے دیکھا کہ گاؤں کے کچھ لوگ گاؤں سے باہر ایک جگہ بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے ہیں یہ گھوڑے سے اتر کر انکے پاس جا بیٹھا اور اُن میں سے ایک شخص سے مخاطب ہو کر کہا کہ ذرا میرے پانوں کا موزہ کھینچنا۔ اسنے موزہ پاؤں سے اتارا اور علیحدہ ہو کر اپنے بھائی سے کہا کہ مجھے تو یہ شخص بادشاہ یا شاہی خاندان کا کوئی معزز آدمی معلوم ہوتا ہے۔ یہ دونوں بھائی جنکے نام سادھو اور سہارن تھے اپنی قوم اور برادری کے سرگروہ اور بڑے آدمی سمجھے جاتے اور اسی گاؤں میں رہتے تھے انھوں نے فیروز تغلق کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ گاؤں میں چلیے اور آج رات کو ہماری مہمانی قبول کیجیے۔ مراۃ سکندری کے الفاظ یہ ہیں کہ۔

ہر دو برادر زمین خدمت بوسیدہ استدعا نمودند کہ امشب اگر کلبۂ ما را بنور مقدم خویش منور سازند ؎

ازاں طرف نپذیرد کمال تو نقصان ازیں طرف شرف روزگار ما باشد

سلطان قبول کرد تمام شب ہر دو برادر بپائے ایستادند و داد خدمتگاری دادند۔"

جب فیروز تغلق سادھو اور سہارن کے مکان پر پہونچا تو سادھو کی بیوی جو بڑی ہوشیار اور چالاک عورت تھی اسنے کہا کہ اس اجنبی شخص کو اپنے گھر ٹھہرانا اور محض قیاس و قیافے سے اسکو شاہی خاندان کا آدمی خیال کر کے خاطر مدارات کرنا عقل کے خلاف ہے مناسب یہ ہے کہ اسکو شراب پلا کر اس کا حسب و نسب دریافت کیا جائے نشہ کی حالت میں وہ اپنا پتہ صاف صاف بتائے گا۔ چنانچہ سادھو کی نوجوان ہمشیرہ اور سادھو کی بیوی دونوں اس کمرے میں جہاں فیروز تغلق کو ٹھہرایا گیا تھا شراب لیکر پہونچیں سادھو کی ہمشیرہ جو نہایت خوبصورت تھی ساقی بنی فیروز تغلق پر جب سرور طاری ہوا تو۔

"دراغب بملاعبت و مائل بمخالطت گردید زوجہ سادھو چوں سلطان را صید ساقی دید زمین خدمت بلب حرمت بوسیدہ بکلام ادب آمیز و تکلم شوق انگیز متکلم شد از ہر درے سخن آغاز کردہ تا بجائے رسانید کہ از حسب و نسب سلطان سخن براند

بمضمون آنکہ اگر ملازمان بر کیفیت حسب و نسب خود اطلاع بخشند این دختر کہ بہتر از مہر انور است مقصود بزوجیت ایشاں گردانم سلطان فرمود نام من فیروز خان است پسر عم سلطان محمد بن تغلق شاہم۔ زوجۂ سادھو حقیقت را بشوہر خود ظاہر کرد وگفت کہ ہمائے دولت و عنقائے عزت بر فرق نامراداں سایہ انداز شدہ این شاہزادہ بدام جمال خواہرت گرفتار آمدہ اگر توانی خواہر را بادہ و در صلقش را مایۂ دولتمندی و سرافرازی داں۔ سادھو فی الحال خواہر را بنکاح آوردہ و بہ سلطان داد و آں شب را بعیش تمام و نشاط مالا کلام گذرانیدند چوں پردۂ قیر گون شب ارتفاع یافت و عروس پردہ پوش آفتاب از حجلۂ افق نمایاں گشت سلطان بدل شاد از بستر ناز سر برداشت و سپاہ از ہر طرف پیدا شدہ سلطان بہ طرف شہر (دہلی) عزیمت فرمود سادھو و سہارن ہر دو برادر چوں سایہ ہمراہ رواں شدند و خود را در خدمت چناں قرار دادند کہ یک لحظہ از حضور بیروں قدم نمی نہادند سلطان را با خواہر ایشاں الفتے تمام پیدا شد آخر الامر در اندک مدت ہر دو برادر بشرف اسلام مشرف گشتند۔ سلطان سہارن را بخطاب وجیہہ الملک مخاطب ساخت۔" (مراۃ سکندری)

یہی وہ گاؤں تھا جہاں شہر حصار آباد کیا گیا اور یہی فیروز تغلق کی وہ محبوب بیوی تھی جسکے لیے حصار کا گوجری محل تعمیر ہوا اور یہی وہ سہارن نو مسلم المخاطب بہ وجیہہ الملک تھا جو فیروز تغلق کی گوجری بیوی کا بھائی اور شاہان ملک گجرات کا مورث اعلیٰ تھا اور اپنی خوشی سے حضرت شیخ قطب الدین ہانسوی کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا تھا۔

شاہان گجرات کا سلسلۂ نسب

مراۃ سکندری کے مصنف نے شاہان گجرات کا سلسلۂ نسب "ذکر سلسلۂ انساب عالی انتساب سلاطین گجرات" کا عنوان قائم کر کے اس طرح بیان کیا ہے کہ۔

"اول کسیکہ از ایشاں بشرف اسلام مشرف شدہ بصفت ایمان موصوف گشت سہارن بودہ المخاطب بہ وجیہہ الملک مشارٌ الیہ از قوم ٹانک است و در تاریخ ہنود مسطور است کہ ٹانک و کھتری برادران یکدیگراند یکے از ایشاں

بہ شرب شراب رغبت نمود و اکثر بان از قوم خود اخراج نمودند وچنیں مخرجے را بزبان ہندی نانک گویند یعنی از قوم برآوردہ شدہ ازین رسم وآئین و دین نانک امتیاز یافت وہرکدام بطریق خویش سلوک پیش گرفتند واسم پدر سہارن ہرچند است بن ہرپال بن گسند رپال بن ہرپال بن دہرپال بن کنور پال بن دہرمن بن درسپ بن کنور بن ترلوک بن سلاہن بن مولاہن بن ہمند ن بن بھوکت بن ناکت بن دولبھ بن ہسو بن سہنسو۔ سلسلۂ نسب ایشان برامچندر کہ ہندوان بخدائے می پرستند می رسد۔"

وجیہہ الملک (سہارن) مذکور کا بیٹا ظفرخاں ملک گجرات کا پہلا خود مختار مسلمان بادشاہ تھا۔ اس خاندان میں اکبر کے زمانہ تک گجرات کی حکومت رہی یہ سلاطین گجرات اعلیٰ درجہ کے خدّام اسلام اور اسلام کی بڑی غیرت رکھنے والے مسلمان تھے

حصار فیروزہ کی تعمیر وآبادی سے فارغ ہوکر ۷۵۵ھ میں سلطان فیروز تغلق نے دریائے جمنا کے کنارے دہلی سے پانچ میل شمال کی جانب شہر فیروزآباد کی بنیاد رکھی اور سب سے پہلے وہاں کی جامع مسجد تیار کرائی۔ آج کل اس شہر کا خرابہ موجودہ دہلی کے دلی دروازے کے سامنے فیروزشاہ کے کوٹلہ کے نام سے مشہور ہے اور اسی میں جامع مسجد کے خرابے کے متصل فیروزشاہ کی لاٹ تصویر حسرت بنی ہوئی ہر سیاح کو اپنی طرف متوجہ کرلیتی ہے۔

بنگالہ پر دوسری چڑھائی اسی زمانے میں ظفرخاں لودی حاضر خدمت ہوا سنارگاؤں کے حاکم فخرالدین کے مارے جانے کا تذکرہ اوپر آچکا ہے فخرالدین کے گرفتار و مقتول ہونے کے بعد اسکا داماد ظفرخاں لودی فرار ہوکر جہاز میں سوار ہوگیا اس کا جہاز مختلف بندرگاہوں میں ہوتا اور جنوبی ہند کا طواف کرتا ہوا بندر دیبل میں پہونچا اور ظفرخاں بہزار دقت اپنے وطن افغانستان پہونچنے میں کامیاب ہوا وہاں سے اپنی حالت درست کرکے پٹھانوں کی ایک مختصر جمعیت لیکر ٹھٹھہ میں آیا۔ ٹھٹھہ سے چلکر ۷۵۵ھ میں دہلی پہونچا۔ فیروز تغلق کو چونکہ بنگالہ کی مہم میں کوئی کامیابی نہ ہوئی تھی اور

بنگالہ پر دوبارہ فوج کشی اور حاجی الیاس شمس الدین سے انتقام لینے کا خیال رکھتا تھا لہذا اُسنے ظفر خاں لودی کے آنے کو اسلیے بہت ہی غنیمت سمجھا کہ وہ شمس الدین حاکم بنگالہ کا مخالف تھا۔

آں شہریار بمراحم شاہی و عواطف بادشاہی ظفر خاں رابسیار پرسیدہ وبغایت نواختہ فرمان فرمود کہ ظفر خاں خاطر جمع دارد و اندیشہ رابسوے خود نگسار اگرچہ شدائد بسیار و مکائد بیشمار دیدی و راہ ہائے مخالفت و بیداد ہائے مخوفت پیمودی المنۃ للہ بمقصود رسیدی ہرچہ در سنار گاؤں داشتی اضعاف آں بتو مفوض خواہد شد۔" (شمس سراج عفیف)

ظفر خاں کو فیروز تغلق نے نائب وزیر بنایا اور اسکے مرتبے کو دوسرے اکثر امراء سے بڑھایا۔ محمد قاسم فرشتہ شکوہ آمیز لہجہ میں کہتا ہے کہ فیروز تغلق نے افغانوں کے مراتب کو اپنے عہد حکومت میں بہت بلند کیا۔ فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں:۔

"واو اولیں بادشاہیست از بادشاہان دہلی کہ در مقام تربیت افغانان شدہ برخلاف پادشاہان ماضی اعتمادے برایشاں کردہ کسانیکہ در عہد سلطان محمد تغلق از امیران صدہ بودند از امرائے کبار گردانید و سرحدہا را بہ ایشاں سپرد و قبل ازیں ایشاں را ایں مرتبہ و حالت نبود۔" ٥

حالانکہ ہندوستان کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ خاندان غوری غور افغانی خاندان تھا۔ اس خاندان کے غلام جنھوں نے ہندوستان کی بادشاہت کی بلاشک ترکی النسل تھے۔ ان غلاموں کے بعد پھر افغانوں ہی کی حکومت شروع ہوگئی تھی اور اسی لیے شیر شاہ اعظم و سلیم شاہ تک یعنی عہد مغلیہ سے پہلے کی اسلامی حکومت کو مورخین نے دور افغانیہ کے نام سے یاد کیا ہے کیونکہ ہندوستان کو افغانوں ہی نے فتح کیا اور افغانوں ہی کی قوم سلطنت اسلامیہ کی اصل طاقت تھی۔ فرشتہ کے مذکورہ الفاظ کا مہمل ہونا کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ ظفر خاں لودی ہی وہ افغان تھا جسکے پوتوں یعنی ظفر خاں ثانی کے بیٹوں اقبال خاں۔ سارنگ خاں اور عادل خاں نے تیمور کا مقابلہ کیا تھا اور ظفر خاں لودی ہی وہ افغان ہے جسکے پوتے دولت خاں ابن محمود خاں لودی نے تیمور کے نائب اور دست گرفتہ خضر خاں کو عرصہ دراز تک دہلی پر قابض

ہونے کی کوششوں میں ناکام رکھا تھا جسکا ذکر آگے آنے والا ہے۔ فرشتہ کا دادا ہندوشاہ چونکہ تیمور کا نوکر تھا لہذا فرشتہ ظفرخاں مذکور اور اسکے خاندان سے بہت ناراض ہے اور غالباً ظفرخاں ہی کی عزت افزائی اسکو سب سے زیادہ ناگوار گذری ہے کہ اسنے فیروز تغلق کو مذکورہ الفاظ میں مجرم قرار دیا ہے حالانکہ فیروز تغلق کے وہم وگمان میں بھی افغانوں کی قوم کو کوئی خصوصیت عطا کرنے کا خیال نہ آیا ہوگا۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ ساری عمر ایک ہندو خاندان کے نومسلموں کو اپنی وزارت عظمیٰ پر فائز نہ رکھتا۔ اسنے ظفرخان لودی کے ساتھ جو کچھ کیا اپنی ضرورت اور اسکی قابلیت کے موافق کیا۔

ماہ محرم سنہ ۷۶۰ھ میں فیروز تغلق ایک عظیم الشان لشکر ہمراہ لیکر معہ ظفرخاں بنگالہ کی طرف روانہ ہوا۔ حاجی الیاس الملقب بہ شاہ شمس الدین نے اگرچہ اپنے ایلچی معہ تحائف بھیجکر خراج گذاری کا وعدہ کر لیا تھا لیکن ظفرخاں کے آجانے کے بعد فیروز تغلق نے شاہ بنگال کو ایک مرتبہ نیچا دکھانا ضروری سمجھا۔

جونپور کا آباد ہونا قنوج اور اودھ کے درمیان جب ظفرآباد کے متصل پہونچا تو وہاں چھ مہینے معہ لشکر مقیم رہ کر دریائے گومتی کے کنارے ایک شہر کی بنیاد رکھی اور اسکا نام جونا پور رکھا جو بعد میں جونپور مشہور ہوا عام طور پر تمام مورخین نے اس شہر کی وجہ تسمیہ یہی بیان کی ہے کہ سلطان محمد تغلق کا اصل نام چونکہ جوناخان تھا لہذا اُسی سلطان مرحوم کے نام پر جونا پور نام رکھا گیا۔ لیکن اس جدید شہر کو آباد کرکے فوراً خان جہان کی جاگیر قرار دینا اور خانجہان کے بیٹے خان جہان ثانی کا نام بھی جوناخان ہونا یہ شبہ پیدا کرتا ہے کہ اپنے نومسلم وزیر اعظم خان جہان کے بیٹے جوناخان کے نام پر شہر کا نام رکھا گیا تھا جب خان جہان قوام الملک نومسلم کا اٹھارہ سال کی وزارت عظمیٰ کے بعد سنہ ۷۷۰ھ میں انتقال ہوا تو فیروز تغلق نے اسکے بیٹے جونا خان کو خان جہان کا خطاب دیکر اپنا وزیر اعظم بنایا۔ اور بیس سال تک وہ وزیر اعظم رہا۔ اسکا نام جوناخان خود سلطان محمد تغلق نے اپنے نام پر رکھا تھا جیسا کہ اوپر ذکر ہوچکا ہے۔

سلطان فیروز تغلق شش ماہہ قیام کے بعد جونپور سے بنگالہ کی جانب روانہ ہوا۔ ابھی دو چار منزلیں طے ہوئی تھیں کہ شمس الدین بادشاہ بنگال کے فوت ہونے کی خبر پہونچی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اسکا بیٹا سکندر شاہ باپ کی جگہ تخت نشین ہوا ہے۔

سکندر شاہ نے ہر قسم کی جنگی تیاری کے بعد اپنے باپ کی تقلید میں مقام اکدالہ کے حصار میں محصور ہو کر فیروز تغلق کا انتظار کیا۔ لشکر دہلی نے حسب سابق اکدالہ کے قریب خیمہ زن ہو کر سلسلۂ جنگ جاری کیا۔ دونوں لشکروں میں عرصۂ دراز تک چھوٹی لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر طرفین کے امرا نے صلح کی سلسلہ جنبانی کی اور ہر دو بادشاہ صلح پر رضامند ہو گئے۔ سلطان فیروز تغلق نے اپنی ٹوپی بطور نشان صلح سکندر شاہ کے پاس بھیجی اور سکندر شاہ کو اپنا برادرزادہ کہا۔ سکندر شاہ نے بھی تحفت و ہدایا اور چالیس ہاتھی فیروز تغلق کی خدمت میں بھیجے اور اس بات کا عہدنامہ لکھا گیا کہ آیندہ دہلی اور بنگالہ کے بادشاہوں میں کبھی جنگ نہ ہوگی اور ہمیشہ صلح رہیگی۔ اس صلحنامہ میں سکندر شاہ نے سنارگانوں کی حکومت کا ظفر خاں لودی کو سپرد کرنا منظور کر لیا تھا لیکن ظفر خاں نے خود ہی سنارگانوں کی حکومت کو پسند نہ کیا۔ فیروز تغلق کے ہمراہ واپس آیا اور عہدۂ نائب وزیر اعظم پر فائز رہا۔ ۵

جاجنگر اور اڑیسہ کا سفر فیروز تغلق جب واپس جونپور آیا تو اسکو معلوم ہوا کہ جاج نگر (چنار) کے جنگل میں جنگلی ہاتھی بہت ہیں۔ فیروز تغلق جونپور سے ہاتھیوں کے شکار کے لیے چنار کی جانب روانہ ہوا۔ جب بنارس کے قریب پہونچا تو شاہی لشکر کی آمد کا حال سنکر راجہ والی ریاست چنار سے بھاگا۔ راجا کی اس وحشت اور دہشت کو دیکھکر تھوڑی دور شاہی لشکر نے تعاقب کیا پھر ہاتھیوں کی گرفتاری میں مصروف ہو گیا شمس سراج عفیف کہتا ہے کہ ۵

در جاجنگر چو برد لشکر	بگرفت اڑیسہ را سراسر
جنگل کہ نگنجد ش سر مار	بشنید در انست پیل بسیار
در رفتہ شکار پیل کردہ	پیلاں بزمیں ذلیل کردہ

ہاتھیوں کو ہزاری باغ کے جنگل میں گرفتار کرتا ہوا شاہی لشکر سمندر کے کنارے جگنناتھ (پوری) کے مندر تک پہنچ گیا اور راجہ یہاں سے جہاز میں سوار ہو کر کسی جزیرہ میں چلا گیا۔ یہ وہی مندر تھا جو پنجاب کے راجہ جیپال کی خودکشی کے بعد ایک جدید مذہبی گروہ کے پیدا ہونے اور خودکشی کو ثواب یقین کرنے کے عقیدے کی بنا پر بنایا گیا تھا۔ یہاں انسانوں کی قربانی ہوتی تھی اور لوگ مکت حاصل کرنے کے لیے رتھ جاترا کے موقع پر اپنے آپ کو خود ہلاک کرتے تھے۔ ہندوؤں کے اس جدید

سیاسی فرقہ کا تذکرہ دوسرے باب یعنی سلطان محمود غزنوی کے حالات میں آچکا ہے۔ چنار (جاجنگر) کا راجہ اس مندر کا محافظ سمجھا جاتا تھا۔ جگنناتھ کا بت پتھر کا تراشا ہوا تھا اس بت کو وہاں سے اٹھوا کر دہلی بھجوا دیا گیا۔

زانجا شدہ در کنار دریا — بتخانہ بدید بر ثریا
جنگناتھ لعین دیو دوے — ہر جا کہ ہنود بندہ بروے
برکند ز بیخ شہر برده — در خاک بپیش خوار کردہ

(شمس سراج عفیف)

جگنناتھ کے بت اور ہاتھیوں کی گرفتاری سے فارغ ہوکر فیروز تغلق نے راجا کی گرفتاری کا بندوبست کیا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ راے جاجنگر تلنگانہ کی طرف بھاگا تھا مگر شمس سراج عفیف کا بیان یہ ہے کہ وہ کسی جزیرہ میں جاکر پناہ گزین ہوا تھا۔ فرشتہ اور ملا عبدالقادر بدایونی نے جاجنگر کے راجا کے علاوہ ایک اور راجہ مسمی بیربھان دیو کا ذکر کیا ہے جس نے سینتیس ہاتھی بادشاہ کی خدمت میں بھیجکر امان طلب کی اور اسکو امان دیدی گئی۔ شمس سراج عفیف صرف ایک ہی راجہ کا ذکر کرتا اور جاجنگر سے سمندر کے جزیروں تک اسکو بھگاتا ہے۔ تاریخوں کے مطالعہ کے بعد جہانتک غور کیا جاتا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزاپور اور چنار سے لیکر اڑیسہ کے ساحل یعنی خلیج بنگالہ تک دو یا تین راجہ حکمراں تھے۔ سب سے پہلے چنار کا راجہ فرار ہوا اور تلنگانہ میں جاکر پناہ گزیں ہوا اسکے بعد شاہی لشکر آگے بڑھا تو ہزاری باغ کا راجہ فرار ہوا۔ اور آگے بڑھا تو اڑیسہ کا راجہ سمندر کے جزیروں میں بھاگا اڑیسہ اور جاجنگر (چنار) کے راجاؤں کے نام نہیں لیے گئے انکو صرف راے جاجنگر اور راے اڑیسہ لکھکر یاد کیا گیا۔ بیربھان دیو جسنے سینتیس ہاتھی دیکر امان حاصل کی غالبًا ہزاری باغ کا راجہ تھا۔ اور ممکن ہے کہ یہی اڑیسہ کا بھی راجہ ہو شمس سراج عفیف نے اسیات کا لحاظ نہیں رکھا کہ اس سفر میں ایک ہی راجہ سے مقابلہ پڑا تھا یا کئی راجاؤں سے۔ بہرحال جاجنگر کے راجہ سلطان دہلی کے مطیع و منقاد چلے آتے تھے سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد حکومت میں جاجنگر کے راجہ نے تلنگانہ کے راجا کی بغاوت و سرکشی میں شرکت کی تھی مگر بہت جلد اس کو درست کر دیا گیا تھا۔ اسکے بعد جاجنگر کے راجہ سے کوئی ناشایستہ حرکت ظہور میں نہیں آئی تھی۔ اب جبکہ سلطان فیروز تغلق جنگلی ہاتھیوں

کے پکڑنے کو اُس طرف آیا تو راجہ یہ سمجھا کہ سلطان نے میرے اوپر چڑھائی کی ہے چنانچہ وہ بے تحاشا بھاگ نکلا اور خواہ مخواہ اپنے آپ کو مجرم بنایا۔ اسکو چاہیے تھا کہ سلطان کی آمد کا حال سنکر استقبال کرتا اور نذرانہ پیش کرکے مورد الطاف خسروانہ ہوتا اب سلطان کو ملنے درپے دیکھ کر اسنے اپنے پانچ برہمن مصاحب یا وزیر جنکو پاترا ودہ کہتے تھے سلطان کی خدمت میں بھیجے۔

راے مذکور از غایت خوف و نہایت ہراس چند پاتر خود را بدرگاہ شاہ و بارگاہ شہنشاہ فرستاد و زبان عجز کشاد۔ چنانچہ سلاطین و رائے باریک بیں دارند ہمچناں رایان و رانگان و زمینداران دار حسب مہتگان رایش می دارند و در زمین جاجنگر مہتہ را پاتر گویند۔ راے مذکور نیز بیست نفر پاتر داشت کہ ایشانرا مہتگان گفتند براے وتدبیر ایشاں کار راے و ولایت خود بیاراست فی الحاصل راے مذکور پنج نفر پاتر خود را بدرگاہ عالم پناہ حضرت فیروز شاہ فرستاد و از حال عجز کمال خود اعلام داد و ابواب نجاح چوں بندگان مطیع کشاد۔ چوں مہتگان راے بحضرت شہنشاہ گیتی آراے پابوس کردند و جبین عبودیت را چوں بندگان مطیع سودند و از حال احوال راے باز نمودند و التماس کردند کہ راے جاجنگر بندہ مطیع و بندہ زادۂ قدیم اں درگاہ است ہمیشہ فرمانبردار حضرت جہاندار است بر بندۂ مسکین و عاجز و غمگین چہ قصد می فرمایند چوں مہتگان ازیں باب گفتند دریں محل حضرت شہنشاہ اکمل فرمود کہ ما را دریں حدود مصلحتے بخیر بود چوں مخبر بصدق باز نمود کہ متصل سکونت راے جنگلے انبوہ پاکشتہاے چوں کوہ است و دراں جنگل پیلان وحشی چوں گوسفنداں میگردند براے شکار پیل ایں جانب قصہ نمودہ شد راے راچہ رو داد کہ از خوف ما روے در گریز نہادہ در مقامات جزائر دریا افتاد۔" (شمس عفیف)

ان ایلچیوں کو عزت کے ساتھ رخصت کیا اور راجہ کی دلدہی و استمالت میں مطلق کوتاہی نہیں کی گئی اس کو بدستور سابق ریاست پر بحال رکھکر اور بیس ہاتھی سالانہ بھیجتے رہنے کا وعدہ لیکر واپس ہوا۔ سلطان کو دہلی سے جدا ہوئے دو سال اور سات ماہ کا عرصہ گذر چکا تھا کہ ماہ رجب سنہ ٦ھ دہلی واپس آیا۔ ان ہاتھیوں کے علاوہ جو

جو دہلی سے ہمراہ گئے تھے بنگالہ اور جاجنگر سے تہتر ہاتھی اور ہمراہ لایا اور جدید شہر
فیروز آباد (کوٹلہ فیروز شاہ) کی شہر پناہ بنوانے میں مصروف ہوا۔

فیروز پور کی تعمیر اور کانگڑہ پر چڑھائی رعایا خوش حال اور ہر طرح
فارغ البال تھی۔ شمس سراج عفیف کہتا ہے کہ

"اہل کفر از طائفۂ ذمیاں و امانیاں زیر سایہ چتر فیروز شاہی از رعیت
بادشاہی برفاہیت می گزرانیدند"

چند روز دہلی میں قیام کرنے کے بعد نہر سلیم اور سرستی ندی کے درمیان ایک
پہاڑی پشتہ کو کاٹنے پر پچاس ہزار بیلدار لگائے کہ اسکو کاٹ کر سرستی کا پانی
نہر سلیم میں ڈالدیا جائے۔ اس پشتہ کو کاٹتے ہوئے ہاتھیوں اور آدمیوں کی
بہت سی ہڈیاں نکلیں۔ آدمی کے ہاتھ کی ہڈی تین گز لانبی تھی جسکا کچھ حصہ پتھر کی
شکل میں تبدیل ہو چکا تھا۔ انھیں ایام میں سرہند کو سامانہ کی ولایت سے جدا الگ
الگ کمشنری بنائی اور ایک قلعہ تعمیر کرکے اسکا نام فیروز پور رکھا جو آج کل
"فیروز پور جھرکہ" کے نام سے مشہور ہے یہیں خبر پہونچی کہ نگر کوٹ یا کانگڑہ کا راجہ
خود سری و بے راہ روی اختیار کر چکا ہے چنانچہ سلطان بلا توقف اس طرف کو روانہ ہوا
راجہ کا فرار ہو کر پہاڑ ہو کر پہاڑ کے اندر محفوظ مقامات میں چلا گیا لیکن جب اس کا تعاقب
جاری رہا تو مجبور ہو کر عاجزانہ فیروز تغلق کے قدموں میں آگرا اور عفو کی تقصیر کی التجا کی
سلطان نے اسکی خطا معاف کرکے خلعت عطا کیا اور ریاست پر برقرار رکھا۔

چوں بندگان مطیع فرود آمدہ در پائے سلطان فیروز شاہ گیتی آرائے افتاد زبان بہ
از عذر کشاد۔ حضرت شاہ چوں سلاطین اہل گاہ بہ اوج جاہ دست بر پشت
رائے نہادہ جامہ ہائے زردوزی و زربفت دادہ و یک چتر عطا کردہ ہمان شان
چتر آئین جہانداران باز گردانید" (شمس سراج عفیف)

یہاں بادشاہ کو معلوم ہوا کہ جب سکندر اس جگہ آیا تھا تو یہاں کے لوگوں نے اسکی
منظور نظر نوشابہ کا بُت بنا کر اسکی پرستش شروع کر دی تھی وہ بت آجتک یہاں کے
ہندوؤں کا معبود ہے یہ سنکر سلطان نے نوشابہ کے بت کو وہاں کے بتخانے سے اٹھوا لیا
اور اپنے ہمراہ لے آیا۔ اس واقعہ کو شمس سراج نے اپنی تاریخ میں نہیں لکھا لیکن

تاریخ فرشتہ اور تاریخ بدایونی میں اسکا تذکرہ موجود ہے۔ سیر المتاخرین کے الفاظ یہ ہیں کہ

"دراں وقت کہ سلطان قصد مراجعت داشت کسے گفت کہ اسکندر رومی در زمان
ورود خود درین مکان صورت نوشابہ درست کردہ درین جاگذاشتہ بود اہل ہند
بعد مرور دہور آں را بصورتی نامیدہ پرستش می نمایند"

اسی جگہ فیروز تغلق کو یہ بھی معلوم ہوا کہ نگرکوٹ کے بتخانے میں تیرہ سو کتابیں موجود ہیں بادشاہ نے برہمنوں کو طلب کرکے ان کتابوں کا معائنہ کیا اور چند کتابوں کا ترجمہ کرایا منجملہ ان کے ایک کتاب کا ترجمہ اُس زمانے کے مشہور شاعر اعز الدین خالدخانی نے نظم میں کیا اور اسکا نام دلائل فیروز شاہی رکھا۔

بادشاہ علماے آں طائفہ را طلب کردہ بعضے ازاں کتب را ترجمہ فرمود ازاں جملہ
اعزالدین خالدخانی کہ شعراے آں عصر بود کتابے در حکمت طبعی و شگون و تفاولات
در سلک نظم کشیدہ دلائل فیروز شاہی نام کردہ است (فرشتہ)

ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کو لاہور میں دیکھا تھا لیکن بہت ہی معمولی کتاب ہے اور چنداں قابل تعریف نہیں ہے۔ ملا صاحب کے الفاظ یہ ہیں کہ

"دریں حال بعرض سلطان رسانیدند وقتے کہ سلطان سکندر ذوالقرنین باینجا رسیدا ناس
باز مردم این شہر صورت نوشابہ ساختہ در خانہ داشتہ اند و معبود ایشان است
ویک ہزار و سہ صد کتاب از برہمنان سابق درین بتخانہ است کہ بجہ الاکھمی اشتہار
دارد و ہمیشہ آتشے سر بفلک کشیدہ از انجامی افروزد سلطان برہمنان را طلب سید
و بعد ازاں کتب را فرمود تا متہمان بزبان فارسی ترجمہ نمایند از انجملہ عزیزالدین
خالدخانی کہ از شعراے و منشیان عصر فیروزی بود کتابے در بیان صعود و ہبوط
سیارات سعد و سعادت و نحوست آنہا و تفاول و شگون بنظم آوردہ دلائل فیروزی
نام ماندہ و فقیر جامع منتخب (ملا عبدالقادر بدایونی) در لاہور در سنہ ۱۰۰۲ھ آنرا از اول
تا آخر دیدہ خالی ہم نے و تعریف ہم نے و چند کتابے دیگر قبل ازیں ہم بنظر فقیر رسیدہ
کہ بنام سلطان فیروز ترجمہ شدہ بعضے ازاں در علم پنگل یعنی فن موسیقی و اقسام اکھاڑہ
کہ آنرا پاترباذی میگویند و بعضے در غیر آں و اکثر را بحاصل یافت غالباً بیمزگی آں
جہت مطلب و صعوبت تعبیر خواہد بود چنانچہ ظاہر است"

سنہ ۷۶۵ھ میں فیروز تغلق نگرکوٹ کی مہم سے فارغ ہوا اسی زمانہ میں تاتار خاں جو حصار کا گورنر مقرر ہوا تھا اور سلطان فیروز تغلق کو ہمیشہ نصیحت کرتا اور پابندی شرع کی طرف توجہ دلاتا رہتا تھا فوت ہوا۔ تاتار خاں کے فوت ہونے کے بعد سلطان محمد تغلق کی پابندی شرع کا کوئی نمونہ امرا میں باقی نہ رہا۔

ٹھٹھہ کی جانب فوجکشی اور امرا کی مخالفت

سنہ ۷۶۶ھ میں سلطان فیروز تغلق نے ٹھٹھہ کی جانب فوجکشی کی

اسکے وزیر اعظم خان جہاں اور دوسرے امرا کی خواہش تھی کہ ٹھٹھہ کی جانب فوجکشی کی جائے انھوں نے فیروز تغلق کو سمجھایا کہ جام ٹھٹھہ سے صرف یہ خطا ہوئی ہے کہ اسنے طغی نمک حرام کو اپنے یہاں پناہ دی تھی مگر اب جبکہ طغی کا کام تمام ہو چکا ہے اور جام ٹھٹھہ اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار کرتا ہے تو اس وقت فوجکشی کی مطلق ضرورت نہیں ہے مگر فیروز تغلق نے کہا کہ سلطان محمد تغلق میرا بھائی اور مربی تھا وہ مرتے وقت جام ٹھٹھہ کی سزادہی کا عزم ارادہ رکھتا تھا لہذا میں جام ٹھٹھہ کو اب اور زیادہ مہلت نہیں دے سکتا میں اس پر ضرور چڑھائی کروں گا۔ جب سلطان کو بار بار یہی ذکر کرتے ہوئے دیکھا تو امرا نے مخالفت چھوڑ کر خاموشی اختیار کی۔

"ہر بار کہ ذکر ٹھٹھہ افتادے دست بر محاسن مبارک فرود آوردے و فرمودے افسوس صد ہزار افسوس کہ یک آرزوئے در دل خداوندگان مغفور ماند یعنی محمد شاہ بن تغلق شاہ کہ ٹھٹھہ فتح نشد ازیں دلائل مقابل مقربان درگاہ و امیران بارگاہ را معلوم می شد کہ البتہ میل دل شاہ و اندیشہ حضرت شہنشاہ برائے سواری و شکار سمت ٹھٹھہ ماندہ است" (شمس سراج عفیف)

آگے چلکر لکھتا ہے کہ

"سلطان فیروز شاہ بر خان جہاں بدینساں گفتہ کہ ہر اسرار پیش وزیر سفتہ کہ بتقدیر اللہ تعالے سلطان مرحوم مغفور بجوار رحمت حضرت غفور آسودہ و ایں آرزو در دل ایشاں ماندہ۔ چوں حضرت الہ ما را بجائے ایشاں نشاندہ و انتقام ایشاں کشیدن شاید باشد ایں محل دستور سطور در تامل افتادہ بر جائے قلب خویش چوں دستوران نیک اندیش ایوا سے فکر کشادہ بعد از ساختہ بر موازنت کلمات

حسن پرداختہ و گفتہ کہ ایں اندیشہ نیکو اندیشہ است۔"

آخر خان جہاں وزیر اعظم کو دہلی میں قائم مقام چھوڑ کر نوے ہزار سوار اور چار سو اسی ہاتھی ہمراہ لیکر سلطان فیروز تغلق ٹھٹہ کی جانب روانہ ہوا۔ راستے میں اجودھن (پاک پٹن) ہوتا ہوا اور حضرت شیخ فرید الدین گنجشکر علیہ الرحمہ کی قبر پر حاضری دیتا ہوا۔ ٹھٹہ پہونچا۔ ٹھٹہ دریائے سندھ کے دونوں جانب آباد تھا اور وہاں دو شخص حکومت کرتے تھے دریا کے ایک جانب رائے اُنّر کا بھائی جام حکمراں تھا اور دوسری جانب رائے اُنّر کا بیٹا بانھنیہ فرمانروائی کرتا تھا۔ یہ دونوں چچا بھتیجے اتفاق و اتحاد کے ساتھ ٹھٹہ اور سندھ کے اکثر علاقے پر قابض و متصرف تھے۔ ان کی قوم سومرہ کہلاتی تھی اور یہ ان لوگوں کی اولاد میں تھے جو محمد بن قاسم کے زمانے میں مسلمانوں کے فرمانبردار و مطیع ہو کر بعد میں اکثر مسلمان بھی ہو گئے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ بودھوں کی وہ قوم ہے جنہوں نے محمد بن قاسم کے ہندوستان سے رخصت ہونے کے بعد محمد بن قاسم کا بت بنا کر اس کو پوجنا شروع کر دیا تھا جب عربوں کی حکومت سندھ سے جاتی رہی تو یہ ہندوؤں میں گھل مل کر ایک جدید ہندو قوم بن گئے تھے جو سومرہ کے نام سے پکاری جاتی تھی۔ اس قوم کی نسبت مختلف خیالات کا اظہار مختلف مورخین نے کیا ہے۔ اس بحث کے چھیڑنے کا یہ موقع نہیں

فیروز تغلق نے ٹھٹہ کا محاصرہ کیا اور لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا مگر سب نشا کوئی نتیجہ پیدا نہ ہوا۔ سامان رسد کی فراہمی کا بھی کوئی بندوبست نہ ہو سکا۔ قحط و گرانی نے لشکر میں سخت ابتری پیدا کر دی مجبوراً سلطان کو ٹھٹہ کی مہم آئندہ سال کے لیے ملتوی کر کے گجرات کی طرف جانا پڑا لشکر کے رہبروں نے شرارت سے کام لیکر سلطان کو معہ لشکر کو بچی رن میں سمندر کے کنارے پہونچا دیا جہاں سوائے آب شور اور نمک زار کے کسی درخت اور سر سبزی کا نام و نشان نہ تھا۔ غلہ کی نایابی آب شیریں کا نہ ملنا۔ اور اس لق و دق صحرا سے نکلنے کا کوئی راستہ ہاتھ نہ آنا کئی مصیبتیں جمع ہو گئیں اور امید زیست منقطع ہونے لگی آخر بڑی دشواری اور کئی مہینے کی خواری کے بعد سلطان گجرات پہونچا گجرات کی حکومت ملک نظام الملک کے سپرد تھی۔ سلطان نے گجرات پہونچکر ملک نظام الملک کو بہت سخت سست کہا اور اسکو گجرات کی حکومت سے معزول کر دیا کیونکہ اسنے ٹھٹہ کے محاصرے میں سلطان کو کسی قسم کی مدد نہیں پہونچائی تھی

شمس سراج عفیف کے الفاظ یہ ہیں۔

"دریں محل سلطان فیروز شاہ چوں سلاطین اہل گاہ باوج جاہ بر ملک نظام الملک نصرت خواہ گرم مزاجی کردہ کلمات عفیف از زبان خویش برآوردہ، آں گرم مزاجی را سبب چہ بود۔ سلطان فرمود اگر تو از گجرات بدفعات غلہ ہا می فرستادے و غم لشکر ما می خوردے خلق لشکر تلف نشدے نظام الملک از گجرات معزول شد۔"

گجرات پہونچکر سلطان نے اپنے لشکر کی حالت کو کسیقدر درست کیا اور اپنے وزیر اعظم خان جہاں کے پاس پیغام بھیجا کہ دہلی سے گھوڑے اور ہتیار وغیرہ بھیجو۔ سلطان کو دہلی سے جدا ہوئے ڈھائی سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔ دہلی سے جدید لشکر معہ بہت سے سامان لشکر کے پہونچا۔ فیروز تغلق ۷۶۹ھ میں گجرات سے ٹھٹھہ کی جانب روانہ ہوا۔ ظفر خاں لودی کو گجرات کی حکومت سپرد کرکے نظام الملک کو اسکی جگہ نائب وزیر بنایا جو نہی سلطان فیروز تغلق گجرات سے ٹھٹھہ کی طرف روانہ ہوا اکثر سپاہی لشکر کو چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں کو بھاگنا شروع ہوئے۔ سلطان کو جب یہ حال معلوم ہوا تو سرداران لشکر سے مشورہ کیا انھوں نے کہا کہ لشکر کے چاروں طرف چوکی پہرہ قایم کرنا چاہیے تاکہ کوئی جدا ہو سکے شمس سراج عفیف کہتا ہے کہ۔

"چوں ایں گفتار بسمع جہاندار رسید فرمان شد بریں اشخاص چہ باید کرد مقربان درگاہ و مشیران بارگاہ عرضہ داشتند کہ در منزل گاہ ہا چوکی ہا می باید نشاند تا خلق را رفتن ندہند و ہر کہ برود او را تدارک کنند۔"

سلطان کو یہ مشورہ پسند نہ آیا اور کہا کہ جو جدا ہونا چاہتا ہے اُسے جدا ہونے دو کیونکہ قیدیوں کی طرح سپاہیوں کو ساتھ رکھنے سے کوئی فائدہ نہیں اگر ٹھٹھہ کا فتح ہونا خدا کو منظور نہیں ہے تو مشیت ایزدی کے سامنے ہم مجبور ہیں۔ سلطان نے اپنے وزیر خان جہاں کو لکھا کہ جو لوگ ہم سے جدا ہو کر دہلی پہونچیں اُن کو بلا کر تم صرف معمولی ملامت کرنا اور کوئی سخت سزا نہ دینا۔ آخر سلطان ٹھٹھہ کے قریب پہونچا اور معرکہ دار و گیر گرم ہوا۔ چار ہزار سندھی گرفتار ہوئے باقی فرار ہوگئے۔ یہ گرفتار ہونے والے سب مسلمان تھے ٹھٹھہ کی فتح کو اب بھی دشوار دیکھ کر سلطان نے ٹھٹھہ کے قریب خیمہ زن ہو کر لوگوں کو زراعت کے کاٹنے اور غلہ فراہم کرنے کا حکم دیا۔ سندھیوں کے کھیت پختہ کھڑے تھے اور وہ ابھی

کھیتی کاٹنے نہ پائے تھے کہ سلطانی لشکر پہونچ گیا۔ ایک طرف غلہ کی فراہمی پر لوگوں کو مامور کیا دوسری طرف عماد الملک کو دہلی کی جانب روانہ کر کے وزیر اعظم کے نام حکم بھیجا کہ جسقدر فوج فراہم ہو سکے ہمارے پاس بھیجو۔ عماد الملک دہلی پہونچا اور بدایوں۔ قنوج۔ سندیلہ۔ اودھ۔ جونپور۔ بہار۔ ترہت۔ مہوبہ۔ چندیری۔ دہار دہلی۔ سامانہ۔ دیپالپور۔ لاہور۔ وغیرہ کی فوجوں کو ہمراہ لیکر دہلی سے ٹھٹھہ کی جانب واپس ہوا۔ یہ عظیم الشان لشکر جب بادشاہ کی خدمت میں پہونچ گیا تو جام اور بانہبنہ کو قدر عافیت معلوم ہونے لگی اور ہلاکت کو یقینی سمجھ کر جان بچانے کے درپے ہوئے انھوں نے مخدوم جہانیاں سید جلال الدین رحمہ کی خدمت میں بمقام اُچ پیغام بھیجا کہ اب ہم سے کچھ نہیں ہو سکتا آپ براہ مہربانی صلح کرا کر ہمکو امان دلوا دیجیے چنانچہ سید ممدوح اُچ سے چلکر سلطانی لشکر میں پہونچے۔

"وچوں خدمت سید در لشکر رسیدند تمام خلق لشکر برائے پابوس سید بدل و جان کوشیدند و ہر کہ از طائفہ اہل در سرائے پابوس خدمت سید کردے خدمت سید میفرمودند با انشاء اللہ تعالیٰ بعنایت اللہ میان چند روز اصلاح خواہد شد خدمت سید چوں نزدیک تر رسید سلطان فیروز چوں معتقدان برائے ملاقات سید از دل و جان کوشید" (شمس سراج عفیف)

غرض سلطان فیروز تغلق سید ممدوح کا استقبال کر کے خیمۂ شاہی میں لایا اور عزت کے مقام پر بٹھایا۔ سید صاحب نے فرمایا کہ ٹھٹھہ میں ایک صالحہ و پارسا عورت تھی اسکی دعا کی برکت سے ٹھٹھہ اب تک فتح نہیں ہوا۔ میں جب کبھی تمھاری کامیابی و فتح کے لیے جناب الٰہی میں دعا کرتا وہ عورت قبولیت دعا میں حائل ہوتی۔ اب تین روز ہوئے کہ وہ فوت ہو گئی ہے اسلیے امید ہے کہ ٹھٹھہ جلد فتح ہو جائے گا۔ اُدھر جام اور بانہبنہ نے جنکی تحریک سے سید صاحب اُچ سے تشریف لائے تھے سید ممدوح کے پاس جلد جلد پیغامات بھیجنے شروع کیے۔

"چوں جام و بانہبنہ شنیدند کہ حضرت سید جلال الدین در لشکر نزول فرمودند پیغامہا متواتر بخدمت سید می فرستادند و کیفیت دشواری خویش باز نمودند خدمت سید نیز آنکہ مطلب ایشان بود با سلطان استقامت داد آنچہ ایشان

از غایت خاطر پریشاں خود باز نمودند سلطان فیروز شاہ اضعاف آں از راہ مرحمت ارزانی فرمود" (شمس سراج عفیف)

اس اقتباس کو دو مرتبہ بغور پڑھو۔

جام اور بانہنبہ کے ساتھ رعایت

خلاصۂ کلام یہ کہ جام اور بانہنبہ دونوں سلطان فیروز کی خدمت میں حاضر ہوئے سلطان نے ان کو خلعت اور ایک ایک تازی گھوڑا عنایت کر کے عزت و احترام کے ساتھ ملوک و امرا کی طرح اپنے پاس جگہ دی اور ٹھٹھہ کی حکومت پر جام کی جگہ جام کے بیٹے کو اور بانہنبہ کی جگہ بانہنبہ کے بھائی تماچی کو مقرر کر کے اُن سے سالانہ خراج کی ادائگی کا اقرار لیا اور جام و بانہنبہ کو حکم دیا کہ معہ متعلقین ہمارے ہمراہ دہلی کی جانب چلو۔ دونوں نے بخوشی منظور کیا۔ سلطان معہ لشکر ملتان پہونچا۔ ملک مروان دولت کو ملتان کا حاکم مقرر کیا۔ وہاں سے روانہ ہو کر سنہ ۷۶۸ھ میں دہلی پہونچا جام اور بانہنبہ دونوں کے لیے خزانہ شاہی سے دو دو لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر کیا اور رہنے کے لیے دارالسلطنت کے متصل ایک اچھی جگہ عطا کی جو سرائے ٹھٹھہ کے نام سے موسوم ہوئی دربار میں ان دونوں کو تخت شاہی داہنی جانب جگہ ملتی تھی

"جام و بانہنبہ نیکنام با تمام خیلخانہ خویش در شہر دہلی رسیدند فرمان شد تا خیلخانہ ایشانرا متصل سرائے ملک مقام دہند تا ایشاں بخاطر جمع دراں جائگاہ ساکن شوند چوں خیلخانہ ایشاں دراں محل جائے یافتند دراں مقام با فرحت تمام آباداں شدند دہ آں محل را سرائے ٹھٹھہ نام داشتند و حضرت فیروز شاہ مبلغ دو لک ٹنکہ برائے جام و دو لک ٹنکہ برائے بانہنبہ نقد از خزانہ موفورہ در وجہ انعام سالینہ تعین کردہ و خزائن ہر روز جامہ ہا و اسباب و نعمت ہائے فراواں چنداں می یافتند کہ ٹھٹھہ را بکلی فراموش کردند و بوقت بار چوں سلطان فیروز تغلق نشستے جام و بانہنبہ طرف بازوے راست در جامخانہ دوم نشستند" (عفیف)

چند سال کے بعد تماچی برادر بانہنبہ نے ٹھٹھہ میں بغاوت کی تو سلطان نے جام کو اس طرف روانہ کیا اسنے تماچی کو دہلی کی جانب بھیجدیا اور خود ٹھٹھہ میں اس کی جگہ قیام کیا۔ بانہنبہ اور تماچی دونوں دہلی میں رہے جام اور اسکا بیٹا ٹھٹھہ میں حکومت کرتے اور سلطان دہلی کی غلامی کا دم بھرتے رہے۔ سلطان فیروز تغلق کے آخر ایام حیات یعنی

سنہ ۷۸۹ھ میں جبکہ اسنے اپنے بیٹے محمد خان الملقب بہ ناصر الدین محمد شاہ کے حق میں تخت سلطنت کو چھوڑ دیا تھا باہنبہ کو چتر سفید دیکر ٹھٹھہ کی حکومت پر مامور کرکے دہلی سے رخصت کیا گیا مگر وہ راستہ ہی میں فوت ہوگیا۔ شمس سراج عفیف نے سلطان فیروز شاہ کے ارکان سلطنت کی فہرست اور دربار میں انکے مرتبے اور نشست کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ ان ارکان سلطنت میں جام - باہنبہ - رائے مدار دیو رائے سبیر - راؤ دت ادھرن کا خاص طور پر ذکر کیا ہے جو زمرۂ ملوک و وزرا میں شامل اور دربار میں اعلیٰ مقام پر جگہ پاتے تھے۔

خان جہاں نو مسلم اور متفرق حالات

سنہ ۷۷۰ھ میں خان جہاں نے وفات پائی اور سلطان فیروز تغلق نے اسکے بیٹے جونا خان کو خان جہاں کا خطاب دیکر وزیر اعظم بنایا۔ یہ وہی خان جہاں تھا جسکا ہندوانی نام کنو اور جو تلنگانہ کا ایک ہندو تھا۔ دہلی آکر حضرت شاہ نظام الدین اولیا رحمہ کی مجلس میں خواجہ جہان ملک احمد ایاز کے ہمراہ آنے جانے لگا پھر حضرت ممدوح کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔ سلطان محمد تغلق نے اسکو تربیت دیکر زمرۂ امرا میں شامل کیا اول قوام الملک کا خطاب ملا پھر خان جہاں ہوگیا اور سلطان محمد تغلق کی وفات کے بعد سلطان فیروز تغلق کا وزیر اعظم بنا۔ اسلام ذات پات اور چھوت چھات کی بیہودہ قیود سے کسقدر پاک ہے اور مسلمان اپنے محکوموں کو کسقدر ترقی کا موقع دے سکتے ہیں اس کا اندازہ کرنے کے لیے خان جہاں کے سوانح حیات پر غور کرنا کافی ہے۔ ہندوستان کے ہندو اور اس ملک کی اچھوت اقوام اگر صرف خان جہاں کے حالات سے بخوبی واقف ہوں تو وہ مسلمان کے عہد فرمانروائی کی نسبت غلط فہمیوں اور گمراہیوں سے نجات پا سکتے ہیں۔ خانجہان کی وفات کے بعد اسکے بیٹے جونا خان خانجہان ثانی نے باپ کی قبر کے پاس (مفتاح التواریخ کی روایت کے موافق سنہ ۷۸۹ھ میں) ایک مسجد بنوائی جو آجتک دہلی میں ترکمان دروازہ کے پاس کالی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔

سنہ ۷۷۲ھ میں سلطان فیروز تغلق نے ملک راجا فاروقی کو دو ہزاری منصب عطا کرکے خاندیس کے علاقے میں دو پرگنے عطا کیے۔ یہی ملک راجہ فاروقی سلاطین خاندیس کا مورث اعلیٰ ہے۔

سنہ ۷۷۵ھ میں ظفر خاں لودی حاکم گجرات کا انتقال ہوا اسکی جگہ اسکے بیٹے دریا خاں لودی کو ظفر خاں کا خطاب دیکر گجرات کی حکومت سپرد کی گئی اسی سال ملک مردان دولت المخاطب بہ نصیر خاں حاکم ملتان کا انتقال ہوا اسکی جگہ اسکے بیٹے ملک شیخ کو ولایت ملتان سپرد ہوئی مگر وہ بھی چند روز بعد فوت ہوا اسکی جگہ مردان دولت نصیر خاں کے لے پالک (متبنیٰ) سلیمان کو ملتان کا حاکم بنا دیا گیا۔ اسی ملک سلیمان کا بیٹا خضر خاں تھا جو بعد میں سید خضر خاں کے نام سے دہلی کا بادشاہ ہوا۔

سنہ ۷۷۶ھ میں سلطان فیروز تغلق کے بیٹے فتح خاں نے جو ولیعہد سلطنت تھا قریبا پچیس سال کی عمر میں وفات پائی اور دو بیٹے اپنی یادگار چھوڑے۔ سلطان نے اسی رنج و غم کے عالم میں بہرائچ جاکر مسعود سالار غازی کی قبر پر سر منڈوایا۔ جب سلطان نے بال منڈوائے تو اسکی تقلید تمام امرائے دربار نے بھی کی۔

سنہ ۷۷۸ھ میں ظفر خاں ثانی کی جگہ شمس الدین دامغانی گجرات کا گورنر مقرر ہوا ظفر خاں ثانی کو مہوبہ کی حکومت سپرد کی گئی۔ چند روز کے بعد شمس الدین باغی ہو کر مارا گیا اور اسکی جگہ ملک مفرح نو مسلم المخاطب بہ فرحت الملک گجرات کا حاکم بنایا گیا۔

سنہ ۷۷۹ھ میں اٹاوہ کے ہندو زمینداروں نے سرکشی پر کمر باندھی اور سلطان نے خود اس طرف جاکر اس فتنہ کو فرو کیا۔

سنہ ۷۸۱ھ میں دہلی سے سامانہ کی طرف گیا وہاں سے سہارنپور اور سرمور کی طرف آیا یہاں کے رایوں سے نذرانہ و خراج وصول کرکے دہلی واپس آیا۔ کٹھیر کا علاقہ رائے کھرگو نامی ایک ہندو راجہ کو سپرد تھا رائے کھرگو نے بدایوں کے سید علاء الدین، سید محمد اور سید محمود ہر سہ برادران کو ضیافت کے بہانے سے اپنے یہاں بلایا اور دھوکے سے تینوں بھائیوں کو شہید کردیا۔ یہ خبر بادشاہ کو پہنچی تو وہ سنہ ۷۸۲ھ میں دہلی سے روانہ ہوکر کٹھیر کے علاقے میں پہونچا۔ رائے کھرگو بدایوں سے بھاگ کر کوہ کمایوں میں چلا گیا اور وہاں پہاڑوں میں اس طرح چھپ گیا کہ اسکا کہیں پتہ نہ چلا۔ چونکہ برسات کا موسم آگیا تھا۔ سلطان ملک داؤد افغان کو سنبھل کے علاقے کا حاکم بناکر اور ملک قبول کو بدایوں کی حکومت پر نامزد کرکے دہلی کی جانب واپس آیا ملک داؤد کو تاکید کی گئی تھی کہ کھرگو کی دیکھ بھال رکھے اور کٹھیر کے سرکش ہندوؤں کی

کو شمالی سے غافل نہ رہے اسکے بعد خود بھی ہر سال کٹھیر آتا اور یہاں کے سرکشوں کو سزا دیتا رہا۔

سنہ ۷۸۶ھ میں بدایوں سے سات کوس کے فاصلے پر موضع بسولی میں ایک قلعہ بنایا اور فیروزپور اس کا نام رکھا۔ چونکہ یہ سلطان فیروز تغلق کی بنوائی ہوئی آخری عمارت تھی یعنی اسکے بعد کسی قلعہ کی تعمیر کا اسکو موقع نہیں ملا لہذا بعد میں لوگوں نے بسولی کے اس قلعہ کو فیروزپور کی جگہ آخرین پور کے نام سے پکارنا شروع کیا۔

خان جہان ثانی کی شرارت

سنہ ۷۸۹ھ میں خان جہاں ابن خانجہاں وزیر اعظم نے سلطان فیروز تغلق اور اسکے بیٹے محمد خاں میں عداوت و نا اتفاقی پیدا کرنے کی کوشش کی اور سلطان سے کہا کہ شہزادہ محمد خاں بغاوت کا قصد رکھتا ہے اور اسنے ظفر خاں لودی، ملک سمارالدین، ملک یعقوب اور ملک کمال الدین وغیرہ کو اپنا شریک کار بنا لیا ہے۔ الفنسٹن صاحب اس موقع پر لکھتے ہیں کہ۔

> "جبکہ وزیر کو حکومت کی چاٹ لگی اور عمدہ اختیاروں کا مزہ پڑا تو اس نے یہ بات چاہی کہ بادشاہ کو اسکے وارث کی جانب سے برہم کرے اور اپنے اختیاروں کو ہمیشہ کے لیے قائم و قائم رکھے چنانچہ اسنے بادشاہ سے لگانا بجھانا شروع کیا اور قریب تھا کہ بادشاہ کے بیٹے کو خارج کر کے تخت نشینی حاصل کرے۔"

سلطان چونکہ خان جہاں کا بہت اعتبار کرتا تھا لہذا اسنے خان جہاں کو حکم دیا کہ ان سب کو گرفتار کر لو۔ خان جہاں نے ظفر خاں کو حساب فہمی کے لیے مہوبہ سے طلب کیا جب وہ دہلی آیا تو دھوکے سے گرفتار کر کے اپنے مکان میں اسکو قید کر دیا۔ اسکے بعد شہزادہ محمد خاں کی گرفتاری کے درپے ہوا۔ شہزادے نے خبر پا کر اپنے مکان کی مضبوطی کر لی اور خانجہاں کے قابو میں نہ آیا۔ ایک دن موقع پا کر اور ڈولی میں بیٹھکر سلطان کے پاس زنانخانہ میں پہونچ گیا۔ بادشاہ کے قدموں پر سر رکھ کر خان جہاں کی شرارت۔ اپنی اور ظفر خاں کی بیگناہی کا تمام حال سنایا سلطان نے اصل حالات سے واقف ہو کر شہزادہ کو حکم دیا کہ جاؤ خان جہاں کو قتل کر کے ظفر خاں کو قید سے نکالو۔ شہزادہ بلا توقف فوج لیکر خان جہاں کے

مکان پر پہونچا۔ خان جہان نے واقف ہو کر ظفر خاں لودی کو جو اسکی قید میں تھا قتل کیا اور اپنے آدمی لیکر شہزادے کے مقابلے کو نکلا لیکن زخمی ہو کر پھر مکان میں چلا گیا اور چند رفیقوں کے ساتھ دوسرے دروازے سے نکلکر دہلی سے بھاگ گیا اور میوات پہونچکر کوکا چوہان کے پاس پناہ گزیں ہوا۔ اس جگہ فرشتہ کے اس اقتباس کو جسمیں اُسنے فیروز تغلق کی افغان پسندی کا تذکرہ کیا ہے یاد کرو اور سوچو کہ ظفر خاں ابن ظفر خاں لودی جو بہترین سردار ثابت ہو چکا تھا اور جو صوبہ کے خطرناک سرکشوں کو راہ راست پر لانے کے لیے صوبہ کی حکومت پر تبدیل کیا گیا تھا۔ کس طرح فیروز تغلق کی بے پروائی سے خان جہاں کی نامعقول خواہش کا شکار ہوا۔ شہزادے نے سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر ظفر خاں کے شہید ہونے اور خان جہاں کے بھاگ جانے کا حال سُنایا۔

فیروز تغلق کی گوشہ نشینی اور وفات سلطان چونکہ بہت ضعیف ہو چکا تھا اسلیئے شہزادہ محمد خاں کو ماہ شعبان ۷۸۹ھ میں تخت نشین کرکے اس کے لیے ناصر الدین محمد شاہ کا لقب تجویز کیا اور سلطنت سپرد کرکے خود گوشہ نشین ہو گیا۔ ناصر الدین محمد شاہ نے تخت نشین ہو کر حکم دیا کہ جمعہ کے خطبہ میں دونوں بادشاہوں کے نام لیے جائیں۔ تمام شاہی اہلکاروں کو بدستور قایم رکھکر خلعت عطا کیے۔ ملک یعقوب کو سکندر خاں کا خطاب دیکر گجرات کی حکومت پر مامور کرکے روانہ کیا۔ ملک یعقوب سکندر خاں جب میوات کے قریب پہونچا تو کوکا چوہان نے ڈر کے مارے خان جہاں کو جو اسکی پناہ میں تھا پکڑکر سکندر خاں کے پاس بھیجدیا۔ سکندر خاں نے خان جہاں کو قتل کرکے اسکی لاش دہلی بھیجوادی اور خود گجرات کی طرف روانہ ہوا۔ خان جہاں کی لاش اسکے باپ خان جہاں اول کی قبر کے پاس کالی مسجد میں دفن کی گئی۔ کالی مسجد اور دونوں باپ بیٹوں کی قبریں اب بھی موجود ہیں لیکن اکثر سیاح جب اس مسجد کو دیکھتے ہیں تو انکو بھول کر بھی اس بات کا خیال نہیں آتا کہ اس مسجد میں دکن کے ایک ہندو خاندان کے دو نومسلم باپ بیٹے مدفون ہیں جو ہندوستان کی وزارت عظمیٰ پر فائز تھے سلطان ناصر الدین محمد شاہ سرمور و کوہ پایہ کی طرف برائے شکار گیا وہاں اسنے سُنا کہ فرحت الملک اور امیران صدۂ گجرات نے متفق ہو کر ملک یعقوب سکندر خاں کو گجرات میں داخل ہونے

نہیں دیا اور مقابلہ کرکے اسے قتل کردیا۔ یہ خبر سنکر سلطان ناصرالدین محمد شاہ سرمور سے دہلی آیا مگر گجرات کے فتنے کو فرو کرنے میں غفلت و بے پروائی سے کام لیا۔ چونکہ ناصرالدین محمد شاہ سلطان فیروز تغلق کی پہلی بیوی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا اور فتح خاں گوجری بیوی کے پیٹ سے تھا اسلیے وجیہہ الملک (سہارن) کی جماعت کو ناصرالدین محمد شاہ کے ساتھ کوئی ہمدردی نہ تھی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ فیروز تغلق کے غلاموں اور بعض امیروں نے علم بغاوت بلند کرکے فیروز تغلق کو گوشۂ عزلت سے نکالکر اپنے ساتھ لیا اور مقابلہ پر مستعد ہوئے۔ ناصرالدین محمد شاہ کے ہمراہیوں نے فیروز تغلق کو ان باغیوں کے ساتھ دیکھا تو سب اُس طرف چلے۔ ناصرالدین جب تنہا رہ گیا تو دہلی سے بھاگ کر سرمور چلا گیا اور اسکی جگہ دہلی میں تغلق شاہ ابن فتح خاں ابن فیروز تغلق تخت نشین کیا گیا۔

۱۸۔ رمضان سنہ ۷۹۰ھ مطابق ۲۳ اکتوبر سنہ ۱۳۸۸ء کو فیروز تغلق کا انتقال ہوا

فیروز تغلق پر ایک نظر

فیروز تغلق نے اپنے عہد حکومت میں چھوٹی بڑی ۵۰ نہریں آبپاشی کے لیے نکالیں جو سلطان محمد تغلق کے مجوزہ آئین کی تکمیل تھی۔ چالیس مسجدیں۔ تیس مدرسے۔ بیس خانقاہیں۔ سو محل۔ دو سو سرائیں۔ پانسو شفا خانے۔ ڈیڑھ سو حمام۔ ڈیڑھ سو کنوئیں۔ سو پل اور بہت سے باغات تعمیر کرائے۔ تیس شہر آباد کیے۔ کئی سنگی منارے نصب کیے۔ اُسکے زمانے میں کوئی قحط نہیں پڑا۔ کاشتکار مالامال اور رعایا خوش حال رہی اسکی حکومت کے تفصیلی واقعات کو اس جگہ بیان نہیں کیا گیا۔ اوپر جو کچھ بیان ہوا ہے اس سے بخوبی اندازہ ہوسکے گا کہ سلطان فیروز تغلق کے عہد حکومت میں ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں کا عام طور پر کیا سلوک رہا۔ سلطان فیروز تغلق نے اڑیسہ کے ایک مندر سے جگنناتھ کی پتھر کی مورتی دہلی بھجوائی اور اسی طرح نگر کوٹ سے نوشابہ کی مورت اپنے ہمراہ لایا لہذا کہا جاسکتا ہے کہ فیروز تغلق محمد تغلق کی نسبت ہندوؤں کے لیے زیادہ سخت اور غیر ہمدرد تھا لیکن فیروز تغلق کے جسم میں محمد تغلق کی نسبت ہندی خون کی کثرت تھی یعنی اسکی ماں ہندو قوم کی عورت تھی محل میں اُسکی محبوب بیوی۔ دربار اور سفر حضر میں

ہر وقت ساتھ رہنے والا مصاحب وجیہہ الملک دونوں ہندو قوم سے تعلق رکھتے تھے اس کا با اختیار وذی اقتدار وزیر اعظم بھی دکن کا ایک ہندو تھا۔ ان باتوں پر غور کرنے سے ساری ذمہ واری مسلمانوں کے سر سے اتر کر ہندو قوم کے سر پہ آپڑتی ہے۔ تاہم یہ بات فراموش نہ ہونی چاہیے کہ جاجنگر۔ اڑیسہ۔ اور نگر کوٹ کے راجاؤں نے جن سے بت لیے گئے تھے ان بتوں کی مفارقت پر کوئی اظہار ملال نہیں کیا اور آئندہ ہمیشہ فیروز تغلق کے وفادار و فرمانبردار رہے۔ پس جب خود ان راجاؤں اور انکے بعد انکے جانشین ہندوؤں نے بھی ان واقعات کو کوئی اہمیت نہیں دی تو آج کے ہندوؤں کو جنکی نگاہوں کے سامنے اصل واقعات نہیں گذرے اُن پتھر کے دو تراشیدہ ٹکڑوں کے لیے شور و غل مچانے کا کیا حق حاصل ہو سکتا ہے۔ سلطان فیروز تغلق کے عہد حکومت میں کسقدر ہندو کون کون سے علاقوں پر حکومت کرنے کے لیے مامور تھے اوپر کے بیان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ہندو جن جن علاقوں پر مامور و متعین تھے وہ سب مسلمانوں کی مہربانی اور خوشی سے ہندوؤں کو عطا کیے گئے تھے کسی ہندو میں یہ طاقت نہ تھی کہ وہ زبردستی سلطان کی رضامندی کے خلاف کسی صوبہ یا کسی ضلع پر قابض و متصرف رہ سکے جب کسی سے بے راہ روی معائنہ ہوتی تھی تو اسکو فوراً سزا دیکر درست کر دیا جاتا تھا۔ ایسی حالت میں جبکہ مسلمانوں پر ہندوؤں کا کوئی بھی دباؤ نہ تھا ہندوؤں کو اعلےٰ عہدے دینے اور صوبوں کی حکومتوں پر مامور کرنے۔ دربار میں مسلمانوں سے اونچی جگہ بٹھانے اور ہندو نژاد لوگوں کو وزارت عظمیٰ تک پہونچا دینے میں مسلمانوں نے قومی و مذہبی تفریق کو کبھی مد نظر نہیں رکھا اور کسی مسلمان کے دل میں بھول کر بھی یہ خیال نہیں پیدا ہوا کہ ہندوؤں کو جو ہر طرح مغلوب و محکوم ہیں کیوں انکے استحقاق سے زیادہ مراتب دیے جا رہے ہیں اس سے زیادہ دنیا کا کوئی حیرت انگیز واقعہ نہیں بتایا جا سکتا کہ آج ہندوستان کے ہندو مسلمانوں کی حکومت اور مسلمانوں کے سلاطین کو گالیاں دے دے کر اور جھوٹے افسانے ان کی ذات سے وابستہ کر کے مسرت حاصل کر رہے ہیں۔ فیروز شاہ تغلق کے متعلق مجھکو صرف دو تین باتیں اور بیان کرنی ہیں۔

ہندو بچوں کی پرورش اور افزونی اقتدار

اول یہ کہ فیروز تغلق کو شروع سے اسباب کا

شوق تھا کہ وہ لاوارث اور یتیم و بیکس بچوں کو اپنی نگرانی میں لیکر شاہی اہتمام سے پرورش و تربیت کراتا اور اعلیٰ تعلیم دلاتا۔ جب وہ جوان اور تعلیم یافتہ و شائستہ ہو جاتے تو اُن کو اعلیٰ عہدوں پر مامور کرتا۔ صوبوں کی گورنری اور فوج کی سپہ سالاری تک پہونچاتا۔ یہ لوگ شاہی غلام کہلاتے تھے ان میں زیادہ تعداد اودھ اور پوربی اضلاع کے ہندو بچوں کی تھی۔ ان لوگوں کی قدر و منزلت اور عیش و راحت کو دیکھ کر پوربی اضلاع کے اکثر ہندوؤں نے خود اپنے بچوں کو صوبیداروں اور عاملوں کے ذریعہ بادشاہ کی خدمت میں کوششیں کر کے بھجوانا شروع کیا۔ اس طرح ہندوؤں کی قوم کو شائستگی اور تعلیم میں ترقی کرنے کا خوب موقع ملا۔ سلطان فیروز تغلق ان عاملوں سے بہت خوش ہوتا تھا جو اس قسم کے بچے زیادہ لاکر پیش کرتے تھے۔ ان لڑکوں کی ایک بڑی تعداد سلطان اپنے ملوک و امرا کو تعلیم و تربیت کے لیے سپرد کر دیتا اور وہ ان کو شائستہ و تعلیم یافتہ بنا کر سلطان کی خدمت میں پیش کر کے سرخروئی حاصل کرتے۔

"بعضے بندگان بر حکم و فرمان سلطان تسلیم بعضے امرا و ملوک می شدند تا ایشان را ادب خدمت آموزند امرا و ملوک آن بندگان را بر طریق فرزندان می پرورند و طعام و جامہ و سر جامہ نشستن و ہنر آموختن و مقام خوردن و خفتن و غمخوارگی ایشاں بواجبی نگاہ می داشتند و ہر سالے ایشاں را پیش تخت می گذرانیدند و ادب و خدمت و ہنرہائے ایشاں پیش تخت عرضہ میداشتند۔ سلطان فیروز شاہ در باب آں امرا و ملوک چنداں مرحمت می فرمود کہ در تحریر نیاید" (شمس عفیف)

اس سلسلے نے یہاں تک ترقی کی کہ سلطان فیروز تغلق کے آخر عہد حکومت میں یہی ساری سلطنت پر چھا گئے اور ان کی قوت یہاں تک بڑھ گئی کہ انھوں نے خاندان تغلقیہ کی بربادی کے تمام سامان فراہم کر کے امیر تیمور کو ہندوستان کی طرف آنے کا موقع دیا۔ اور ہندوستان کی سلطنت اسلامیہ کو سخت مصائب میں مبتلا کیا شمس سراج عفیف اوپر کے مذکورہ الفاظ لکھنے کے بعد کہتا ہے کہ۔

"آخر الامر کار بندگان مذکور بجائے کشید کہ بعد از سلطان فیروز شاہ سرہائے جگر گوشگان اورا بید بیغ بریدند و پیش دربار آویختند کما قال اللہ تبارک و تعالےٰ
وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ"

سلطان فیروز تغلق نے ان غلاموں اور ہندو بچوں کی طاقت و تعداد کے بڑھانے اور اُنکے اثر و اقتدار کو اعلیٰ مقام پر پہونچانے کا انتظام محض اسلیے کیا تھا کہ وجیہہ الملک کے زیر قیادت یہ لوگ اسکے بیٹے فتح خاں کو جو وجیہہ الملک (سہارن) کا ہمشیر زادہ تھا ہر قسم کی تقویت پہونچا سکیں فتح خاں جب باپ کے سامنے فوت ہوگیا تو اب سوائے محمد خاں کے دوسرا مستحق سلطنت نہ تھا لیکن وجیہہ الملک۔ اسکی بہن یعنی فیروز شاہ کی گوجری بیوی۔ خان جہاں نو مسلم وزیر اور ہندو امراء سب اس بات کے خواہاں تھے کہ محمد خاں الملقب بہ ناصر الدین محمد ابن فیروز تغلق کو محروم رکھ کر فتح خاں کے کم سن بیٹے کو تخت سلطنت کا مالک بنایا جائے۔ یہ بالکل اسی قسم کی کوشش اور اسی قسم کی سازش تھی جیسا کہ اکبر کے مرض الموت میں مان سنگھ اور دوسرے ہندو سرداروں نے اکبر کے بیٹے جہانگیر کو محروم رکھنے اور اکبر کے پوتے خسرو کو تخت سلطنت پر بٹھانے کے لیے کی تھی۔ یہ کوشش بھی ہندنی ماں کے بیٹے کو وارث حکومت بنانے کے لیے تھی اور وہ کوشش بھی اسی لیے تھی کہ ہندنی ماں کے بیٹے کو تخت سلطنت کا مالک بنایا جائے۔ خان جہاں ثانی کا محمد خاں اور اسکے ہمدرد سرداروں کے خلاف کوشش کرنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ فیروز تغلق کی گوجری بیوی اور اسکے نو مسلم بھائی کی حمایت اسکو حاصل تھی۔ محمد خاں ابن فیروز تغلق کو تخت سلطنت سے محروم رکھکر فتح خاں ابن فیروز تغلق کی نسل میں بادشاہت کے قایم رکھنے پر ایک زبردست جماعت تلی ہوئی تھی جسکی کوششوں کا نتیجہ خاندان سلطنت کی تباہی ہوا۔ جیسا کہ آیندہ واقعات سے ثابت ہو جائے گا۔

فیروز تغلق کی مذہبی قابلیت اور اسکے عقائد دوسری بات قابل گذارش یہ ہے کہ سلطان فیروز تغلق جیسا کہ اسکے مذکورہ حالات سے ثابت ہے جسکی قابلیت اور شجاعت میں محمد تغلق کے پاسنگ بھی نہ تھا یہی وجہ تھی کہ بنگالہ پر دو مرتبہ چڑھائی کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند ہاتھی ہاتھ آئے اور اسکے عوض بنگالہ کا ملک ہاتھ سے دے آئے۔ دکن کے ملک کو خود مختار و آزاد ہونے کا موقع دیا اور اس وسیع ملک کے واپس لینے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اسکی اس کمزوری یا بے ہمتی کی طرف عام طور پر مورخین نے اشارہ کیا ہے لیکن سخت حیرت کی بات یہ ہے کہ اکثر مورخین نے محمد تغلق کو مذہب

ـــے تغلق اور فیروز تغلق کو مذہبی آدمی بتایا ہے۔ ۶

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

حقیقت یہ ہے کہ محمد تغلق ایک عالم متبحر اور اعلیٰ درجہ کا پابند مذہب شخص تھا قسم کھانے کو اسکی کوئی بھی ایک بات ایسی نہیں بتائی جا سکتی جو خلاف مذہب ہو۔ فیروز تغلق اگرچہ معمولی طور پر پڑھا لکھا آدمی تھا لیکن عالم علم دین ہرگز نہ تھا۔ شمس سراج عفیف اس کا آخر ایام حیات میں نماز روزہ اور عبادت الٰہیہ کی طرف متوجہ ہونا بیان کرتا ہے جو دلیل اس بات کی ہے کہ اسکی عمر کا اکثر ابتدائی حصہ غفلت میں گذرا۔ ضیاء برنی نے باوجود مخالفت محمد تغلق کی پابندی نماز اور گناہوں سے مجتنب رہنے کا کئی جگہ ذکر کیا ہے لیکن شمس سراج عفیف جو فیروز تغلق پر دل و جان سے قربان اور مدح و ثنا میں بیحد مبالغہ کرتا ہے فیروز تغلق کی نسبت ایک مرتبہ بھی اس قسم کی گواہی نہیں دے سکا۔ ہاں فیروز تغلق کی شرابخواری کا صاف الفاظ میں اُسنے ضرور اقرار کیا ہے۔

ہندو مذہب کا اثر قبول کرنیکی وجہ سے گور پرستی اس میں موجود تھی اپنے بیٹے فتح خاں کے مرنے پر بہرایچ جا کر سر منڈوانا صریح اس بات کا نتیجہ تھا کہ اسکی ماں ہندو خاندان کی عورت تھی۔ اسکی ہندو بیوی موجود تھی اور وہ خود شریعت اسلام سے کافی اور وسیع واقفیت نہیں رکھتا تھا بلکہ اسکا اسلام وہی اسلام تھا جو شرکیہ و بدعیہ مراسم کے آمیختہ ہو جانے کے بعد اس زمانے کے جاہلوں اور مراسم پرست بدعتیوں کا اسلام تھا وہ جب کسی مہم پر روانہ ہوتا تو اول قبروں پر جاتا۔ قبروں کو سجدہ کرتا اور اپنے آپ کو بجائے خدا کے ان صاحب قبر بزرگوں کی پناہ میں دیتا شاید اسی شرک اور گور پرستی کا نتیجہ تھا کہ اسکو کسی بڑی لڑائی میں کوئی نمایاں فتح حاصل نہیں ہوئی۔ شمس سراج عفیف کی چشم دید گواہی بھی سن لو۔

دیگر سنت سنیہ و خصائل مرضیہ سلطان فیروز شاہ را بود ہر بار کہ خواستے کہ از شہر دہلی جائے سواری کند اگرچہ یک ماہ یا دو ماہ سواری بودے عاقبت جمیع دینداران و سلاطین نامدار را زیارت کردے و از ہر یکے استمداد خواستے خود را در پناہ ایشاں انداختے .... تا آنکہ سلطان فیروز شاہ بمدت چہل سال در پایۂ سلیمانی بادرج کامرانی بود ایں رسم پسندیدہ در شیوۂ گزیدۂ او تا آخر عہد او مستقیم ماند

کہ بغیر زیارت بزرگاں وگشتن در مزار پاکاں در سمت ہیچ طرفے سواری نہ کردے
چوں سلطان فیروز شاہ در مزار بزرگے رسیدے باعتقاد تمام بسیے قبر او دیدے
بتواضع تمام تواضع کردے وکلہ بر زمین آوردے بارہا دریں کارہا ایں مورخ ضعیف
شمس سراج عفیف بچشم خود دیدہ .... دوسہ محل دیگر نیز سر بر زمین نہاد
چوں معتقدان اخلاص می کشاد چوں نزدیک قبر شیخ میر سید بتواضع تمام برائے
رضائے علام نزدیک قبر نیز سر بر زمین میاورد .... بعدہ پیشتر می شد
غلاف قبر خدمت شیخ میگرفت واسرار وحاجات خود می گفت"

بھلا محمد تغلق سے اس قسم کی خلاف شرع حرکات کہاں سرزد ہو سکتی تھیں محمد تغلق نے تو ایسی غیر مشروع باتوں کے مٹانے میں اپنی زندگی صرف کر دی اور اسی لیے لوگ اُسکے دشمن ہو کر اسکے لیے مشکلات پیدا کرتے رہے چونکہ فیروز تغلق کمزور طبیعت کا آدمی تھا اور مذہب سے اچھی طرح واقف نہ تھا لہٰذا اسنے تخت نشین ہوتے ہی اپنے آپ کو ان لوگوں کی نگاہ میں جو اسکے ارد گرد بکثرت موجود اور قابو یافتہ تھے ہر دلعزیز بنانے کی کوشش کی اور بزرگوں کی قبروں پر مذکورہ افعال وحرکات بجا لا کر اور مجاوروں کے بڑے بڑے روزینے مقرر کر کے عوام کے بڑے طبقہ کی ہمدردی ومحبت کو خرید لیا محمد تغلق کی طرح سلطان شمس الدین التمش۔ سلطان ناصر الدین محمود۔ سلطان غیاث الدین بلبن۔ اور جلال الدین خلجی بھی بڑے مذہبی اور صوفی منش سلاطین تھے۔ صوفیوں اور بزرگوں کی بڑی عزت کرتے اور اُنکی خدمت میں نیاز مندانہ حاضر ہوتے اور تواضع پیش آتے لیکن کسی نے بھی گور پرستی کا یہ نمونہ نہیں دکھایا تھا جو فیروز تغلق سے ظہور میں آیا۔ اور اسی لیے کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں فیروز تغلق ہی کے چہل سالہ طرز عمل نے گور پرستی کے مراسم کو ایسا پائدار واستوار بنایا کہ آجتک اس سے مسلمانوں کا پیچھا نہیں چھوٹا۔ فیروز تغلق سے یہ جو کچھ سرزد ہوا اسکا سبب اسکی کم علمی اور قرآن وحدیث سے ناواقفیت تھی۔ اسکی یہ شرافت ضرور قابل داد ہے کہ وہ اپنے محسن ومربی محمد تغلق کی وفات کے بعد اس سے محبت کا اظہار کرتا اور محمد تغلق کے اس احسان کو کہ اُسنے بیٹے کی طرح محبت کے ساتھ اسے پرورش کیا تھا مانتا تھا۔

انچہ بر ماست از ماست ایتیسری بات جسکی طرف توجہ دلانا ضروری ہے

یہ ہے کہ فیروز تغلق کو محمد تغلق کے مخالفوں اور سازشی لوگوں نے جب تک ممکن ہوا
ان لوگوں کی سزا دہی سے باز رکھا جنھوں نے محمد تغلق کے لیے مشکلات پیدا کر دی
تھیں۔ ٹھٹہ کی جانب فوجکشی کرنے سے فیروز تغلق کو روکنا پھر فوجکشی اور محاصرہ
ہونے کے بعد کسی کامیابی کا حاصل نہ ہونا۔ سامان رسد کا فراہم نہ ہونا۔ گجرات سے
کسی قسم کی مدد کا نہ آنا۔ فیروز تغلق کا مجبوراً محاصرہ اٹھا کر گجرات کی طرف جانا۔ فیروز تغلق
کو کوچی (رن) کے نمک زار صحرا میں پہونچا کر مہینوں آوارہ و پریشان رکھنا گجرات پہونچ کر
فیروز تغلق کا میر حسین نظام الملک کو گجرات کی حکومت سے برطرف کرنا۔ جب لشکر
شاہی گجرات سے دوبارہ ٹھٹہ کی جانب روانہ ہوا تو سپاہیوں کا لشکر سے جدا ہو کر
بھاگنا۔ یہ تمام باتیں صاف اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ فیروز تغلق کے امرا یہ
نہیں چاہتے تھے کہ جام اور بانہنبہ کو جنھوں نے سلطان محمد تغلق کے آخر ایام حیات
میں طغی نمک حرام کو پناہ دیکر اور باغی ہو کر ان امیروں کے حسب منشا مشکلات پیدا
کی تھیں کسی قسم کا نقصان پہونچے۔ سلطان محمد تغلق کے بیٹے اور وزیر اعظم خواجہ احمد ایاز
کو قتل کرانا۔ قتلغ خاں کے بھائی نظام الملک کو گجرات کی صوبہ داری دلوانا بھی
اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ جام اور بانہنبہ کا مایوس ہو کر حضرت سید جلال الدین بخاری
سے استمداد کرنا۔ ان کا خود فیروز تغلق کے پاس آکر انکی سفارش کرنا بھی بہت کچھ معنی خیز
ہے اور اس بات کا صاف پتا دے رہا ہے کہ سلطان محمد تغلق کی مخالفت کرنیوالی
جماعت کا حلقہ کسقدر وسیع تھا اور ٹھٹہ کے مفسدوں کی حمایت پر مسلمانوں کی کتنی
بڑی طاقت کام کر رہی تھی ان باتوں کو ذہن میں رکھ کر اور فیروز تغلق کی کمزوری مجبوری
کا اندازہ کرکے یہ حیرت باقی نہیں رہتی کہ فیروز تغلق نے دکن کو زیر نگیں لانے کی کیوں کوشش
نہیں کی۔ یہ خیال کرنا کہ ہندوؤں نے اسلامی سلطنت کو کمزور کیا اور ہندوؤں کی طاقت
ایسی تھی کہ ہندوستان کی اسلامی شہنشاہی کو کمزور کر سکی سراسر غلط اور حقیقت اصلیہ
کے بالکل خلاف ہے بلکہ مسلمان ہندوؤں کو ابھارنے۔ طاقتور بنانے۔ تہذیب و
شایستگی سکھانے اور انکے حوصلوں کو بلند کرنے میں ہمیشہ مسلسل مصروف رہے
جیسا کہ واقعات سے ثبوت بہم پہونچتا ہے۔

غیاث الدین تغلق ثانی

غیاث الدین ابن فتح خاں ابن فیروز تغلق اپنے دادا فیروز تغلق کی زندگی ہی میں تخت نشین ہو چکا تھا جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اُسنے تخت نشین ہو کر اپنے بھائیوں سالار شاہ اور ابوبکر شاہ کو قید کیا۔ یہ تذکرہ آچکا ہے کہ فیروز تغلق نے ہندو بچوں کو تعلیم و تربیت دلا کر اور اعلیٰ مناصب پر مامور کر کے اسی طرح ایک زبردست اور قابو یافتہ طاقت بنا دیا تھا جیسا کہ مصر میں مملوک برسر اقتدار ہو کر سلطنت کے مالک ہو گئے تھے یا سلطنت عثمانیہ میں ینگچری فوج سیاہ و سپید کی مالک بن گئی تھی۔ غیاث الدین تغلق ثانی نے اپنے چچا ناصر الدین محمد شاہ تغلق کو سرمور میں قدم جمانے کا موقع نہیں دیا اور وہ وہاں سے بھاگ کر کانگڑہ کے پہاڑوں میں جا چھپا۔ غیاث الدین مطمئن ہو کر دہلی میں حکومت کرنے لگا۔ مذکورہ ہندو بچوں نے جو غلامانِ فیروز شاہی کہلاتے تھے چن چن کر لائق اور کار آزمودہ سرداروں اور امیروں کو قتل کرنا شروع کیا۔ شاہی خاندان کے اکثر لوگوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ غیاث الدین ثانی کو بھی اپنی توقعات کے موافق نہ پا کر گرفتار و قتل کیا اور ابوبکر شاہ کو قید خانے سے نکال کر بتاریخ یکم ماہ صفر سنہ ۷۹۱ھ تخت سلطنت پر بٹھایا اسی سال وجیہہ الملک (بہارات) نے وفات پائی۔

ابوبکر شاہ تغلق

ابوبکر شاہ کو تخت نشین کرنے کے بعد غلامانِ فیروز شاہی نے اسکو بھی زیادہ دنوں

چین سے نہ بیٹھنے دیا اور ملک رکن الدین نائب وزیر کو پادشاہ بنانے کا قصد کیا
ابوبکر شاہ کو جب اس کا حال معلوم ہوا تو اُسنے جرأت کرکے ملک رکن الدین اور
اسکے ہواخواہوں یعنی غلامان فیروز شاہی کی ایک جمعیت کو قتل کیا جس سے دہلی
میں غلامان فیروز شاہی کی طاقت ٹوٹ گئی لیکن ان لوگوں نے فوراً ایک دوسری
چال چلی سامانہ کے اکثر امیران صدہ انھیں غلامان فیروز شاہی میں سے تھے انھوں نے
سامانہ کے گورنر ملک سلطان شہ خوشدل کو جو ابوبکر شاہ کا وفادار تھا قتل کرکے
اسکا سر ناصر الدین محمد شاہ ابن فیروز تغلق کے پاس نگرکوٹ کی جانب اس شہرت میں
بھیجا کہ ہم لوگ اب آپ کے ہواخواہ وطرفدار ہوگئے ہیں۔ ساتھ ہی ناصر الدین سے
درخواست کی کہ آپ شوق سے تشریف لائیں اور تخت سلطنت پر جلوس فرمائیں۔
ناصر الدین محمد فوراً کانگڑہ سے جالندھر ہوتا ہوا سامانہ پہونچا۔ وہاں مراسم تخت نشینی
ادا کرنے کے بعد فوج فراہم کرکے دہلی کی جانب روانہ ہوا۔ ناصر الدین محمد شاہ اور
ابوبکر شاہ میں لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا۔ میوات کے نومسلم حاکم بہادر ناہر نے اول
ابوبکر شاہ کی حمایت کی پھر ناصر الدین محمد شاہ کا طرفدار ہوگیا۔ غلامان فیروز شاہی کی شرارتوں
نے عرصہ دراز تک دہلی کو دونوں پادشاہوں کا میدان جنگ بنائے رکھا آخر ابوبکر شاہ
گرفتار ہوکر میرٹھ کے قلعہ میں قید کیا گیا اور ناصر الدین محمد شاہ ۷۹۳ھ میں مطمئن ہوکر دہلی
کے تخت سلطنت پر بیٹھا۔

ناصر الدین محمد شاہ تغلق

اسی سال گجرات کے شرفاء علما کا ایک محضر نامہ ناصر الدین محمد شاہ کی خدمت میں پہونچا
جسمیں لکھا تھا کہ گجرات کا حاکم ملک مفرح المخاطب بہ فرحۃ الملک اپنے پُرانے ہندو
مذہب کی جانب مائل ہوکر مرتد اور سلطنت دہلی کی اطاعت سے آزاد ہوچکا ہے یہ فرحۃ الملک
بھی فیروز شاہی غلاموں میں سے تھا۔ فرشتہ کہتا ہے کہ۔

"فرحۃ الملک چوں داعیہ مخالفت داشت با زمینداران وکافران حدود سلوک
ہموار نمود جہت خوشامد ایشاں شعار کفر ورسوم بت پرستی رواج داد از یں سبب
علما وفضلائے گجرات در ۷۹۳ھ عریضہ سریر آسماں نظیر سلطان محمد شاہ مرسول داشتند

بمضمون آنکہ فرحت الملک بوساوس شیطانی و ہوا و ہوس بہانی مرتکب اعمال ناشایستہ گشتہ چنداں در رواج اصنام و رونق اوثان میکوشد کہ بلدۂ سومنات قبلۂ اہل ضلال شدہ شعار و دثار مسلمانی روز بروز منخفض میگردد نہ منبر را از عزت و حرمت بخشے و نہ مسجد را از صوم و صلوٰۃ بہرۂ اگر دریں وقت اندیشۂ کہ موجب تقویت دین و رواج اسلام باشد بظہور رسد فہوا لمراد۔"

سلطان ناصرالدین محمد شاہ نے نہایت دور اندیشی سے کام لیکر ظفر خاں ابن وجیہ الملک کو گجرات پر مامور کرکے روانہ کیا اور ظفر خاں کے بیٹے تاتار خاں کو اپنے مصاحبین و امرا میں شامل کرکے اپنے پاس رکھا (اس ظفر خاں کو ظفر خاں لودی نہیں سمجھنا چاہیے جسکا ذکر اوپر آچکا ہے اور جو گجرات کا گورنر رہا تھا) ظفر خاں کو گجرات کی طرف روانہ کرنے میں ایک یہ مصلحت تھی کہ غلامان فیروز شاہی کی طاقت دار السلطنت میں کمزور ہو جائے اور ترقی نہ کرنے پائے۔ دوسری مصلحت یہ تھی کہ ظفر خاں اگرچہ نومسلم تھا لیکن راسخ العقیدہ مسلمان تھا۔ فرحت الملک نومسلم کی پھیلائی ہوئی بدتمیزیوں کا بہترین علاج اسی کے ہاتھوں سے بخوبی ہو سکتا تھا۔ ظفر خاں جب گجرات کے قریب پہونچا تو ملک مفرح نے مقابلہ کیا آخر شکست کھائی اور گجرات پر ظفر خاں کا قبضہ و تسلط قائم ہوا۔ یہ ظفر خاں فیروز تغلق کی گوجری بیوی کا بھتیجا اور سلطان ناصرالدین محمد کے مخالفوں میں ممتاز حیثیت و اثر رکھتا تھا سلطان ناصرالدین محمد نے دانائی سے کام لیکر ظفر خاں کو اپنا ہمدرد و ہوا خواہ بنانے کی مؤثر کوشش کی اور احتیاطاً اسکے بیٹے تاتار خاں کو اپنے پاس رکھا تاکہ ظفر خاں کو بغاوت یا مخالفت کی جراءت نہ ہو سکے۔ سلطان نے ظفر خاں کو گجرات کا وائسرائے مقرر کرتے ہوئے جو فرمان عطا کیا اسکی پیشانی پر اپنے قلم سے نہایت شاندار القاب لکھا۔ فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں کہ۔

چوں وزرا منشور نوشتند و بفرسودۂ سلطان جائے القاب خالی گذاشتہ بودند سلطان بخط القاب چنیں نوشت کہ برادرم مجلس عالی خان معظم عادل باذل مجاہد سعد الملت والدین و ظہیر الاسلام والمسلمین عضد السلطنت عین المملکت قامع الکفر والمشرکین قاطع الفجرۃ والمتمردین قطب سماء المعالی نجم فلک الاعالی صفدر روز وغا تہمتن قلعہ کشا و کشور گیر آصف تدبیر ضابط امور ناظم مصالح جمہور

ذی الیامن والسعادات صاحب الرائے والکفایات ناشر العدل والاحسان
دستور صاحبقران الغ قتلغ اعظم ہمایوں ظفر خاں"
اس القاب کے الفاظ پر غور کرو جو سلطان ناصر الدین محمد شاہ نے اپنے قلم سے لکھے ساتھ ہی اس حالت کا تصور کرو جبکہ ظفر خاں کا باپ سہارن ایک معمولی دیہاتی ہندو کی حالت میں فیروز تغلق کے پاؤں سے موزہ اتار رہا تھا۔ کیا یہ اسلام کی صداقت کا معجزہ نہیں ہے۔ اسی ظفر خاں کی اولاد میں گجرات کے مسلمان سلاطین تھے۔ چونکہ ظفر خاں سلطان فیروز تغلق کا شرابدار بھی رہ چکا تھا اسلیے بعض لوگوں نے سلاطین گجرات کی قوم کو کلال بتایا ہے لیکن یہ غلط ہے وہ کلال نہیں بلکہ گوجر یا کھتریوں کی ایک شاخ ٹانک سے تعلق رکھتے تھے۔ ہاں اگر کھتریوں کی اس شرابخوار قوم ٹانک ہی کا دوسرا نام کلال ہے تو شاہان گجرات کو بھی کلال کہا جا سکتا ہے۔ لیکن ہندوستان کے مسلمان گوجر جو شاہان گجرات کو اپنا ہمقوم بتاتے ہیں اپنے آپ کو کلال نہیں کہلواتے نہ کلالوں کے ساتھ اپنے کسی تعلق کو تسلیم کرتے ہیں۔ لہذا شاہان گجرات کو کلال کہنا صحیح نہیں۔

فیروز تغلق کے بعد چند سال تک فیروز شاہی غلاموں نے وہ اودھم مچائے رکھی کہ کوئی شریف اور معزز خاندان تباہی سے نہ بچا۔ تجربہ کار اور لائق سردار ایک ایک کرکے مارے گئے اور "مرداں بمیرند و نامرداں جائے ایشاں گیرند" کا نقشہ سب کے سامنے آگیا۔ سلطان ناصر الدین محمد شاہ کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ جو سب سے بہتر اور لائق سردار اس زمانے میں موجود رہ گئے تھے ان کو اپنے گرد فراہم نہ رکھا بلکہ جن وفادار غلاموں اور ہمدرد سرداروں نے مصیبت کے ایام میں اسکا ساتھ دیا ان سب کو شکر گذاری اور احسان شناسی کی راہ سے مختلف صوبوں کی حکومتوں پر مامور کرکے بھیجدیا۔ مثلاً ملک حسین غوری کو دلاور خاں غوری کا خطاب دیکر مالوہ کی حکومت پر روانہ کر دیا۔ حالانکہ اسکے دہلی میں رہنے کی سخت ضرورت تھی۔ وزرا و امرا میں اسلام خاں۔ عادل خاں بہادر ناہر۔ ملک سرور۔ کمال الدین وغیرہ تو مسلم تھے۔ باقی ہرسنگھ۔ سرجودھن بیربھان۔ رائے رایان رائے سرور وغیرہ ہندو تھے۔ صرف ظفر خاں لودی مقتول کے بیٹے اور بھتیجے معمولی حالت میں باقی رہ گئے تھے جنھوں نے بعد میں موقع پاکر دہلی کی اسلامی سلطنت کو کسیقدر سنبھالا۔ لیکن ان کا امرائے کبار میں شمار نہ تھا

اُس فتنہ نے جو سلطان محمد تغلق کے آخر عہد حکومت میں مسلمانوں نے برپا کیا تھا چالیس سال کے بعد یہ خطرناک نتیجہ پیدا کیا کہ سلطنت دہلی کا اسلامی دربار تمام و کمال ہندو نژاد نومسلموں اور ہندوؤں کے قبضے میں آگیا۔ نہ شیخ الاسلام کوئی چیز رہی نہ قاضی القضاۃ کی کوئی حیثیت و ہستی باقی تھی تمام شرعی ادارے اور اسلامی کاروبار درہم برہم ہوگئے ۷۸۹ھ میں موقع مناسب دیکھ کر ہندوؤں نے جابجا بغاوتیں شروع کیں۔ رائے ہر سنگھ باغی ہو کر گرفتار ہوا۔ اٹاوہ کے ہندوؤں نے لوٹ مار مچا کر اس طرف کے پرگنوں کو ویران کیا تو اس فتنے کو مٹانے کے لیے سلطان کو خود اس طرف متوجہ ہونا پڑا۔ اسکے بعد قنوج کے ہندوؤں نے سر اٹھایا انکی گوشمالی بھی سلطان نے خود ہی جا کر کی۔ مقام جالیسر میں سلطان نے ایک قلعہ تعمیر کر کے اس کا نام محمد آباد رکھا۔ ابھی سلطان جالیسر ہی میں مقیم تھا کہ دہلی سے خبر پہونچی کہ اسلام خاں نومسلم لاہور جا کر علم بغاوت بلند کرنے کا قصد رکھتا ہے یہ سنتے ہی بادشاہ دہلی پہونچا۔ اسلام خان سے دریافت کیا تو اُسنے انکار کیا لیکن اسلام خاں کے حقیقی بھائی جاجو نام ہندو نے اسکے خلاف گواہی دیکر اسلام خان کو قتل کرایا (الفنسٹن صاحب نے جاجو نام ہندو کو اسلام خاں کا بھتیجا لکھا ہے) ۷۹۵ھ میں سر جدھن اور سبیر بھان نے علم بغاوت بلند کیا۔ سلطان اس فتنہ کو فرو کرنے میں مصروف تھا کہ بہادر ناہر میواتی نومسلم نے باغی ہو کر اطراف دہلی کو غارت کیا۔ سلطان بلا توقف اسکی طرف متوجہ ہوا بہادر ناہر شکست کھا کر میوات کے جنگلوں میں جا چھپا۔ سلطان جالیسر میں مقیم تھا کہ شیخا گکھڑ نے قلعہ لاہور پر قابض ہو کر علم بغاوت بلند کیا (یہ بات تحقیق طلب ہے کہ شیخا و جسرت دونوں بھائیوں کی قوم گکھڑ تھی یا کھوکر پنجاب میں یہ دونوں قومیں موجود ہیں۔ فرشتہ گکھڑ اور ملا عبدالقادر بدایونی کھوکر لکھتے ہیں) سلطان نے اپنے بیٹے ہمایوں خاں کے پاس جو دہلی میں موجود تھا حکم بھیجا کہ لاہور جا کر شیخا گکھڑ کو سزا دو۔ ہمایوں خاں لاہور کی جانب روانہ ہونے کو تھا کہ جالیسر سے سلطان کے فوت ہونے کی خبر پہونچی۔ اس کا جنازہ دہلی میں لا کر باپ کے پاس دفن کیا گیا۔ سلطان ناصرالدین محمد شاہ نے ۱۷ ربیع الاول ۷۹۶ھ کو جالیسر میں وفات پائی۔ اگر لائق اور تجربہ کار اہلکار موجود ہوتے تو سلطان ناصرالدین محمد شاہ ضرور ایک اچھا اور کامیاب سلطان ثابت ہوتا لیکن چونکہ وہ کارگذار و وفادار اہلکاروں سے محروم تھا لہٰذا اسکا تمام عہد حکومت ہندوؤں کی بغاوتوں سے پر رہا اور

ان بغاوتوں کے فرو کرنے میں کسی سردار سے اسکو کوئی مدد نہیں ملی۔

سکندر شاہ بن ناصر الدین محمد شاہ تغلق

ہمایوں خاں سکندر شاہ کے لقب سے ۱۹ ربیع الاول ۷۹۶ھ کو دہلی میں تخت نشین ہوا اور ڈیڑھ مہینے کی سلطنت کے بعد بیمار ہو کر فوت ہوا۔

ناصر الدین محمود شاہ بن ناصر الدین محمد شاہ تغلق

سکندر شاہ کی وفات کے بعد پندرہ روز تک امر سلطنت مہمل رہا آخر ظفر خاں لودی کے بیٹوں اور بھتیجوں نے خاندان شاہی کی حمایت پر کمر ہمت باندھی اور امراء ارکان سلطنت ناصر الدین محمد شاہ کے دوسرے بیٹے محمود خاں کو ناصر الدین محمود شاہ کے لقب سے تخت سلطنت پر بٹھانے کے لیے مجبور ہوئے۔ تاتار خاں ابن ظفر خاں ابن وجیہہ الملک (سہارن) چاہتا تھا کہ فتح خاں ابن فیروز تغلق کے بیٹے نصرت خاں کو تخت سلطنت پر بٹھایا جائے بعض فیروز شاہی غلام بھی اسکے شریک تھے لیکن ظفر خاں لودی کے بیٹوں سارنگ خاں و ملو خاں اور اسکے بھتیجے دولت خاں ابن محمود خاں نے کسی کی نہ چلنے دی اور ناصر الدین محمود ہی کی سب کو بیعت کرنی پڑی۔ ظفر خاں لودی اول اور اسکا بیٹا ظفر خاں لودی ثانی دونوں گجرات کے گورنر رہ چکے تھے۔ ظفر خاں لودی ثانی کو فتح خاں کے بیٹے غیاث الدین تغلق ثانی کی تخت نشینی میں ہاسج اور محمد خاں الملقب بہ ناصر الدین محمد شاہ کا ہمدرد و ہواخواہ دیکھکر خان جہاں ثانی وزیر اعظم نے صوبہ سے بلا کر گرفتار و قتل کیا اور یہ کام وجیہہ الملک اور اسکی بہن کے منشا سے کیا گیا۔ اسکے بعد ظفر خاں ابن وجیہہ الملک کو گجرات کی حکومت کا ملنا بھی ظفر خاں لودی سابق گورنر گجرات کے وارثوں کو گراں گذرا تھا۔ اب ناصر الدین محمود کی تخت نشینی کے وقت بھی تاتار خاں ابن ظفر خاں ابن وجیہہ الملک اور سارنگ خاں و ملو خاں پسران ظفر خاں ابن ظفر خاں لودی کی مخالفت نے ان دونوں خاندانوں کی

پشتینی مخالفت کو اور زیادہ بڑھا دیا۔ اس مخالفت نے آیندہ بھی بڑے بڑے اہم نتائج پیدا کیے۔

ناصر الدین محمود نے ماہ جمادی الاول ۷۹۶ھ میں تخت نشین ہو کر ایک ہندوزادہ ملک سرور کو جو فیروز شاہی غلاموں میں سے تھا خواجہ جہاں کا خطاب دیکر وزیر اعظم بنایا۔ دولت خاں ابن محمود خاں لودی کو کوتوالی اور مقرب خاں کو امیر الامرائی کا عہدہ عطا کیا۔ سارنگ خاں ابن ظفر خاں لودی کو دیپالپور کی حکومت ملی۔ سارنگ خاں کے بھائی ملو خاں کو اقبال خاں کا خطاب دیکر نائب وزیر بنایا۔ چونکہ دربار دہلی کا رعب جاتا رہا تھا اور سلطان کی ہیبت دلوں میں باقی نہیں رہی تھی لہذا سب سے پہلے جونپور اور بہار کے ہندوؤں نے سرکشی پر کمر باندھی۔ ناصر الدین محمود نے اپنے وزیر اعظم خواجہ جہاں ملک سرور کو سلطان الشرق کا خطاب دیکر جونپور اور بہار کی طرف روانہ کیا۔ فرشتہ کہتا ہے کہ۔

"بنا برانکہ انقلاب در پادشاہی دہلی پدید آمدہ استقامت سلطنت دہلی زائل شدہ بود در ولایت ہرج مرج روے نمودہ کفار اطراف سرکشی را پیشۂ خود ساختند خاصہ ہندوان شرقی ازاں سبب بادشاہ ناصر الدین محمود خواجہ جہان را سلطان الشرق خطاب دادہ با بیست زنجیر فیل ولشکر بسیار بدفع ہندوان قنوج وبہار روانہ ساخت"

خواجہ جہان ملک سرور نے جونپور پہونچکر اس طرف کے تمام سرکشوں کو مطیع ومنقاد بنا کر جونپور میں قیام کیا۔ خواجہ جہاں ملک سرور چونکہ خود اسی ملک کا ہندوزادہ تھا لہذا اسکو وہاں اپنی حکومت قائم کرنے اور ہندو سرکشوں کو مطیع بنانے میں زیادہ دقت پیش نہیں آئی یہی خواجہ جہاں ملک سرور سلطنت شرقیہ جونپور کا بانی ہے۔

لاہور میں شیخا گکھڑ نے پہلے ہی سے علم بغاوت بلند کر رکھا تھا اسکی سرکوبی کے لیے سارنگ خاں لودی حاکم دیپالپور نے لاہور پر چڑھائی کی شیخا گکھڑ شکست کھا کر جموں کے پہاڑوں میں جا چھپا اور سارنگ خاں لاہور میں اپنے بھائی عادل خاں لودی کو حاکم بنا کر دیپالپور واپس آیا۔

"در ماہ ذیقعدہ شیخا کھوکر در نواحی موضع سامو تہلہ دوازدہ کروہی لاہور محاربہ عظیم نمودہ از پیش سارنگ خاں ہزیمت یافتہ بکوہ جموں در آمد وسارنگ خاں

لاہور را برادر خویش عادل خاں سپردہ بر سمت دیپالپور مراجعت کرد۔"

(منتخب التواریخ ملا عبدالقادر بدایونی)

سلطان ناصرالدین محمود کو معلوم ہوا کہ قلعۂ گوالیار کے قلعہ دار راؤ بیر سنگھ نے علم بغاوت بلند کیا ہے۔ سلطان اسکی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا۔ سلطان ابھی گوالیار نہیں پہونچا تھا کہ دہلی میں تاتار خاں ابن ظفر خاں ابن وجیہہ الملک شہاب ناہر اور الماس خاں وغیرہ غلامان فیروز شاہی کی مدد سے نصرت خاں ابن فتح خاں ابن فیروز تغلق نے ناصرالدین نصرت شاہ کے لقب سے تخت نشین ہو کر اپنے نام کا سکہ و خطبہ جاری کر دیا۔ درحقیقت بیر سنگھ کی بغاوت نصرت شاہ کو بادشاہ بنانے کی سازش کا نتیجہ تھا جو تاتار خاں کی کوشش سے ظہور میں آئی اور یہ وہی پرانی رقابت اور فتح خاں کی اولاد میں تخت سلطنت کے لانے کی زبردست کوشش تھی۔ ناصرالدین محمود یہ سنتے ہی دہلی کی جانب واپس ہوا نصرت شاہ نے فیروزآباد میں اور ناصرالدین محمود نے دہلی میں قیام کیا۔ طرفین سے لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا۔ امرا دو حصوں میں تقسیم ہو کر آدھے نصرت شاہ کے ساتھ شامل ہوئے اور آدھے ناصرالدین محمود کے شریک رہے۔ نصرت شاہ نے تاتار خاں ابن ظفر خاں ابن وجیہہ الملک کو اپنا وزیر اعظم بنایا۔ غلامان فیروز شاہی کا اکثر حصہ نصرت شاہ کا طرفدار تھا۔ ناصرالدین محمود کے ساتھ صرف لودی سردار تھے۔ روزانہ لڑائیاں ہوتی تھیں کبھی فیروزآباد والے دہلی والوں کو پسپا کر کے دہلی میں داخل کر دیتے کبھی دہلی والے فیروزآباد والوں کو فیروزآباد میں بھگا دیتے۔ دہلی سے موجودہ زمانہ کی پرانی دہلی اور فیروزآباد سے فیروز شاہ کا کوٹلہ سمجھنا چاہیے۔ ان دونوں کے درمیان کا قصبہ دونوں بادشاہوں کا میدان جنگ تھا اور یہ سلسلہ کئی سال یعنی سنہ ۸۰۱ھ تک جب کہ تیمور لنگ ہندوستان میں آیا جاری رہا۔ **گجرات۔ خاندیس۔ مالوہ۔ ملتان۔ جونپور**۔ میں جو صوبہ دار مامور تھے۔ دہلی میں دو بادشاہوں کی موجودگی اور ان کی جنگ آزمائی کا حال سنکر خود مختارانہ حکومت کرنے لگے اور دربار دہلی کی اطاعت سے آزاد ہو گئے۔ صرف پنجاب و دیپالپور کا تعلق برائے نام۔ سلطان ناصرالدین محمود سے رہا مگر چونکہ پنجاب میں شیخا گکھڑ موجود تھا اور دیپالپور کو خضر خاں لینا چاہتا تھا لہذا سارنگ خاں اور اسکا بھائی عادل خاں دونوں اپنی مصیبتوں میں گرفتار اور سلطان

ناصر الدین محمود کو کوئی مدد نہیں پہونچا سکتے تھے۔ صوبۂ میان دوآب کے بعض اضلاع میں نصرت شاہ نے اپنے عامل بھیجے۔ بعض ناصر الدین محمود کے قبضے میں رہے۔ اس صوبہ کے اکثر اضلاع مثلاً کٹھر۔ قنوج۔ میوات اور سامانہ وغیرہ میں ہندو خود مختار ہو بیٹھے کسی خود مختار ہونیوالے کو اب کوئی خوف و اندیشہ نہ تھا کیونکہ بجائے اسکے کہ بغاوت کی سزا ملتی دونوں بادشاہوں میں سے ہر ایک ان سرکشوں کو دلجوئی کر کے اپنی طرف مائل کرنے پر آمادہ تھا۔

آٹھویں صدی ہجری کے وسط یعنی سلطان محمد تغلق کے آخر ایام حکومت تک تمام برِ اعظم ہند ایک مرکز حکومت سے وابستہ اور سلطان دہلی کی سلطنت میں شامل تھا۔ پچاس سال کے بعد یعنی آٹھویں صدی ہجری کے آخر میں یہ عظیم الشان سلطنت پاش پاش ہو کر بیسیوں خود مختار حکومتوں میں منقسم ہو گئی۔ اس تغیر عظیم کے اسباب ہر شخص کو مذکورہ حالات یعنی اس کتاب کے صفحات میں خود تلاش اور متعین کر لینے چاہئیں۔

حملۂ تیمور

مغلوں کا چنگیزی خاندان جب تک کافر اور اسلام سے نا آشنا رہا برابر ہندوستان پر مغلوں کے حملے جاری رہے ان حملوں کو خاندان غلامان۔ خاندان خلجیہ اور غیاث الدین تغلق نے ہمیشہ بڑی ہمت و مستعدی کے ساتھ رد کر کے مغلوں کو ہندوستان میں قدم جمانے کا موقع نہیں دیا۔ اسکے بعد چنگیزی مغل مسلمان ہو کر سلطان محمد تغلق کے حلیف بنگئے اور ہندوستان پر مسلمان ہو کر انھوں نے کوئی حملہ نہیں کیا۔ سلطان فیروز تغلق کے عہد حکومت میں جب ہندوستان کی اسلامی سلطنت پارہ پارہ ہونے کی استعداد پیدا کر رہی تھی اسی زمانے میں مغلوں کے چنگیزی خاندان کا قصر منہدم ہو کر اسکی بنیادوں پر مغلوں کے ایک دوسرے خاندان کے ایوان سلطنت کی تعمیر کا سامان ہو رہا تھا۔ یہ دوسرا مغل خاندان چنگیزی خاندان کا رشتہ دار تھا جسکے بانی کا نام تیمور تھا۔ تیمور کو جنگجوئی اور ملک گیری کے اعتبار سے چنگیز خاں کا مثنیٰ سمجھنا چاہیے۔ فرق یہ تھا کہ چنگیز خاں کافر اور تیمور مسلمان تھا تیمور نے سنہ ۸۰۱ھ میں جب ہندوستان پر حملہ کیا تو تاتار خاں ابن ظفر خان جو نصرت شاہ کا وزیر اور پانی پت میں مقیم تھا اقبال خاں اور ہی سے شکست فاش کھا کر اور نصرت شاہ کو

تنہا چھوڑ کر اپنے باپ کے پاس گجرات کی طرف چلا گیا تھا۔ سارنگ خاں لودی حاکم دیپالپور خضر خاں حاکم ملتان کو شکست دیکر ملتان سے بے دخل کر چکا تھا خضر خاں ملتان سے بھاگ کر اور میوات کی طرف آکر پہاڑوں اور جنگلوں میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ اقبال خاں لودی برادر سارنگ خاں نصرت شاہ کو دہلی سے میوات کی طرف بھگا کر ناصر الدین محمود کو دہلی کا تنہا سلطان بنا چکا تھا۔ تیمور کا حملہ مسلمان مغلوں کا ہندوستان پر پہلا حملہ تھا جسمیں انکو فتح اور کامیابی حاصل ہوئی۔ تیمور اپنی توزک میں لکھتا ہے کہ۔

"مجھے خبر نویسوں نے اطلاع پہونچائی کہ ہندوستان کے ہر حصے اور ہر گوشہ میں جُدا جُدا حاکم خودمختار ہو کر صاحب تخت و تاج بنگئے ہیں ملتان میں ملوخاں (اقبال خاں) کا بھائی سارنگ خاں حکومت کر رہا ہے اور اُسنے لاہور کو فتح کر کے وہاں فوجیں جمع کی ہیں۔ ہندوستان کے ہر صوبہ میں کوئی نہ کوئی مدعی سلطنت موجود ہے"

اگر ہندوستان میں مسلمانوں کی سلطنت پاش پاش اور ریزہ ریزہ نہ ہو گئی ہوتی تو تیمور کو بھی اس حملہ میں اسی طرح ناکامی ہوتی جیسا کہ اس سے پہلے مغلوں کو ہندوستان کی اسلامی سلطنت کے مقابلے میں شکست ہوتی رہی تھی۔ تیمور نے اپنی توزک میں زیادہ تر اپنی سلطنت و حکومت کے آئین و ضوابط لکھے ہیں اپنی فتوحات اور واقعات زندگی تمام و کمال مورخانہ انداز سے درج نہیں کیے۔ اسی لیے ہندوستان کی حملہ آوری کے مفصل حالات توزک تیمور سے معلوم نہیں ہو سکتے۔ تاہم تیمور نے اپنی توزک میں اتنا ضرور لکھا ہے کہ

"مَیں نے جب ہندوستان پر حملہ آور ہونے کا قصد کیا تو میری فوج اور اکثر سرداران فوج نے اسکو ناپسند کیا اور بڑی مشکل سے اُن کی مخالفت کو رضامندی یا خاموشی سے تبدیل کیا گیا۔"

تیمور حملۂ ہندوستان سے پہلے ایران و خراسان و ترکستان وغیرہ اکثر ممالک کو اپنے زیرنگین لا چکا تھا۔ باوجود اسکے اسکی فوج اور سرداران لشکر کا ہندوستان پر حملہ آور ہونے کو ناپسند کرنا یقیناً اسی لیے تھا کہ مغلوں کو ہندوستان کی اسلامی سلطنت کے مقابلے میں اس سے پہلے ہمیشہ شکستوں۔ ناکامیوں اور ذلتوں سے واسطہ پڑتا رہا تھا۔ تیمور اپنی توزک میں یہ بھی لکھتا ہے کہ ہندوستان پر حملہ آور ہونے میں راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ

افغانی قبائل کی طاقت تھی جنکا سردار اُس زمانے میں موسیٰ خاں نامی افغان تھا۔ تیمور نے اس رکاوٹ کو بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے دور کیا۔ یعنی اسنے خود ہی اول اپنے ایک سردار کو موسیٰ خاں افغان کی طرف روانہ کیا جو موسیٰ خان کے مقابلے میں مارا گیا اس مقتول سردار کا بھائی جب تیمور کے پاس واپس آیا تو تیمور نے اسکو فوراً قید کر دینے کا حکم دیا اور اس مقتول سردار کی نسبت اپنی ناراضی کا اظہار کیا کہ اُسنے موسیٰ خاں پر ہماری منشا کے خلاف کیوں حملہ کیا حالانکہ موسیٰ خاں ہمارا دوست ہے اور ہم ہرگز اس سے لڑنا نہیں چاہتے۔ تیمور لکھتا ہے کہ "میرے یہ الفاظ میرے درباریوں کو بہت ہی ناگوار گذرے لیکن میرا مقصد جس سے میرے درباری ناواقف تھے حاصل ہوگیا یعنی موسیٰ خاں کو میرے ان الفاظ اور اس طرز عمل کا حال معلوم ہوا تو وہ خود بخود میری ملاقات کو چلا آیا۔" تیمور دوستانہ اُسکے قلعہ میں داخل ہوا۔ قلعہ میں داخل ہونے کے بعد جبکہ موسیٰ خاں میزبانانہ اسکے ہمراہ تھا کسی نے ایسا تیر مارا کہ موسیٰ خاں مارا گیا اور تیمور قلعہ پر قابض ہوگیا افغانستان کی طرف سے مطمئن ہوکر تیمور نے ہندوستان کا قصد کیا اپنے پوتے پیر محمد کو تیس ہزار سواروں کے ساتھ کوہ سلیمان کے راستے ملتان پر جہاں سارنگ خاں موجود تھا حملہ آور ہونے کے لیے روانہ کیا اور خود بانوے ہزار لشکر جرار کے ساتھ درہ خیبر کے راستے پنجاب میں داخل ہوکر لاہور پر جہاں عادل خاں برادر سارنگ خاں حاکم تھا حملہ آور ہوا۔ پیر محمد کوہ سلیمان کے **لودی۔ لوحانی**۔ اور **نیازی** وغیرہ پٹھانوں کے قبائل سے لڑتا بھڑتا ملتان پہونچا۔ سارنگ خاں لودی نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا مگر میدان جنگ میں کام آیا۔ چونکہ اسکی لاش نہیں ملی اسلیے اُسکا مارا جانا بھی مشتبہ رہا۔ فوج بلا سردار کیسے لڑتی آخر پیر محمد کا ملتان پر قبضہ ہوگیا۔ تیمور پنجاب میں داخل ہوا تو عادل خاں برادر سارنگ خاں مقابلے پر آیا مگر تیمور کے لشکر کی کثرت پر غالب نہ آسکا چنانچہ تیمور لاہور پر قابض ہوگیا۔ شیخا گکھڑ اور اسکے بھائی جسرت گکھڑ نے جو سارنگ خاں کے ہاتھ سے نقصان اور ذلت اٹھائے ہوئے تھے حاضر ہوکر اظہار نیازمندی کیا۔ تیمور نے شیخا گکھڑ کی محض اسلیے کہ وہ لودیوں کا دشمن تھا وہ عزت افزائی کی جو اپنی مدت العمر میں اُسنے شاید کسی کی بھی نہ کی ہوگی۔

"و التفات در بارۂ او بحدے رسید کہ اگر بحشمے یا حشرے میر سیدند کہ نسبت خود

پیشتر گکھر میکردند ہیچ یک از افراد عساکر منصورہ را زہرہ آن نبود کہ متعرض
شوند" (فرشتہ)

شیخا گکھر کو پنجاب کے بعض اضلاع کی حکومت دیکر اور لاہور کے قلعہ میں تاریخ فرشتہ
کے مصنف محمد قاسم فرشتہ کے دادا ہندو شاہ کو اپنی طرف سے مامور کر کے تیمور ملتان
کی جانب متوجہ ہوا جہاں اسکا پوتا مرزا پیر محمد پہلے سے قابض ہو چکا تھا۔ بماہ صفر ۸۰۱ھ
تلنبہ کو غارت کرتا ہوا ملتان پہنچا۔ ملتان سے پیر محمد کو ہمراہ لیکر اجودھن (پاک پٹن)
پھر اجودھن سے پچاس کوس (پنجاہ کروہ) چلکر قلعہ بھٹنیر پر حملہ آور ہوا۔ یہ وہی بھٹنیر کا مشہور
قلعہ ہے جسکا ذکر سلطان محمود غزنوی کے حالات میں آچکا ہے۔ یہاں ایک ہندو راجہ
جسکا نام فرشتہ نے راؤ جلچی اور ملا عبدالقادر بدایونی نے راؤ جلچین بھٹی لکھا
حاکم تھا۔ فرشتہ کہتا ہے کہ

"راؤ جلچی کہ حاکم آنجا و از صنادید کفار ہند بود و در قواعد سرداری و قلعہ داری بہتر
از وے در ہندوستان کسے نبود خود را بہادر می نامید چہ بزبان ہندی بہادر را
راؤ میگویند از قلعہ برآمدہ در کنار شہر صف آراست" ○

تیمور نے اس راجہ کو شکست دی اور وہ بھاگ کر قلعہ میں محصور ہو گیا۔ ایک سید کو
تیمور کے پاس بھیجکر جان کی امان اور ایک روز کی مہلت طلب کی جو مل گئی مہلت کے
گذرنے پر بھی جب وہ حاضر نہ ہوا تو قلعہ کی دیواروں میں نقب زنی شروع کی گئی راجہ کو
جب اپنی ہلاکت یقینی نظر آئی تو وہ شیخ سعد الدین نبیرہ شیخ فریدالدین گنجشکر رحمہ کو جو اجودھن
سے اسکے پاس قلعہ میں آئے ہوئے تھے ہمراہ لیکر تیمور کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔
تیمور نے شیخ ممدوح کی سفارش سے اسکا قصور معاف کر کے خلعت عطا کیا لیکن
اسی حالت میں راجہ کے بھائی اور بیٹے نے تیمور کے آدمیوں پر حملہ کر کے انکو قلعہ میں
داخل ہونے سے روکا تیمور نے مجبوراً حکم دیا کہ قلعہ کو مسمار کر دیا جائے چنانچہ بھٹنیر کا
مشہور و معروف قلعہ مسمار کر کے خاک کے برابر کر دیا گیا اور اسی روز سے شہر بھی ویران
ہو گیا۔ بھٹنیر سے سرستی اور فتح آباد کے قلعوں کو مسمار کرتا ہوا سامانہ پہنچا یہاں کے
سرکش جاٹوں اور راجپوتوں کو جو راہزنی میں شہرۂ آفاق تھے گرفتار و قتل کیا۔ سامانہ
کیتھل پہنچکر لشکر کی موجودات لی پھر پانی پت پہنچکر دریائے جمنا کو عبور کیا اور قلعہ

لونی کے ہندوؤں کو شکست دیکر قلعہ پر قبضہ کیا۔ قلعہ لونی کی نسبت فرشتہ کہتا ہے کہ۔

"این قلعہ لونی میان آب جمنا و ہنڈون واقع شدہ۔ ہنڈون آبیست عمیق۔ سلطان فیروزشاہ مرحوم از آب اکالی بریدہ و دریں محل آب جمن اتصال دادہ واکثر متوطنان آنجا مجوس بودند"

یہاں سے دریا کے کنارے کنارے دہلی کے مقابل پہونچا اور دریا کو عبور کرکے اقبال خاں برادر سارنگ خاں سے نبرد آزما ہوا۔ لڑائی سے پہلے ان قیدیوں کو جو اٹک کے سفر میں جا بجا سے گرفتار ہو کر لشکر کے ہمراہ تھے قتل کیا۔ ملا عبدالقادر بدایونی کی روایت کے مطابق ان قیدیوں میں ہندو بھی تھے اور مسلمان بھی۔ قتل ہونے سے نہ ہندو بچے نہ مسلمان۔ ۷۔ ربیع الاول سنہ ۸۰۱ھ کو دہلی کے پاس معرکہ کارزار گرم ہوا اقبال خاں کے پاس چالیس ہزار فوج تھی جسمیں آزمودہ کار جنگجو کم اور ناتجربہ کار شہری لوگ زیادہ تھے تیمور کی جنگ آزمودہ جرار فوج کی تعداد ایک لاکھ بائیس ہزار تھی چنانچہ لڑائی میں دہلی کی قلیل فوج نے شکست کھائی اور اقبال خاں واپس ہو کر دہلی میں محصور ہو گیا۔ رات ہوتے ہی ناصرالدین محمود نے فرار ہو کر گجرات کا رُخ کیا۔ اقبال خاں بھی مجبوراً دہلی چھوڑ کر برن (بلند شہر) پہونچا اور وہیں مقیم رہکر کشودکار کی تدبیروں میں مصروف رہا۔ تیمور فاتحانہ دہلی میں داخل ہوا اس طرح پہلی مرتبہ مغلوں کی فوج کو دہلی کے لوٹنے کا موقع ملا۔ لیکن مغلیہ لشکر کو برن پر حملہ آور ہونے کی جرات نہ ہوئی جہاں اقبال خان موجود تھا۔ دہلی کے ہندوؤں نے دہلی کی جامع مسجد کو بطور قلعہ اپنی حفاظت کے لئے استعمال کیا۔ تیمور پندرہ روز دہلی میں مقیم رہا۔ شاہی خزانہ حتی کہ فیروز تغلق کے زمانہ کا جڑا گھر تک بھی لوٹ لیا گیا۔ دہلی قریباً ویران ہو گئی۔ تیمور دہلی سے چل کر فیروز آباد آیا یہاں بہادر ناہر کی میوات سے بھیجی ہوئی دو سفید طوطیاں اور اسکی درخواست جسمیں اظہار اخلاص تھا پہونچی۔ تیمور نے سید شمس الدین ترمذی کو بھیجکر بہادر ناہر کو بلوایا۔ وہ حاضر خدمت ہوا اور اسکے ساتھ خضر خاں بھی جو سارنگ خاں سے شکست پاکر ملتان سے آوارہ ہو کر میوات کے پہاڑوں میں سرگرداں پھر رہا تھا حاضر ہوا تیمور نے بہادر ناہر کو خلعت دیکر میوات کی طرف رخصت کیا اور خضر خاں کو ہمراہ لیکر فیروز آباد سے پانی پت کی جانب روانہ ہوا۔ پانی پت پہونچکر امیر شاہ ملک کو فوج دیکر میرٹھ کی طرف بھیجا کہ یہاں سے جو مال و زر ہاتھ لگے لے آوے۔ میرٹھ کے قلعہ دار ملک الیاس خاں

اور ملک صفی نے قلعہ کی حصانت پر اعتماد کر کے مقابلہ کی تیاری کی۔ امیر شاہ ملک نے تیمور کو اطلاع دی کہ قلعہ والے لڑائی پر مستعد ہیں اور قلعہ کا فتح کرنا دشوار ہے یہ سنکر تیمور خود میرٹھ آیا قلعہ کو فتح کر کے مذکورہ سرداراں کو قتل کیا اور قلعہ میرٹھ کو بھٹنیر کے قلعہ کی طرح مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیا۔ اسکے بعد دامن کوہ سوالک (موجودہ ضلع سہارنپور) کو تاخت و تاراج کیا۔ پھر گنگا کو عبور کر کے موجودہ ضلع بجنور کے علاقے میں داخل ہوا یہاں کے ہندو رئیسوں اور اُن کے زن و فرزند کو گرفتار کر کے واپس چلا گیا۔ راستے میں رتن نامی ایک زمیندار کو مغلوب کر کے اس سے بہت سا زر و مال وصول کیا اور کوہ ہمالیہ کے دامن میں سفر کرتا ہوا جموں پہونچا۔ جموں کے راجہ نے مقابلہ کیا مگر زخمدار و گرفتار ہو کر تیمور کی خدمت میں آیا تو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور اسی وقت گائے کا گوشت کھایا۔ فرشتہ کہتا ہے کہ۔

"چوں بجموں رسید رائے آنجا بجنگ پیش آمدہ زخمدار و گرفتار گشت و تکلیف صاحبقراں

مسلمان شدہ گوشت گاؤ خورد"

شیخا گکھر کا ذکر اوپر آچکا ہے اُسنے تیمور کے جاتے ہی لاہور کے قلعہ سے اُسکے اہلکار ہندو شاہ کو بے دخل کر کے خود قبضہ کر لیا تھا۔ اب جبکہ تیمور واپسی میں جموں پہونچا تو وہ سرکشی پر آمادہ رہکر تیمور کی خدمت میں سلام کے لیے حاضر نہ ہوا۔ یہ سنکر تیمور نے کچھ فوج لاہور کی جانب روانہ کی شیخا گرفتار ہو کر آیا تیمور نے اسکو قتل کر کے خضر خاں کو جو ہمراہ رکاب تھا اپنی طرف سے لاہور و دیپالپور و ملتان کا حاکم مقرر کیا اور شیخا کے بھائی جسرت کو گرفتار کر کے کابل کے راستے سمرقند کا عازم ہوا۔ جہاں سے سامان جنگ کر کے اُس کو بایزید یلدرم عثمانی کے مقابلے کو جانا او قسطنطنیہ کے عیسائی قیصر کو جسکی درخواست استمداد ہندوستان ہی میں اسکے پاس پہونچ گئی تھی۔ بایزید یلدرم کے حملے سے بچانا تھا شیخا کا بھائی جسرت گکھر سمرقند میں موقع پاکر قید خانہ سے نکل بھاگا اور پنجاب میں واپس آکر اپنے بھائی شیخا کی جگہ اپنی قوم کا سردار بن گیا۔

یہ تھا تیمور کا حملہ جسکا مختصر اور ضروری حال اوپر بیان ہوا۔ تیمور ماہ رجب سنہ ۸۰۱ھ ہندوستان میں داخل ہوا تھا اور ایک سال سے کچھ زیادہ دنوں کے بعد حدود ہندوستان سے واپس چلا گیا۔ ہندوستان میں تیموری لشکر کا مقابلہ مسلمانوں کے صرف ایک ہی خاندان نے کیا اور کوئی قابل تذکرہ مقابلہ اسکا کسی مسلمان سے نہیں ہوا۔ لاہور میں

عادل خاں۔ ملتان میں سارنگ خاں اور دہلی میں اقبال خاں یکساں بہادری کے
ساتھ معرکہ آرا ہوئے۔ یہ تینوں حقیقی بھائی ظفر خاں ابن ظفر خاں لودی کے بیٹے تھے۔
تیمور نے ہر ایک اُس شخص کو جو ان لودی سرداروں کا دشمن تھا (قطع نظر اسکے کہ وہ مسلمان
ہے یا ہندو) اپنا دوست سمجھا۔ چونکہ تیمور مسلمان تھا اسلیے اسکے اس حملہ کو بھی ہمارے
ہندو دوستوں نے ہندوستان کے مسلمان سلاطین کے فرضی مظالم کی فہرست میں
شامل کر لیا ہے۔ ہم اپنے دوستوں سے بجز اسکے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ تیمور کو جسقدر چاہو
بُرا کہہ لو لیکن اسکی بداعمالیوں کو اسلام اور تعلیمات اسلامیہ کا نتیجہ قرار نہ دو
تم اگر تیمور سے ناراض ہو تو ہم تم سے بھی زیادہ اسکے شاکی ہیں۔ تیمور کے خاندان میں اسکا
باپ تراغی سب سے پہلا مسلمان تھا جسنے کفر کو چھوڑ کر اسلام قبول کیا تھا۔ تیمور تعلیمات
اسلامیہ سے پورے طور پر واقف نہ تھا یہی وجہ تھی کہ وہ خراسان کے خوشامدی لوگوں کی
باتوں میں آکر اپنے آپ کو مجدد بھی یقین کرنے لگا تھا و شیعیت کی جانب حد سے زیادہ
مائل تھا جسکے ثبوت میں اسکی خود نوشت تُوزک موجود ہے۔ یہ وہی تیمور ہے جسنے بایزید
یلدرم کو جو تمام براعظم یورپ کو فتح کرکے عیسائی طاقت کا خاتمہ کر دینے والا تھا انگورہ
کی مشہور آفاق خونریز جنگ میں بلا وجہ مبتلا کرکے یورپ کو بچا دیا۔ یہی تیمور ہے جسنے
ترکان عثمانی یعنی بہترین خادمان اسلام کی بڑھتی اور ابھرتی ہوئی طاقت کو سب سے
زیادہ نقصان پہونچایا۔ یہی تیمور ہے جسنے شام و عراق و آذربائیجان و ایشیائے
کوچک کے مشہور اسلامی شہروں کو برباد کیا۔ اسکی فوج نے ہندوستان آکر سارنگ خاں
اور اسکے بھائی عادل خاں کو جو دونوں مسلمان تھے تباہ کیا۔ اُسنے شیخا گکھڑ کی عزت کو
بڑھایا پھر شیخا کو اسکی احسان ناشناسی اور بیوفائی کی وجہ سے قتل کیا۔ اور خضر خاں
کو جو پہلے بھی ملتان کا حاکم اور سارنگ خاں لودی کا دشمن تھا پنجاب و ملتان کا حاکم
بنایا۔ اُسنے میرٹھ کے مسلمان کو بھی قتل کیا اور سہارنپور و بجنور کے ہندوؤں کو بھی
اسنے دہلی کے مسلمان بادشاہ کو خانہ خراب کیا۔ دہلی کو جہاں مسلمانوں کی کثرت تھی
لوٹا۔ قیدیوں کو جنمیں ہندو اور مسلمان دونوں تھے قتل کیا۔ غرض اسکے ہاتھ سے ہندوستان
میں ہندوؤں کو جس طرح نقصان پہونچا اسیطرح مسلمانوں کو۔ وہ اس ملک سے جو کچھ لوٹ
مار کرکے لے گیا اس میں مسلمانوں سے چھینی ہوئی دولت یقیناً ہندوؤں سے چھینی ہوئی

دولت کے مقابلہ میں بدرجہا زیادہ تھی۔ لہذا ہم اور تم دونوں یہ کیوں نہ کہیں کہ تیمور کی آمد خدا تعالیٰ کا ایک غضب تھا جو اس ملک کے نالائق باشندوں کی (جنمیں ہندو اور مسلمان دونوں شامل تھے) بداعمالیوں کی وجہ سے نازل ہوا تھا۔ ایک قدرتی تازیانہ تھا جو اس طرف توجہ دلانے کے لیے آیا تھا کہ بدامنی پھیلانا اور خانہ جنگی برپا کرنا ہرگز نیک نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا۔ پھر اس بات کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ تیمور اسی اکبر کا دادا تھا جسنے پوری نصف صدی تک اپنے عہد حکومت میں ہندوؤں پر انواع واقسام کے احسانات روا رکھے جو ہمارے دوستوں کو بھی تسلیم ہیں۔ ٥

اقبال خاں لودی

تیمور کے بعد نصرت شاہ جسے تاتار خاں ابن ظفر خاں تنہا چھوڑ کر گجرات کی جانب چلدیا تھا اور جو اقبال خاں کے خوف سے دہلی چھوڑ کر بھاگا ہوا تھا پھر واپس آکر دہلی میں حکومت کرنے لگا۔ اقبال خاں برن سے دہلی آیا تو اسکے آنے کی خبر سنکر نصرت شاہ بھاگ کر میوات چلا گیا۔ اقبال خاں نے دہلی اور ارد گرد کے اضلاع میں اپنی حکومت و سلطنت قائم کر لی۔ صوبوں کے حاکم پہلے ہی سب اپنی اپنی جگہ خود مختار اور مستقل بادشاہ بن بیٹھے تھے۔ گجرات میں ظفر خاں۔ مالوہ میں دلاور خان۔ جونپور میں خواجہ جہاں ملک سرور ملتان میں خضر خاں۔ سامانہ میں غالب خان۔ بیانہ میں شمس خاں۔ کالپی میں محمد خاں۔ دہلی میں اقبال خاں لودی۔ میوات میں بہادر ناہر۔ کٹھیر میں ہر سنگھ۔ گوالیار میں پرم دیو ابن بیر سنگھ۔ اٹاوہ میں رائے سمیر۔ پٹیالی میں رائے سبیر سنگھ سب اپنی اپنی جگہ خود مختار اور مطلق العنان تھے۔ کوئی کسی کا محکوم نہ تھا۔ اقبال خاں نے اپنے آپ کو مضبوط بنا کر سب سے پہلے جمادی الاول ۸۰۲ھ میں بیانہ پر حملہ کیا اور شمس خاں کو شکست دینے کے بعد دو ہاتھی اور بہت سامال و اسباب لیکر اس سے فرمانبرداری کا اقرار نامہ لکھایا۔ پھر کٹھیر پر حملہ آور ہو کر ہر سنگھ سے اقرار اطاعت اور خراج و نذرانہ وصول کیا۔ انھیں ایام میں سلطان الشرق خواجہ جہاں ملک سرور کے فوت ہونے کی خبر پہنچی ساتھ ہی یہ معلوم ہوا کہ اسکی جگہ اسکا متبنیٰ ملک قرنفل جونپور میں مبارک شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا ہے۔ اقبال خاں کٹھیر سے روانہ ہو کر قصبہ پٹیالی کے قریب پہونچا تو رائے

بھیر سنگھ اور اس طرف کے ہندو زمینداروں نے مقابلہ کر کے شکست کھائی۔ اقبال خاں قنوج کے قریب دریائے گنگا کے کنارے پہونچا تھا کہ مبارک شاہ جونپور سے چل کر مقابلہ کے لیے آگیا۔ دریا کے ایک طرف اقبال خاں کی فوج خیمہ زن تھی دوسری طرف مبارک شاہ کی۔ دو مہینے اسی حالت میں دونوں لشکر خیمہ زن رہے اور کسی کو دریا کے عبور کرنے کی جرأت نہ ہوئی آخر مبارک شاہ جونپور کی طرف چلدیا۔ اقبال خاں بھی دہلی کی جانب چلا آیا۔ راستے میں شمس خاں سے بعض نامناسب حرکات معائنہ ہوئیں لہذا شمس خاں قتل ہوا اور بیانہ کی حکومت اسکے بھائی کریم خاں کو کریم الملک کا خطاب دیکر سپرد کی گئی۔

اب سلطان ناصرالدین محمود کا حال سنیئے۔ وہ دہلی سے فرار ہو کر گجرات کی جانب گیا۔ اسکا خیال تھا کہ ظفر خاں ابن وجیہ الملک میرے ساتھ مروت اور رعایت کا برتاؤ کریگا لیکن ظفر خاں نے ہر ایک اس شخص کی جو دہلی سے بھاگ کر گجرات پہونچا خوب خاطر مدارات کی تاکہ اسکی حکومت وسلطنت کو رونق واستواری حاصل ہو لیکن سلطان ناصرالدین محمود کو اپنے یہاں ٹھہرانا بھی گوارا نہ کیا اور نہایت بے مروتی کے ساتھ پیش آیا۔ ناصرالدین محمود اور ظفر خاں کی مخالفت اور رقابت پشتینی تھی دوسرے ناصرالدین محمود کا وجود اسکی حکومت وخودمختاری کے لیے مضرت رساں ہو سکتا تھا۔ تیسرے تاتار خاں ابن ظفر خاں نصرت شاہ کو بادشاہ بنا کر ناصرالدین محمود کے خلاف معرکہ آرا رہ چکا تھا اور اب ناصرالدین محمود سے پہلے باپ کے پاس گجرات پہونچا ہوا تھا۔ چنانچہ ناصرالدین محمود گجرات سے پیچ وتاب کھاتا ہوا خفیف وذلیل ہو کر واپس لوٹا۔ یہ خبر سنکر دلاور خاں غوری حاکم مالوہ نے اپنی جبلی شرافت کے تقاضے سے اپنے آدمی بھیجکر ناصرالدین محمود کو اپنے یہاں بلوایا اور بڑی تعظیم وتکریم کے ساتھ پیش آیا۔ ناصرالدین محمود مالوہ میں مقیم تھا کہ سنہ ۸۰۴ ہجری میں اقبال خاں کا پیغام پہونچا کہ آپ دہلی تشریف لے آئیے۔ ناصرالدین محمود مالوہ سے دہلی آکر تخت سلطنت پر بیٹھا اور اقبال خاں بطور وزیر بدستور مہمات سلطنت میں مصروف رہا۔ اسی حالت میں خبر پہونچی کہ مبارک شاہ شرقی یکسالہ حکومت کے بعد جونپور میں فوت ہو گیا اور اسکی جگہ اسکا بھائی ابراہیم شاہ تخت نشین ہوا۔ یہ سنکر اقبال خاں و ناصرالدین محمود دونوں شاہ ووزیر جونپور کی طرف روانہ ہوئے۔ ابراہیم شاہ شرقی فوج لیکر مقابلہ پر آیا جب دونوں لشکر قریب ہو کر خیمہ زن ہوئے تو سلطان ناصرالدین محمود نے

یہ حماقت کی کہ اقبال خاں کو دھوکہ دیکر شکار کے بہانے اپنے غلاموں اور ہمراہیوں کی ایک جماعت کے ساتھ لشکر سے جدا ہوا اور ابراہیم شاہ کے لشکر میں اس امید پر چلا گیا کہ ابراہیم شاہ چونکہ ہمارے خاندان کا غلام ہے ضرور اطاعت سے پیش آئے گا اور مجھے دیکھتے ہی اپنا تخت میرے لیے چھوڑ دے گا لیکن وہ ظفر خاں گجراتی سے زیادہ حوصلہ نہ رکھتا تھا اور دلاور خاں غوری یا اقبال خاں لودی کی گنجایش اسمیں موجود نہ تھی اُسنے اپنے لشکر میں ناصر الدین محمود کے آنے کا حال سنکر ضیافت کا سامان بھی نہ بھجوایا تعظیم و تکریم کے ساتھ استقبال کرنا تو بڑی بات تھی۔ اب ناصر الدین محمود اس میں سودا ندہ و زیاں سود رماندہ ہو کر نہ ابراہیم شاہ کے لشکر میں رہ سکتا تھا نہ اقبال خاں کو منھ دکھانے کے قابل تھا فوراً وہاں سے جدا ہو کر شہر قنوج کی طرف آیا۔ باشندگان قنوج نے اسکا استقبال کیا اور ابراہیم شاہ کے عامل کو وہاں سے بیک بینی و دو گوش بھاگنا پڑا۔ ناصر الدین محمود کے قنوج پر قابض و متصرف ہونے کا حال سنکر ابراہیم شاہ جونپور کی طرف واپس چلا گیا اور اقبال خاں دہلی کی جانب واپس آ کر مہمات سلطنت میں مصروف ہوا۔ ناصر الدین محمود کو قنوج میں اُسکے حال پر چھوڑ دیا۔ سنہ ۸۰۲ھ میں اقبال خاں نے قلعۂ گوالیار پر حملہ کیا۔ گوالیار کے حاکم پرم دیو نے میدان میں نکلکر مقابلہ کیا مگر شکست کھا کر قلعہ میں محصور ہو بیٹھا اقبال خاں نے علاقہ سے روپیہ تو وصول کیا مگر قلعہ فتح نہ کر سکا۔ دہلی واپس آگیا سنہ ۸۰۳ھ میں گوالیار کے راجہ پرم دیو۔ اٹاوہ کے راجہ سیر سنگھ۔ رائے جھالا۔ اور دوسرے چند ہندو زمینداروں نے ملکر اٹاوہ میں ایک لشکر عظیم جمع کر کے ایک ہندو سلطنت قائم کرنیکی تجویز اور اقبال خاں کے مقابلہ کی زبردست تیاری کی۔ یہ سنتے ہی اقبال خاں بلا توقف اس طرف پہونچا اور چار مہینے مسلسل جنگ و پیکار کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر تمام راجہ مغلوب و شکست خوردہ و اسیر ہوئے اور سب نے دامن عفو و تقصیر کی التجا کر کے آیندہ کے لیے فرمانبرداری و خراج گذاری کا وعدہ کیا۔ اقبال خاں سب سے خراج و نذرانہ اور اقرار اطاعت لیکر واپس ہوا۔ سنہ ۸۰۴ھ میں اقبال خاں نے دہلی میں دولت خاں اور اختیار خاں اپنے چچا زاد بھائیوں کو قایم مقام چھوڑ کر اول سامانہ پر حملہ کیا۔ وہاں کے حاکم کو گرفتار کر کے ملتان کی جانب روانہ ہوا۔ رستہ میں بمقام تلونڈی رائے داؤد اور رائے ہبو بسران رائے رتی کو ہمراہ لیتا ہوا آگے بڑھا خضر خاں حاکم ملتان چلا آیا کہ

تیمور کی جانب سے ملتان و پنجاب کا حاکم سمجھتا تھا پنجاب و ملتان کی عظیم الشان فوجیں جمع کر کے پہلے ہی سے اقبال خاں کے مقابلہ کی تیاری کر چکا تھا نیز گجرات سے ظفر خاں ابن وجیہہ الملک نے اپنے بیٹے فتح خاں کو ایک زبردست فوج کے ساتھ خضر خاں کی مدد کے لیے بھیجدیا۔ ظفر خاں کا بیٹا تاتار خاں جو اقبال خاں سے شکست کھا کر ذلیل ہو کر گجرات کی طرف بھاگ آیا تھا اسنے گجرات میں جب تیمور کے واپس چلے جانے اور اقبال خاں کے پھر دہلی پر قابض ہونے کا حال سنا تو ظفر خاں اپنے باپ کو قید کر کے خود سلطنت سنبھالی اور اقبال خاں سے بدلہ لینے کے لیے فوجیں فراہم کر کے دہلی کی جانب چلا۔ ظفر خاں نے جو محبوس و مقید ہو چکا تھا تاتار خاں کو زہر دلوا کر ہلاک کرا دیا اور پھر بر سر حکومت ہوا اسکو مرتے دم تک اس بات کا افسوس رہا کہ اپنے بیٹے تاتار خاں کو خود ہلاک کرایا۔ اب اقبال خاں کی فوجکشی کا حال سنکر اسنے خضر خاں کو مدد دینا تاتار خاں کے دشمن اور اپنے خاندان کے پرانے مخالف اقبال خاں کو ہلاک کرانا ضروری سمجھا اور اسی لیے اپنے دوسرے بیٹے فتح خاں برادر تاتار خاں کو خضر خاں کی مدد کے لیے بھیجا خضر خاں نے فتح خاں کی بڑی خاطر مدارات کی (یہی وہ فتح خاں گجراتی ہے جو اپنے باپ ظفر خاں کی وفات کے بعد اپنے بھتیجے احمد خاں ابن تاتار خاں کی تخت نشینی اور سلطنت گجرات سے اپنی محرومی پر بددل ہو کر خضر خاں کے پاس دہلی چلا آیا تھا جبکہ خضر خاں دہلی کا بادشاہ بن چکا تھا) غرض خضر خاں کے پاس بہت بڑی فوج اور نہایت زبردست لشکر فراہم ہو چکا تھا۔ اقبال خاں اور خضر خاں کی عداوت و مخالفت بھی پرانی اور قدیمی تھی۔ تیمور لودی خاندان کا دشمن اور خضر خاں تیمور کا دست گرفتہ تھا۔ تیمور نے خضر خاں کی عزت افزائی اسی لیے کی تھی کہ وہ سارنگ خاں لودی کا ستایا ہوا تھا۔ اقبال خاں اپنے بھائی سارنگ خاں کا انتقام اب خضر خاں ہی سے لے سکتا تھا جو اپنے آپ کو علانیہ اور بفخریہ تیمور کا خادم ظاہر کرتا تھا۔

۱۹ جمادی الاول ۸۰۸ھ کو دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا عین معرکہ جنگ میں اقبال خاں کا گھوڑا زخمی ہو کر بیکار رہا اسکے پیدل ہوتے ہی لشکر دہلی کی (جسکی تعداد بھی بہت تھوڑی تھی) ہمت پست ہو گئی اور لوگ میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ اقبال خاں نے فرار کی عار گوارا نہ کی اور آخر دم تک مصروف شمشیر زنی رہا۔ بہت سے

دشمنوں کو خاک و خون میں ملا کر اپنے ہی ایک ہم قوم ملک شاہ لودی ابن بہرام خاں لودی کے ہاتھ سے میدان جنگ میں مارا گیا۔ خضر خاں کی فوج میں بہت سے لودی موجود تھے لودیوں کی آپس کی نااتفاقی اور برادر کشی بطور ضرب المثل مشہور اور معلوم عوام ہے۔ اسی برادر کشی کا نتیجہ تھا کہ سوا سو سال کے بعد ۹۳۲ھ میں دولت خاں لودی صوبہ دار پنجاب نے بابر کو حملۂ ہند کی دعوت دیکر لودیوں کی عظیم الشان سلطنت کو برباد اور سلطان ابراہیم لودی کو قتل کرایا تھا۔ ملک شاہ لودی کو اقبال خاں کے قتل کرنے کے صلہ میں خضر خاں نے اسلام خاں کا خطاب دیا اور اسکے بعد وہ اسلام خاں ہی کے نام سے مشہور رہا۔ اقبال خاں کی قابلیت ملک گیری میں کسی شک و شبہ کی گنجایش نہیں۔ اسنے یکے بعد دیگرے ایک ایک شخص کو مغلوب و محکوم بنا کر دہلی کی سلطنت کے اقتدار رفتہ کو واپس لانے کی جو قابل قدر کوشش کی وہ ضرور قابل تحسین ہے۔ سلطان ناصر الدین محمود اگر کسی قابل ہوتا تو اقبال خاں جیسے با اقبال و با وفا سردار کے ہوتے ہوے کم از کم شمالی ہند کی سلطنت جیسی کہ فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں قایم تھی پھر با سانی قایم ہو سکتی تھی۔ لودیوں کی آپس کی نااتفاقی کی تو وہ صورت تھی جو اوپر مذکور ہوئی لیکن شاہی خاندان کے ساتھ وفاداری کا یہ عالم تھا کہ دولت خاں اور اختیار خاں نے جب اقبال خاں کے مارے جانے کا حال سُنا تو فوراً سلطان ناصر الدین محمود کے پاس قنوج میں پیغام بھیجا کہ اقبال خاں جس سے آپ کتراتے تھے مارا گیا اب دہلی تشریف لائیے اور تخت سلطنت کو سنبھالیے۔ ناصر الدین محمود اس پیغام کے پہونچتے ہی قنوج سے دہلی کی جانب روانہ ہو گیا۔ ابراہیم شاہ شرقی نے یہ سنکر کہ قنوج خالی ہو گیا ہے بلا توقف حملہ کر کے قنوج کو لے لیا۔ دہلی آکر ناصر الدین محمود نے دولت خاں کو فوج دیکر سامانہ کی طرف بھیجا جہاں بہرام خاں نامی ترکی غلام اقبال خاں کے مارے جانے کی خبر سنکر خود مختار ہو بیٹھا تھا اور خود قنوج کو ابراہیم شاہ کے قبضے سے چھوڑانے کے لیے چلا۔ قنوج میں شاہ شرقی کے مقابل جب کچھ نہ ہو سکا تو دہلی کو واپس آیا۔ دولت خاں لودی بہرام خاں کو گرفتار کر کے دہلی لے آیا سنہ ۸۱۴ھ میں خضر خاں نے حملہ کر کے حصار تک کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ ابراہیم شاہ شرقی دریاے جمنا کے کنارے تک پہونچ گیا مگر فوراً واپس چلا گیا۔ جنگی طاقت اور فوجوں کی افسری عموماً پٹھانوں ہی کے قبضے میں تھی جنمیں لودی اور نیازی پٹھان خاص طور پر پیش پیش تھے۔ سلطان جونپور کی فوج میں کئی لودی افسر موجود تھے۔ خضر خاں حاکم ملتان کی طاقت کا انحصار بھی

پٹھانوں پر تھا جنہیں لودی قوم کے کئی افسر خاص طور پر نمایاں تھے۔ دہلی میں سلطان ناصر الدین محمود کی فوج کے سپہ سالار اور وزیر اعظم بھی دولت خاں لودی اور اختیار خاں لودی تھے خضر خاں نے اُدھر حصار اور فتح آباد پر قبضہ کیا ادھر دولت خاں لودی نے سنبھل کو ابراہیم شاہ شرقی کے آدمیوں سے چھین لیا۔ پھر سنبھل سے واپس آکر حصار اور فتح آباد کو بھی خضر خاں سے فتح کر لیا۔ غرض کئی سال تک یہ کیفیت رہی کہ مشرق کی جانب سے سلطان ابراہیم حملہ آور ہوتا تھا اور مغرب کی جانب سے خضر خاں یورش کرتا تھا۔ دولت خاں لودی جو سلطان ناصر الدین محمود کا سپہ سالار تھا سلطان ابراہیم شرقی کو سنبھل اور قنوج تک بھگاتا ہوا اسکے تعاقب میں جاتا تو خضر خاں دہلی کی فصیل کے نیچے اپنا لشکر لے آتا تھا۔ دولت خاں واپس ہو کر خضر خاں کو شکست دیتا اُسکے تعاقب میں سرہند یا سامانہ یا دیپالپور تک چلا جاتا تو ابراہیم شرقی پھر دہلی کے قریب پہونچ جاتا غرض پانچ چھ سال تک دہلی کی سلطنت اسی مصیبت میں مبتلا رہی۔ ناصر الدین محمود کسی قسم کی لیاقت اور قابلیت سلطنت نہ رکھتا تھا۔ دولت خاں جو ایک سپاہی منش آدمی تھا محض اپنی شمشیر زنی اور صف شکنی کی بدولت دونوں حریفوں کو نیچا دکھاتا اور دہلی کو اُنکے چنگل سے بچاتا رہا۔ آخر ماہ ذیقعدہ ۸۱۵ھ سلطان ناصر الدین محمود بیمار ہو کر فوت اور خاندان تغلقیہ کا خاتمہ ہوا۔ ۞

دولت خاں لودی

ناصر الدین محمود کی وفات کے بعد تمام امرا و شرفا نے متفق ہو کر دولت خاں کو جسکی شجاعت و شہامت سب کے دلوں میں اثر کر چکی تھی تخت سلطنت پر بٹھایا۔ کٹہر کے ہندو زمینداروں نے بخوشی اطاعت قبول کی اور سلطنت دہلی کے زیر نگین علاقہ میں امن و امان قائم ہوا۔ لیکن دولت خاں کو ایک سال اور چند مہینے سے زیادہ پادشاہت کا موقع نہ ملا خضر خاں اور ابراہیم شاہ دونوں دولت خاں کی تخت نشینی کا حال سنکر پہلے سے زیادہ مشتعل اور دولت خاں کے خلاف خصوصی تیاریوں میں مصروف ہو گئے خضر خاں نے لودیوں کی مشہور برادر کشی سے فائدہ اٹھا کر اپنی ریشہ دوانیوں کے ذریعہ اختیار خاں برادر دولت خاں کو اپنی طرف توڑ لیا۔ آخر ماہ ربیع الاول ۸۱۷ھ جبکہ دولت خاں کا ایک بھائی قادر خاں ابن محمود خاں دہلی کی تمام زبردست فوج لیے ہوئے

بمقام کالپی ابراہیم شاہ شرقی سے مصروف جنگ تھا اور دوسرا بھائی اختیار خاں خضر خاں
کے پاس پہونچ چکا تھا اور اپنے پاس کئی دوسرے سرداروں مثلاً قوام خاں لودی کو بھی
لے گیا تھا خضر خاں نے ساٹھ ہزار سواروں کے جرار لشکر سے دہلی پر حملہ کرکے دولت خاں
کو محصور کر لیا۔ محاصرہ کی شدت اور غلہ کی نایابی سے تنگ آکر دولت خاں نے اپنے آپکو
خضر خاں کے حوالے کر دیا خضر خاں نے از راہ ناجوانمردی اُسکو قلعہ حصار فیروزہ میں بھیجکر
قوام خاں لودی کے ہاتھ سے بتاریخ ۱۷ ربیع الاول سنہ ۸۱۷ھ قتل کرا دیا اور اختیار خاں نیز دوسرے
لودی سرداروں نے باطمینان یہ تماشا دیکھا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

دولت خاں کی سلطنت اگرچہ ایک سال اور چند ماہ بیان کی جاتی ہے مگر حقیقت
یہ ہے کہ اقبال خاں کے مارے جانے کے بعد سے دہلی میں اسی کی حکومت قایم تھی
ناصر الدین محمود برائے نام دہلی کا سلطان تھا۔ تغلقیہ خاندان کا حقیقتاً حملۂ تیمور سے خاتمہ ہو چکا
تھا۔ حملۂ تیمور کے نتیجے میں جس طرح دوسرے صوبوں میں جدا جدا خود مختار حکومتیں قائم ہو گئی
تھیں اسی طرح دہلی میں بھی لودیوں کی حکومت قایم ہو گئی تھی۔ ان لودی سرداروں نے گجرات
و جونپور کے فرمانرواؤں کی طرح اپنے قدیمی آقا کے ساتھ بے مروتی کا برتاؤ نہیں کیا اور باوجود
اسکے کہ تمام باشندگان دہلی۔ تمام امرا اور تمام اہلکاران سلطنت سلطان ناصر الدین محمود سے
سخت ناراض تھے لودیوں نے اسکو تخت سلطنت پر قایم رکھا۔ بہر حال پندرہ سولہ سال
کے بعد اس دولت لودیہ کا خاتمہ ہو کر دہلی میں خضر خاں کی سلطنت شروع ہوئی جسکو عام طور
پر سلطنت سادات بھی کہا جاتا ہے۔ تیمور کا مقابلہ ہندوستان میں لودیوں ہی نے کیا۔ جو
خاندان تغلق کے وفادار تھے لہذا وہ خاندان تغلق کے باغیوں اور تیموریوں کے مخالف اور
دشمن سمجھے گئے۔ لودیوں میں سے کسی شخص نے تیمور کی اطاعت اختیار نہیں کی اسکے
جانے کے بعد لودیوں ہی نے دہلی میں پھر سلطنت کا نقشہ جمایا۔ آخر سولہ سال کی کشمکش
کے بعد خضر خاں جو تیمور کی غلامی کا دم بھرتا تھا دہلی پر قابض ہونے میں کامیاب ہوا

سارنگ خاں۔ اقبال خاں۔ عادل۔ دولت خاں نے طائف الملوکی
اور بدامنی کے زمانے میں خاندان تغلقیہ کی حکومت قائم رکھنے اور فیروز شاہی غلاموں کے
برپا کیے ہوئے فتنوں کو فرو کرنے اور خاندان شاہی کو سہارا دینے کی بیحد کوشش کی آخر
اپنا فرض ادا کرنے کے بعد ایک ایک کرکے تلوار کے گھاٹ اتر گئے۔

خضر خاں ابن ملک سُلیمان

خضر خاں سید نہ تھا خضر خاں اور اسکی اولاد کی سلطنت کو عام طور پر سلطنت سادات کہا جاتا ہے لیکن یہ بات حقیقت و اصلیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ سلطان فیروز تغلق کے زمانے میں ملک مردان دولت المخاطب بہ نصیر خاں ملتان کا صوبہ دار تھا۔ اُسنے ایک مجہول النسب لڑکے کو پرورش کرکے اپنا بیٹا بنایا جسکا نام سلیمان تھا۔ نصیر خاں کی وفات کے بعد اسکا بیٹا ملک شیخ ملتان کا حاکم ہوا۔ اسکے مرنے کے بعد سلیمان کو ملک سلیمان بناکر ملتان کی حکومت سپرد کی گئی۔ اس ملک سلیمان کا بیٹا خضر خاں تھا جو دہلی کا بادشاہ ہوا۔ تاریخ مبارک شاہی کا مصنف خضر خاں اور اسکی اولاد کا سب سے بڑا مداح اور خیر خواہ ہے۔ خضر خاں کے بیٹے مبارک شاہ کے نام پر ہی اُسنے تاریخ کا نام تاریخ مبارک شاہی رکھا ہے۔ فرشتہ۔ نظام الدین احمد بخشی۔ اور ملا عبدالقادر بدایونی نے اِس خاندان کے تمام کے تمام و کمال حالات تاریخ مبارک شاہی سے لیے ہیں۔ تاریخ مبارک شاہی کے مصنف نے اپنے ممدوح کو سید ثابت کرتے ہوئے دو زبردست دلیلیں پیش کی ہیں وہ دونوں زبردست دلیلیں یہ ہیں۔

> "دلیل اول آنکہ ملک سلیمان وقتے کہ در خدمت ملک مردان دولت می بود نوبتے سید السادات مخدوم سید جلال بخاری رحمہ بمنزل ملک مردان دولت قدم رنجہ فرمود و چوں طعام آوردند ملک سلیمان کہ قبل ازیں ہرگز دعویٰ سیادت نمی کرد بطریق خدمتگاران دیگر طشت و آفتابہ جہت دست شستن آورد آں سید فرمود کہ ایں سیدزادہ ایں خدمت داشتن گستاخی است و چوں ایں سخن بر زبان اہل صلاح گذشتہ یقین کہ او سید خواہد بود۔ و دلیل دوم آنکہ اخلاق و اطوار خضر خاں مثل سخاوت و شجاعت و حلم و تواضع و صلاح و تقویٰ و صدق و رحم باخلاق و اوصاف حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شباہت تمام داشت و ایں نیز دلیل سیادت است۔

یہ دونوں دلیلیں ایسی ہیں کہ ان کے پوچ اور ہیچ ہونے کے ثبوت میں کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ ہاں پہلی دلیل سے ملک سلیمان کے مجہول النسب ہونے کا زبردست ثبوت

ضرور بہم پہنچتا ہے ملک سلیمان کے خود اپنے آپ کو سید نہیں بتایا ملک مردان دولت جسنے ملک سلیمان کو پرورش کیا تھا اُسے بھی یہ معلوم نہ تھا کہ سلیمان کس قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ سید جلال بخاری رحمہ کے اس جملہ سے کہ اس سید سے خدمتگاروں کا کام نہیں لینا چاہیے سلیمان کے سید ہونے کا یقین کرلینا نہایت مضحکہ انگیز ہے اسلیے کہ حضرت مخدوم جلال بخاری رحمہ سے سلیمان کی قوم کا حال دریافت نہیں کیا گیا تھا بلکہ اُن کو پہلے سے معلوم تھا کہ ملک مردان دولت نے سلیمان کو بیٹے کی طرح پالا ہے انھوں نے سلیمان کو طشت و آفتابہ لاتے ہوئے دیکھکر جو الفاظ فرمائے ان کا مطلب یہ تھا کہ سلیمان چونکہ ملک مردان دولت کے خاندان والوں اور بیٹوں میں شمار ہوتا ہے لہذا وہ شہزادوں اور ملک زادوں میں شامل ہونا چاہیے اس سے خدمتگاروں کا کام لینا مناسب نہیں حضرت مخدوم جلال بخاری رحمہ جو عرصہ دراز تک مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بھی قیام پذیر رہ چکے تھے ان کی زبان سے "سید" کا لفظ "فاطمی" کے معنی میں نکلنا بعید از قیاس اور محتاج دلیل ہے۔ سید بمعنی فاطمی صرف ہندوستان کا محاورہ ہے۔ دوسرے تمام اسلامی ممالک میں اور ہندوستان میں بھی ذی علم طبقہ میں ہمیشہ سید کا لفظ سردار کے معنی میں استعمال ہوتا رہا ہے اور اس زمانے کی تصانیف میں قریشی۔ مغل۔ ترک۔ پٹھان سب کے لیے جو سرداری کا مرتبہ رکھتے تھے سید کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ پس سید جلال بخاری رحمہ کی زبان مبارک کے لفظ سید کو دلیل ٹھہرا کر سلیمان کو صحیح النسب سید یعنی فاطمی یقین کرنا کسی طرح صحیح نہیں اسی سلسلے میں یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ تیمور شیعیت کی طرف بیحد مائل اور سادات کے ساتھ حد سے زیادہ رعایت کرتا تھا اسکا تذکرہ اسنے خود بھی اپنی تزک میں کیا ہے۔ تیموری خاندان کا مشہور مورخ محمد ہاشم المخاطب بہ خافی خاں اپنی تاریخ منتخب اللباب میں تیمور کی نسبت لکھتا ہے کہ۔

"حسن عقیدت و کمال اخلاص کہ صاحبقراں را نسبت بہ اہلبیت بود اشہر
و اظہر از اں است کہ بشرح و بیان محتاج باشد چنانچہ گویند کہ این بیت
اکثر ورد زبان او بود ؎

فردا کہ ہر کسے بشفیعے زنند دست   مائیم و دست و دامن آل عبا بدست"

تیمور کے مفصل حالات تاریخوں میں پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی [illegible]

اور پیر پرستی کی شہرت نے بڑے بڑے تاریخی تغیرات ایشیائی ممالک میں پیدا کیے ہیں اگرچہ تیمور سے پہلے بھی بہت سے غیر فاطمی لوگوں نے اپنے آپ کو اولاد علی اور اولاد فاطمہ ظاہر کر کے اپنے نسب کو تبدیل کیا اور بہت سے دنیوی فائدے اٹھائے لیکن تیمور کے زمانے میں ایسی بہت کثیر التعداد لوگوں کی ہوئی۔ خضر خاں کا اپنے باپ کے مذکورہ واقعہ کو دلیل ٹھہرا کر تیمور کی خدمت میں اپنے آپ کو سید ظاہر کرنا اور اس طرح تیمور کی سادات پرستی سے بھی مدد حاصل کر کے ملتان و پنجاب کی حکومت حاصل کر لینا ذرا بھی تعجب و حیرت کی بات نہیں ہماری آنکھوں کے سامنے بالکل اسی قسم کا ایک واقعہ موجود ہے کہ ایک ہندوستانی با اختیار رئیس نے جسکا مورث اعلیٰ سلیمان مذکور کے حالات سے بہت مشابہت رکھتا تھا اپنے آپ کو سید بنا لیا اور اسکے وابستگان دامن نے آمنا و صدقنا کہا۔ خضر خاں تو دہلی کا بادشاہ بن چکا تھا اسکے لیے کیا مشکل تھا کہ لوگوں سے اپنے آپ کو سید کہلاتا جس طرح ہمارے زمانے کے مشارٌ الیہ رئیس کے مؤرخ کو اپنے مخدوم کی قوم سید لکھنی پڑی اسی طرح تاریخ مبارک شاہی کے مصنف کو مجبور ہونا پڑا لیکن خضر خاں کے سید ہونے کی دونوں دلیلیں جو وضع کیگئی ہیں بہت ہی کمزور اور واضع کے ضعف تصنیف پر دال ہیں۔

خضر خاں کا عہد حکومت خضر خاں ربیع الاول ۸۱۷ھ میں دہلی کا بادشاہ بن گیا لیکن اُسنے اپنے کو بادشاہ نہیں کہلایا نہ بادشاہوں کا سا کوئی لقب اپنے لیے تجویز کیا بلکہ صرف "رایات عالی" یا "مسند عالی" کا خطاب پسند کر کے اپنے آپ کو تیمور کے بیٹے مرزا شاہرخ فرمانروائے ایران کا نائب و فرمانبردار ظاہر کرتا اور سالانہ خراج یا نذرانہ اقرار فرمانبرداری کے ثبوت میں مرزا شاہرخ کے پاس ایران بھیجتا رہا سکہ اور خطبہ میں بھی اپنا نام داخل نہیں کیا بلکہ مرزا شاہرخ کے نام کا سکہ مضروب کرایا خطبہ بھی مرزا شاہرخ کے نام کا مسجدوں میں پڑھا جاتا تھا۔ خطبہ کے آخر میں خضر خاں کے لیے دعا کر دی جاتی تھی۔ اس طرح دہلی کی سلطنت سات سال یعنی خضر خاں کی وفات تک خود بخود ہی سلطنت ایران کا صوبہ بنی رہی۔ خضر خاں کے سرداران لشکر اور ارکان سلطنت میں عموماً نودولتے اور وہ لوگ شامل تھے جو اس سے پہلے کوئی شہرت اور عزت نہیں رکھتے تھے۔ لودیوں کی جماعت بھی اچھی طاقتور اور با اثر تھی

یہ لودی بھی دو حصوں میں منقسم تھے۔ ایک حصہ اُن لودیوں کا تھا جو مردان دولت کے زمانے میں ملتان آکر نوکر ہوئے تھے ان میں ملک بہرام لودی کے بیٹے ملک سلطان شاہ المخاطب بہ اسلام خاں۔ ملک کالا۔ ملک فیروز۔ ملک محمد۔ ملک خواجہ خاص طور پر نمایاں تھے۔ دوسرا حصہ ان لودیوں کا تھا جو خضر خاں کی ترغیب سے دولت خاں کو دھوکہ دیکر خضر خاں سے جا ملے تھے ان میں دولت خاں کا بھائی اختیار خاں اور قوام خاں لودی خاص طور پر قابل تذکرہ تھے۔

خضر خاں نے ملک تحفہ کو تاج الملک کا خطاب دیکر اپنا وزیر و مدار المہام بنایا اور ملتان اسکی جاگیر میں عطا کیا۔ اختیار خاں کو برادر کشی کے صلہ میں وہ علاقہ دیا جو آج کل مظفر نگر اور میرٹھ کے ضلعوں پر مشتمل ہے۔ سید سالم نامی ایک سید کو وہ علاقہ ملا جو آج کل سہارنپور کا ضلع کہلاتا ہے۔ بدایوں میں مہابت خاں پہلے سے حاکم تھا اُسنے اطاعت قبول کی اور بدایوں کی حکومت پر قایم رہا۔ رام گنگا کے مشرق کی جانب کا علاقہ جو آجکل ریاست رامپور اور ضلع بریلی میں شامل ہے راے ہر سنگھ کے قبضے میں تھا اسنے باج و خراج کے ادا کرنے میں انکار یا لیت و لعل کیا تو تاج الملک نے جاکر اسکی گوشمالی کی اور وہ اظہار عجز اور اقرار فرمانبرداری کے بعد خراج ادا کر کے اپنے علاقہ پر بدستور قایم رہا **چندواڑہ۔ اٹاوہ۔** اور جلیسر کے راجپوت راجاؤں کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا۔ بالآخر سب مطیع و منقاد ہو گئے۔ سرہند کی حکومت پر خضر خاں نے راے سادھو کو ملک سادھو کا خطاب دیکر بھیجا وہاں بیرم خاں نامی ایک ترک بچے نے علم بغاوت بلند کر کے ملک سادھو کو قتل کر دیا۔ یہ سنکر خضر خاں نے ملک داؤد اور زیرک خاں نامی سرداروں کو بیرم خاں کی گوشمالی کے لیے دہلی سے روانہ کیا۔ بیرم خاں اور اسکے ہمراہی سرہند سے بھاگ کر نگر کوٹ کے پہاڑوں میں جا چھپے ۸۱۹ھ میں خضر خاں نے گوالیار کے راجہ کی سرکشی کا حال سنکر فوجکشی کی۔ اسنے نذرانہ پیش کیا اور فرمانبردار رہنے کا اقرار کر کے اپنی جان اور اپنی ریاست کو بچایا ۸۲۱ھ میں راے ہر سنگھ نے پھر بغاوت کی اور تاج الملک اسکی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا۔ وہ بھاگ کر کمایوں کے پہاڑوں میں جا چھپا اسی اثنا میں اٹاوہ کے راجہ راے سمیر نے علم بغاوت بلند کیا۔ تاج الملک نے اس طرف جاکر بعد جنگ اسے گرفتار کیا مگر اقرار اطاعت لیکر پھر اٹاوہ

کی حکومت پر مامور کر آیا۔ بماہ ذیقعدہ سنہ ۸۲۲ھ خضر خاں نے خود بخود فوج لیکر بدایوں کا قصد کیا۔ بدایوں کے حاکم مہابت خاں سے کوئی علامت سرکشی کی ظاہر نہیں ہوئی تھی اسکی خطا صرف یہ تھی کہ وہ دولت خاں لودی کا مامور کردہ تھا اور اسی زمانے سے بدایوں کا حاکم چلا آتا تھا۔ خضر خاں کے اس طرح آنے پر وہ بدایوں کے قلعہ میں محصور ہو بیٹھا چھ مہینے تک خضر خاں نے کوشش کی مگر مہابت خاں کو زیر نہ کر سکا اور بدایوں کا قلعہ کسی طرح فتح نہ ہوا۔ خضر خاں کو مجبوراً بدایوں سے دہلی کی جانب واپس ہونا پڑا۔ اس ناکامی سے اس کو یہ شبہ گذرا کہ دولت خاں سے جدا ہو کر جو سردار میرے پاس آئے تھے انکی وفاداری مشتبہ ہے اور انھوں نے مہابت خاں کے مقابلے میں پوری کوشش نہیں کی چنانچہ گنگا کے کنارے پہونچکر اسنے ایک ضیافت کے بہانے سے اختیار خاں لودی۔ قوام خاں لودی اور اسی قسم کے دوسرے تمام سرداروں کو تاریخ ۸۔ جمادی الاول سنہ ۸۲۲ھ ایک مجلس میں بلاکر قتل کرادیا سنہ ۸۲۴ھ میں خضر خاں نے میواتیوں کی سرکشی کا حال سنکر میوات پر چڑھائی کی۔ اسی عرصے میں تاج الملک وزیر فوت ہوا۔ اسکے بڑے بیٹے ملک الشرق سکندر کو وزارت عطا ہوئی۔ اسی عرصے میں رائے سیمر کے مرنے کی خبر پہونچی یہ سنکر خضر خاں خود اٹاوہ گیا اور رائے سیمر سنگ کے بیٹے کو باپ کی جگہ اٹاوہ کا راجہ بنا کر واپس ہوا۔ راستے میں ۱۷ جمادی الاول سنہ ۸۲۴ھ کو بیمار ہو کر فوت ہوا۔ ○

مبارک شاہ ابن خضر خاں

خضر خاں نے مرنے سے تین روز پہلے اپنے بیٹے مبارک خاں کو اپنا ولیعہد بنایا تھا باپ کے فوت ہونے پر مبارک خاں نے تخت نشین ہو کر مبارک شاہ کے لقب سے اپنے نام کا سکہ و خطبہ جاری اور مرزا شاہرخ ابن تیمور کا نام سکہ و خطبہ سے خارج کر کے تیموریوں سے قطع تعلق کیا۔ ہندو اور مسلمان امرا کو انکے عہدوں اور جاگیروں پر قایم رکھا۔ اسکی تخت نشینی کے وقت پنجاب میں جسرت گکھڑ نے فتنہ برپا کیا۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ جسرت گکھڑ سمرقند سے بھاگ کر پنجاب میں چلا آیا تھا جسرت نے دامن کوہ کے علاقے پر قبضہ و تصرف کر کے اپنی حکومت

قایم کرلی تھی اور خضر خاں اسکے استیصال کی طرف متوجہ نہیں ہوسکا تھا۔ خضر خاں کی وفات سے سال بھر پہلے سنہ ۸۲۳ھ میں جسرت گکھڑ غیر معمولی طور پر طاقتور ہوگیا تھا جسکی تفصیل یہ ہے کہ کشمیر کے پادشاہ سلطان سکندر بت شکن نے اپنے بیٹے میر خاں الملقب بہ علی شاہ کی شادی جموں کے راجہ بھیم کی بیٹی سے کی تھی سنہ ۸۱۹ھ میں سلطان سکندر کی وفات کے بعد اسکا بیٹا میر خاں الملقب بہ سلطان علی شاہ کشمیر کے تخت پر بیٹھا سنہ ۸۲۱ھ میں سلطان علی شاہ اپنے بھائی شاہی خاں کو کشمیر میں اپنا قایم مقام بناکر اور دوسرے بھائی محمد خاں کو اسکی اعانت کے لیے چھوڑ کر خود پنجاب کی فتح کے لیے روانہ ہوا اور اول اپنے خسر راجہ بھیم کی ملاقات کے لیے جموں آیا۔ راجہ بھیم نے اسکو توجہ دلائی کہ شاہی خاں جسکو تم کشمیر کی حکومت سپرد کر آئے ہو اب تم کو کشمیر میں واپس داخل نہ ہونے دیگا۔ اسکو قایم مقام بنانے میں تمنے غلطی کی ہے علی شاہ یہ سنکر پریشان اور راجہ بھیم کو معہ فوج ہمراہ لیکر کشمیر کی طرف واپس ہوا۔ شاہی خاں متوہم ہوکر اور تاب مقابلہ نہ لاکر دوسرے راستے سے جسرت گکھڑ کے پاس پنجاب چلا آیا علی شاہ اور راجہ بھیم نے ملکر جسرت اور شاہی خاں پر حملہ کیا۔ جسرت اور شاہی خاں گھات میں بیٹھ گئے۔ شاہی خاں کی فوج جو یلغار کیے ہوئے آرہی تھی پہاڑ کے دروں میں جسرت اور شاہی خاں کے اچانک حملے سے پریشان ہوگئی۔ علی شاہ گرفتار ہوا جسرت اور شاہی خاں کشمیر میں داخل ہوئے۔ شاہی خاں اپنے بھائی علی شاہ کی جگہ سلطان زین العابدین کے نام سے تخت نشین ہوا۔ جسرت گکھڑ کو سلطان زین العابدین نے بہت مال و دولت اور لشکر دیکر پنجاب کی فتح پر مامور کیا اور جسرت نے اضلاع پنجاب پر قبضہ کرکے زیرک خاں حاکم جالندھر کو قید کرلیا۔ اسکے بعد ۲۰ جمادی الآخر سنہ ۸۲۴ھ کو سرہند پر حملہ کرکے اسلام خاں لودی حاکم سرہند کو محصور کیا۔ سلطان مبارک شاہ کو جب زیرک خاں کے گرفتار اور اسلام خاں کے محصور ہونے کا حال معلوم ہوا تو وہ باوجود برسات ماہ رجب سنہ ۸۲۴ھ دہلی سے روانہ ہوکر سرہند پہونچا۔ مبارک شاہ کے قریب پہونچنے کی خبر سنکر جسرت قلعہ سرہند سے محاصرہ اٹھاکر بھاگا ادھر زیرک خاں کو بھی جسرت کی قید سے نکل کر بھاگ آنے کا موقع مل گیا۔ مبارک شاہ نے جسرت کا تعاقب کیا اور کسی جگہ اسے دم لینے کا موقع نہ دیا۔ یہاں تک کہ جسرت اپنا تمام مال و اسباب لشکر چھوڑ

کے ہاتھوں لٹوا کر نہایت خستہ و خراب حالت میں پہاڑوں کے اندر جا چھپا۔ جموں کا راجہ
بھیم سلطان مبارک شاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مورد الطاف ہوا اور اسی کی رہبری میں
پہاڑوں کے اندر دور تک جسرت کا تعاقب کیا گیا مگر وہ ہاتھ نہ آیا۔ آخر ماہ محرم ۸۲۵ھ
مبارک شاہ لاہور آیا۔ لاہور کے قلعہ کو جسرت خراب کر چکا تھا۔ سلطان نے ملک محمود حسن
کو لاہور کی حکومت سپرد کر کے قلعہ کی مرمت و درستی کا حکم دیا اور لاہور سے دہلی کی جانب
معاودت کی۔ سلطان مبارک شاہ کی واپسی پر جسرت نے اپنی حالت پھر درست کر کے
لاہور پر چڑھائی کی۔ پینتیس روز تک لاہور کا محاصرہ کیے پڑا رہا۔ جب کچھ نہ ہو سکا تو لاہور سے
لوٹ کر راجہ بھیم حاکم جموں پر بغرض انتقام حملہ آور ہوا۔ یہاں بھی کوئی کامیابی نہ ہوئی۔
جسرت کے لاہور پر حملہ آور ہونے کی خبر سن کر دہلی سے ملک سکندر تحفہ وزیر اور سرہند سے
اسلام خاں لودی ملک محمود حسن کی امداد اور جسرت کے مقابلے کو روانہ ہو چکے تھے
ملک سکندر تحفہ لاہور ہوتا ہوا جموں پہنچا۔ راجہ بھیم نے حاضر ہو کر جسرت کے تعاقب
میں شاہی لشکر کی رہبری کی مگر وہ پہاڑوں میں داخل ہو کر غائب ہو چکا تھا۔ ہاتھ نہ آیا
مبارک شاہ نے دہلی سے حکم بھیجا کہ ملک سکندر تحفہ لاہور میں رہ کر وہاں کا انتظام کرے
اور ملک محمود حسن دہلی آ جائے۔ سنہ ۸۲۶ھ میں مبارک شاہ نے وزارت عظمیٰ بجائے ملک سکندر
تحفہ کے سرور الملک کو عطا کی اور خود معہ وزیر گنگا کو عبور کر کے ولایت کٹھیر میں
وہاں کے ہندو سرکشوں کی تادیب کے لیے گیا۔ اٹاوہ کا راجہ جو راٹھور راجپوت تھا
سلطان کی خدمت میں گنگا کے گھاٹ پر سلام کے لیے حاضر ہو گیا تھا اور لشکر شاہی
کے ہمراہ تھا۔ سلطان کٹھیر سے اٹاوہ کی طرف گیا تو اٹاوہ کا راجہ بلا اطلاع سلطانی لشکر سے
جدا ہو کر اٹاوہ کے قلعہ میں پہنچا اور مقابلہ پر آمادہ ہوا۔ سلطان نے قلعہ اٹاوہ کا محاصرہ
کر کے راجہ کو عاجز کیا اور اس نے اپنا بیٹا بطور یرغمال اور بہت سا نذرانہ بھیج کر سلطان کو
رضامند کیا۔ سلطان نے اٹاوہ سے دہلی واپس آ کر سنا کہ جسرت نے جموں پر حملہ کر کے
راجہ بھیم کو قتل کر دیا اور اس کے اموال و املاک پر قابض ہو کر اور اپنے آپ کو گکھڑوں
کی قوت سے خوب طاقتور بنا کر پنجاب پر حملہ کا قصد کر رہا ہے۔ دوسری خبر یہ پہنچی کہ شیخ
علی مغل جو مرزا شاہرخ کی طرف سے امیر کابل ہے جسرت گکھڑ کی ترغیب و تحریص سے
ملتان پر حملہ آور ہونے والا ہے۔ تیسری خبر یہ پہنچی کہ ہوشنگ شاہ والی مالوہ نے گوالیار

سے قلعہ کا محاصرہ کر لیا ہے اور گوالیار کا راجہ سخت مصیبت میں گرفتار ہے مبارک شاہ نے ملک محمود حسن کو ملتان کی طرف روانہ کیا اور حکم دیا کہ ملتان کا قلعہ جسکو تیمور نے مسمار کر دیا تھا فوراً درست کر کے امیر کابل شیخ علی مغل کے مقابل پر مستعد رہو۔ خود گوالیار کی جانب روانہ ہوا گوالیار کے قریب معمولی معرکہ ہو کر دونوں بادشاہوں میں صلح ہو گئی۔ ہوشنگ شاہ مالوہ چلا گیا۔ مبارک شاہ دریائے چمبل کے کنارے چند روز قیام کرنے اور وہاں کے زمینداروں اور رئیسوں سے خراج وصول ہو جانے کے بعد ماہ رجب سنہ ۸۲۷ھ دہلی واپس آیا سنہ ۸۲۸ھ میں سلطان کٹھیر کی جانب اسلیے گیا کہ تین سال سے راجہ ہر سنگھ نے خراج نہیں بھیجا تھا۔ جب سلطانی لشکر گنگا کے کنارے پہونچا تو راجہ ہر سنگھ سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور خراج ادا نہ کرنے کے جرم میں چند روز نظر بند رہ کر سہ سالہ خراج ادا کرنے کے بعد رہا اور اپنے علاقے پر بحال ہوا۔ دہلی واپس آکر مبارک شاہ کو معلوم ہوا کہ میواتیوں نے لوٹ مار اور سرکشی پر کمر باندھ لی ہے سلطان خود میوات کی طرف گیا۔ میواتی لوگ علاقہ کو خالی چھوڑ کر پہاڑوں اور جنگلوں میں جا چھپے۔ چونکہ لشکر میں غلہ کی گرانی تھی لہذا میوات میں بادشاہ زیادہ نہیں ٹھہرا دہلی واپس چلا آیا۔ سنہ ۸۲۹ھ میں پھر میوات گیا وہاں بہادر ناہر کے پوتوں نے قلعہ الور میں لشکر جمع کر کے مقابلہ کی تیاری کی آخر مغلوب ہو کر اسیر اور چند روز کے بعد رہا ہو کر پھر اپنی جاگیر پر بحال ہوئے سنہ ۸۳۰ھ میں مبارک شاہ میوات میں ہوتا اور بیانہ و سیکری کا انتظام کرتا ہوا گوالیار پہونچا۔ وہاں کے راجہ سے پیشکش وصول کر کے دہلی واپس آیا۔ اسی سال بیانہ و میوات میں پھر بدامنی پیدا ہوئی سلطان کو وہاں جانا پڑا۔ اسی زمانے میں جونپور کے بادشاہ سلطان ابراہیم شرقی نے بدایوں پر قبضہ کرنا چاہا۔ مبارک شاہ مقابلہ کے لیے اپنے بڑے بڑے سرداروں کو ہمراہ لیکر روانہ ہوا ملک محمود حسن (جو ملتان سے واپس آگیا تھا) خان اعظم فتح خاں ابن ظفر خاں گجراتی۔ زیرک خاں اسلام خاں لودی۔ ملک چمن۔ ملک کالو شحنہ پیل۔ ملک احمد مقبل سردار الملک وزیر سید السادات سید سالم۔ وغیرہ سب اس لشکر میں موجود تھے۔ آخر جمادی الآخر سنہ ۸۳۰ھ کو دوپہر سے شام تک معرکہ کارزار گرم رہا اور فتح و شکست کا کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ اگلے روز سلطان ابراہیم شرقی جونپور کو اور سلطان مبارک شاہ گوالیار کو روانہ ہوا۔ گوالیار سے بیانہ آکر ملک محمود حسن کو بیانہ کا حاکم بنا کر خود دہلی کی طرف آیا۔ ملک قدو میواتی نبیرہ

بہادر ناہر نے چونکہ سلطان شرقی سے پیام سلام کرکے اُسکو حملہ کی ترغیب دی تھی اور اب بھی وہ اسی کوشش اور سازش میں مصروف تھا لہذا ماہ شوال ۸۳۱ھ میں گرفتار ہوکر قتل ہوا۔ اور بہادر ناہر کے دوسرے پوتوں جلال خاں۔ احمد خاں اور فخرالدین نے قلعہ الور میں پناہ لی۔ بماہ ذیقعدہ ۸۳۱ھ خبر پہونچی کہ جسرت گکھڑ نے اس فرصت میں اچھی طرح تیاری کرکے ملک سکندر تحفہ حاکم لاہور کو کلانور کے میدان میں مقابلہ کرکے شکست فاش دی ملک سکندر تحفہ شکست اُٹھاکر لاہور واپس آیا اور جسرت گکھڑ نے جالندھر کے علاقے میں لوٹ مار کرکے لوگوں کے دلوں میں اپنی ہیبت بٹھادی سلطان نے اسلام خاں لودی حاکم سرہند کو ملک سکندر تحفہ کی مدد کے لیے حکم بھیجا اسلام خاں نے پہونچکر جسرت کو پہاڑوں میں بھگادیا۔ بماہ محرم ۸۳۲ھ ملک محمود حسن بیانہ کے انتظام سے فارغ ہوکر دہلی آیا اور اسکو عمادالملک کا خطاب ملا۔ اسکے بعد سلطان مبارک شاہ میوات میں گیا۔ وہاں جلال خاں میواتی اور اسکے بھائیوں نے سلطان کی خدمت میں حاضر ہوکر معافی چاہی اور آیندہ ہمیشہ محکوم و فرمانبردار رہنے کا اقرار کرکے میوات کی حکومت پر مامور رہے۔ دہلی واپس ہوکر ملک محمود حسن عمادالملک کو سلطان نے ملتان کی حکومت پر مامور کرکے رخصت کیا ۸۳۳ھ میں گوالیار اور نواح گوالیار کے زمینداروں نے پھر فتنہ برپا کیا۔ سلطان نے بلا توقف پہونچکر اس فتنے کو فرو کیا۔ وہاں سے کوہ پایہ (ہردوار و دہرہ دون) کے سرکشوں کو ٹھیک کرکے دہلی آیا۔ اسی زمانے میں سیدالسادات سید سالم کے فوت ہونے پر اسکے بیٹوں کو اسکی جاگیر و اموال پر قابض کیا سید سالم کے پاس دولت بہت تھی لہذا سید سالم کے بیٹوں نے مغرور ہوکر خیال فاسد کو دل میں راہ دی۔ سید سالم کا ایک غلام فولاد خاں ترک بچہ سرہند پہونچا۔ سید سالم کے بیٹوں کی تجویز یہ تھی کہ بادشاہ فولاد خاں کی سرکوبی کے لیے جب سرہند کی طرف جائے گا تو ہم اپنے معاونین کی مدد سے بادشاہ بنجائینگے۔ اسلام خاں حاکم سرہند بادشاہ کی خدمت میں دہلی آیا ہوا تھا فولاد خاں بآسانی سرہند پر قابض و متصرف ہوگیا اور ہر قسم کا سامان قلعہ داری فراہم کرکے مضبوط ہو بیٹھا۔ مبارک کو اس منصوبے کا حال معلوم ہوگیا تھا اُسنے فولاد خاں کی طرف متوجہ ہونے سے پہلے سید سالم کے بیٹوں کو گرفتار کرکے تمام مال و اسباب اُن سے چھین لیا اور سرہند کی طرف فوج روانہ کی۔ مگر اس فوج کو فولاد خاں کے

مقابلہ میں کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ آخر مبارک شاہ خود فوج لیکر گیا اور چھ مہینے تک
محاصرہ کیے پڑا رہا لیکن قلعہ سرہند فتح نہ ہوا۔ آخر اسلام خاں لودی وغیرہ چند امیروں کو
سرہند کے محاصرے پر چھوڑ کر دہلی کی جانب آیا۔ فولاد خاں نے یہ چال چلی کہ سرہند سے
ایک درخواست امیر کابل شیخ علی مغل کی خدمت میں بھیجی کہ آپ ہندوستان پر حملہ آور
ہوجیئے علاوہ اسکے کہ آپ کی فتح یقینی ہے میں بہت بڑی رقم حاضر خدمت کروں گا۔
امیر شیخ علی جسکو جسرت گکھر بھی کئی مرتبہ حملہ کی ترغیب دے چکا تھا کابل سے روانہ ہوا
پنجاب میں داخل ہوتے ہی گکھڑوں کی بہت بڑی جمعیت اسکے لشکر میں شامل ہوگئی
لاہور کے حاکم ملک سکندر تحفہ نے لاہور کا تمام خزانہ نذر کرکے اپنی جان بچائی۔ شیخ
علی جب سرہند کے قریب پہونچا تو جو امرا سرہند کا محاصرہ کیے پڑے ہوئے تھے اپنے اندر
مقابلہ کی طاقت نہ دیکھکر محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہوئے اور اسلام خاں لودی ملک محمود
حسن المخاطب بہ عماد الملک کے پاس ملتان چلا گیا۔ فولاد خاں نے قلعہ سے نکلکر شیخ
علی سے ملاقات کی اور حسب وعدہ بہت سی دولت بطور نذرانہ پیش کی شیخ علی نے سرہند
کے علاقے کو خوب لوٹا اور اسکی فوج کے سپاہی مالا مال ہوگئے۔ یہاں سے امیر شیخ علی
فولاد خاں کو سرہند میں قابض و متصرف چھوڑ کر ملتان کی جانب روانہ ہوا۔ سلطان مبارک شاہ
اسکے سرہند آنے اور لوٹ مار چلانے کی خبر سنکر مقابلہ کے لیے خود سرہند نہیں گیا۔ اب ملتان
کی طرف اسکے جانے کا حال سنکر بھی اسکو خود جانے کی ہمت نہیں ہوئی بلکہ فتح خاں ابن ظفر خاں
گجراتی۔ زیرک خاں۔ ملک یوسف خاں۔ ملک کمال خاں۔ رائے ہبیرا کو عماد الملک کی
مدد کے لیے ملتان کی جانب روانہ کیا۔ امیر شیخ علی مغل لوٹ مار کرتا ہوا ملتان سے دس
کوس کے فاصلہ پر پہونچا تو عماد الملک ملک محمود حسن نے اسلام خاں لودی کو اسکے مقابلہ
کے لیے روانہ کیا۔ اسلام خاں نے سخت مقابلہ کیا آخر اسلام خاں کی فوج پارہ پارہ
ہوکر منتشر ہوگئی اور اسکو خیرآباد کے قلعہ میں پناہ لینی پڑی۔ یہ سنکر عماد الملک بھی ملتان
سے فوج لیکر نکلا اور اس بات کی کوشش کی کہ شیخ علی کی فوج خیرآباد میں اسلام خاں کو
محصور نہ کرسکے۔ اسی اثنا میں ٢٢۔ شوال سنہ ٨٢٣ھ کو مذکورہ امرا جو دہلی سے روانہ ہوئے
تھے ملتان کے قریب پہونچ گئے۔ ان امرا کے پہونچنے پر عماد الملک نے میدان میں جمکر
شیخ علی مغل کا مقابلہ کیا۔ اس لڑائی میں فتح خاں ابن ظفر خاں گجراتی مارا گیا مگر شیخ علی مغل کو

شکست فاش حاصل ہوئی اور جو کچھ اسنے پنجاب و سرہند وغیرہ سے حاصل کیا تھا سب چھنوا کر بحال تباہ کابل کو واپس ہوا۔ جو امرا دہلی سے گئے تھے دہلی کو واپس آئے فتح خاں جو مذکورہ جنگ ملتان میں مارا گیا وہی فتح خاں برادر تاتار خاں ابن ظفر خاں ہے جو گجرات کے تخت سے مایوس ہوکر خضر خاں کے پاس چلا آیا تھا۔ یہی فتح خاں ہے جسنے کپل و پٹیالی (موجودہ ضلع فرخ آباد و ایٹہ) کے راجہ راے پرتاب کو سلہ ۸۲۶ھ میں اسیر و دستگیر کرکے اسکی بیوی پر تصرف کیا تھا اور اسی فتح خاں کا بیٹا حمید خان تھا جو آئندہ سلطان محمد شاہ اور سلطان علاؤالدین کا وزیر ہوا جسکا ذکر آگے آئیگا۔ فولاد خاں بدستور سرہند پر قابض تھا اسکا ابھی تک کوئی تدارک نہیں ہوا تھا۔ مبارک شاہ عماد الملک کی اس کامیابی سے جو اسکو امیر شیخ علی کے مقابل میں حاصل ہوئی تھی متوہم ہوا اور اسنے عماد الملک کو ربیع الاول ۸۲۵ھ میں ملتان سے دہلی طلب کرلیا اور ملتان میں کوئی دوسرا امیر بھیجدیا۔ جسرت گکھڑ نے موقع پاکر پھر ہاتھ پاؤں نکالے اور جالندھر و لاہور کو فتح کرکے ملک سکندر تحفہ حاکم لاہور کو گرفتار کرلیا اور امیر شیخ علی مغل کو لکھا کہ اب ملتان پر چڑھائی کرنے کا بہت اچھا موقع ہے کہ عماد الملک وہاں سے جدا ہوگیا ہے۔ امیر کابل نے یہ سنتے ہی ملتان پر حملہ کیا اور اس علاقے کو خوب لوٹا۔ فولاد خاں پنجاب اور ملتان میں اپنے حلیفوں کو چیرہ دست دیکھکر سرہند سے نکلا اور راے فیروز پر حملہ آور ہوکر اسے قتل کردیا۔ یہ حالات سنکر مبارک شاہ دہلی سے فوج لیکر نکلا اور ملک سردار الملک کو بطور مقدمۃ الجیش آگے روانہ کیا۔ سامانہ تک پہونچا تھا کہ بادشاہ کی آمد کا حال سنکر جسرت گکھڑ پنجاب کے میدانوں کو چھوڑکر پہاڑوں میں جا چھپا اور امیر شیخ علی بھی ملتان سے کابل کو چلدیا۔ فولاد خاں بھی سرہند میں آکر اور قلعہ بند ہوکر مضبوط ہو بیٹھا۔ یہ سنکر مبارک شاہ نے سردار الملک اسلام خاں اور زیرک خاں کو سرہند کے محاصرے پر مامور کیا اور لاہور کی حکومت نصرت خاں گرگ انداز کو سپرد کرکے دہلی کی جانب آیا۔ بماہ ذالحجہ ۸۳۵ھ میں جسرت نے پھر لاہور پر حملہ کرکے نصرت خاں گرگ انداز کو لاہور سے بھگا دیا۔ سلطان نے الہ داد خاں لودی کو لاہور کی حکومت پر مامور کرکے بھیجا۔ الہ داد خاں لودی نے جسرت کو بھگا کر لاہور پر قبضہ کیا سلہ ۸۳۶ھ میں امیر شیخ علی نے فولاد خاں کو محاصرہ سے آزاد کرانے کے لیے کابل سے ہندوستان کی طرف کوچ کیا جسرت بھی معہ فوج اس سے آملا۔ لاہور میں الہ داد خان لودی

اس متحدہ لشکر کے مقابلے کی تاب نہ لا سکا شیخ علی نے لاہور پر قابض ہونے کے بعد دیپالپور کو فتح کیا۔ مبارک شاہ نے دہلی سے کوچ کر کے تلونڈی میں پہونچکر اسلام خاں لودی اور عماد الملک کو سرہند سے اپنے پاس بلایا باقی امیروں کو جو سرہند کے محاصرے میں مصروف تھے اسی طرح مصروف رہنے کا حکم دیا۔ عماد الملک اور اسلام خاں کے شاہی لشکر میں پہونچنے اور شاہی لشکر کے آگے بڑھنے کا حال سنکر شیخ علی کابل کو چل دیا اسی عرصہ میں ملک سکندر تحفہ جو جسرت گکھڑ کی قید میں تھا کسی طرح قید سے نکلکر سلطان کے پاس بھاگ آیا سلطان اسکے آنے سے خوش ہوا اور شمس الملک کا خطاب دیکر لاہور و جالندھر و دیپالپور کی حکومت پر سکو مامور کیا اور خود ملتان جاکر وہاں سے شیخ علی مغل کے گماشتوں کو خارج کر کے دہلی کو واپس ہوا۔ اس واپسی میں شمس الملک سکندر تحفہ کو تبدیل کر کے اُنکی جگہ عماد الملک کو لاہور و جالندھر و دیپالپور کی حکومت پر مامور کیا۔ اور دہلی آکر ملک سرور الملک کی وزارت میں ملک کمال الدین کو بھی شریک کر دیا۔ اس سے پہلے سرور الملک تو مسلم تنہا وزیر اعظم تھا اور اسکی ماتحتی میں سدھارن ابن گنگو کھتری محکمۂ مال و نظارت کا افسر اور نائب وزیر ہونیکی حیثیت سے اعلیٰ درجہ کے ملوک و امرا میں شمار ہوتا تھا۔ ملک کمال الدین کمال الملک نے وزارت کے عہدے پر فائز ہوتے ہی محکمۂ مال و نظارت کی بے عنوانیوں کو رفع کیا اور اس محکمہ کے ہندو اہلکاروں کی دست درازیوں کو روک کر سدھارن وغیرہ کو بے دست و پا بنا دیا۔ کمال الملک کی قابلیت نے شاہی کارخانوں میں رونق و انتظام پیدا کر کے سرور الملک کی قبولیت کو بھی نقصان پہونچایا سلطان مبارک شاہ نے سرور الملک کی نا قابلیت کا اندازہ کرنے کے بعد ہی کمال کو اس کا شریک وزارت کیا تھا۔

مبارک شاہ نے دہلی آکر ربیع الاول ۸۳۶ھ میں دریائے جمنا کے کنارے ایک شہر کی بنیاد رکھی جسکا نام مبارک آباد تجویز ہوا۔ اسی عرصہ میں خبر پہونچی کہ فولاد خاں غلام ترک بچہ جو عرصہ سے سرہند پر متصرف تھا اور کسی طرح قابو میں نہیں آتا تھا مارا گیا۔ سلطان اس خبر اور فولاد خاں کے کٹے ہوئے سر کے آنے سے بہت خوش ہوا۔ فوراً سرہند جاکر وہاں کے زمینداروں کی دلجوئی اور اسلام خاں کو سرہند کی

حکومت پر بحیثیت مامور کرکے دہلی واپس آیا اور مبارک آباد کی تعمیر کے اہتمام میں
مصروف ہوا۔ ○

تبصرہ اس طویل اور بے مزہ داستان کے سنا دینے کے بعد یہ بتا دینا ضروری ہے
کہ خضر خاں اور مبارک شاہ کی سلطنت میں کوئی خصوصی اسلامی رنگ باقی نہ رہا تھا
ہندو مسلمان۔ غلام اور رذیل میں کوئی امتیاز و فرق نہ تھا۔ کٹھیر کے ہندو اٹاوہ اور
گوالیار کی طرف کے راٹھور راجپوت۔ میوات کے میواتی۔ پنجاب کے کھکھر۔ فولاد خاں
غلام وہ لوگ تھے جنھوں نے بدامنی کے پھیلانے اور بادشاہ کو ہمیشہ پریشان و مصروف
رکھنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ بیرونی حملہ آوروں میں ابراہیم شاہ شرقی
اور امیر کابل شیخ علی مغل خاص طور پر قابل تذکرہ ہیں۔ لیکن ان دونوں حملہ آوروں کی
حملہ آوری کا سبب بھی میواتی اور کھکھر ہی تھے۔ گذشتہ صفحات میں اس بات کا ناقابل
تردید ثبوت موجود ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے ہندو مسلم تفریق کا کسی کو بھول کر
بھی خیال نہیں آیا۔ سرکشی اور بغاوت بار بار ہندوؤں کی طرف سے ہوئی اور مسلمان
بادشاہ نے بار بار مغلوب کرنے کے بعد پھر انکی جاگیروں پر انھیں قایم رکھا اور ہر حملے کے
بعد جب انھوں نے معافی چاہی فوراً معافی دیگئی۔ صرف یہی نہیں کہ سلطان دہلی ہی
مذہبی اعتبار سے بے تعصب واقع ہوا تھا۔ بلکہ اسکے مسلمان سرداروں میں سے جن پر اسکی
ساری قوت و شوکت کا انحصار تھا کسی ایک نے بھی کبھی سلطان کو اس طرف توجہ
نہیں دلائی اور شکایت نہیں کی کہ ہندو ہی بار بار بغاوت و بدامنی پھیلاتے اور ذرا سا سہارا
پاکر فوراً سرکشی پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔ ان سب کو ریاستوں اور جاگیروں سے معزول و محروم
کرکے انکی جگہ مسلمانوں کو کیوں منصوب و متعین نہیں کر دیا جاتا۔ میوات کے میواتی محض
اسی وجہ سے طاقتور ہو گئے تھے کہ انکے ساتھ بار بار رعایت و درگذر کا معاملہ کیا گیا۔ یہی
حال کھکھر اور اٹاوہ و گوالیار کے راجپوتوں کا تھا۔ پنجاب کے کھکھروں کو کشمیر کی سلطنت اسلامیہ
سے مدد ملتی رہتی تھی۔ اور وہ کشمیر ہی کے پہاڑوں میں ہر موقع پر پناہ گزیں ہوتے تھے
جموں کا راجہ سلطان دہلی کا طرفدار و حامی تھا وہ جسرت کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بہر حال
اس بات کے تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ جب تک مسلمانوں کی شہنشاہی خوب طاقتور رہی اسوقت
بھی مسلمانوں نے ہندوؤں کو ہندو ہونیکی وجہ سے اپنا دشمن اور مستحق گردن زدنی

نہیں سمجھا اور جب انکی شہنشاہی طائف الملوکی میں تبدیل ہو گئی تب بھی انھوں نے ہندوؤں کو ہندو ہونے کے سبب غیر اور قابل نفرت قرار نہیں دیا۔ جس ہندو نے اپنے آپ کو طاقتور بنانے اور اپنی قابلیت بڑھانے کی کوشش کی اسکے راستے میں اسکا ہندو ہونا ہرگز خارج و مانع اور حائل نہیں ہوا۔ کسی ہندو کا کوئی حق اس لیے ہرگز نہیں چھینا گیا کہ وہ ہندو ہے۔ جن اسباب کی بنا پر کسی مسلمان نے کسی ہندو کی مخالفت کی انھیں اسباب کی بنا پر اسنے ایک مسلمان کی بھی مخالفت کی۔ ہندوستان میں کوئی قوم آج کل کی اصطلاح کے موافق "کالی قوم" نہیں سمجھی جاتی تھی۔ مسلمانوں کی یہی وطن پسندی وسیر چشمی اور مسلمانوں کے اخلاق کی یہی خوبی تھی جسنے ہندوؤں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا۔ بہادر ناہر میواتی کا اصل ہندووانی نام سمبر پال یا سانبر پال تھا جو غالباً میوات کے حاکم کوکا چوہان کے متوسلین میں سے تھا۔ جس زمانے میں شہر حصار فیروزہ کی تعمیر کا کام شروع ہوا ایک روز سلطان فیروز شاہ تغلق جنگل میں شیر کے شکار کو گیا جو لوگ اس شکار میں سلطان کے ہمراہ تھے ان میں سانبر پال بھی شامل تھا سلطان نے شیر کو تیر کا نشانہ بنایا اتفاقاً زخم کاری نہ لگا۔ شیر سلطان کی طرف جھپٹا اسی حالت میں سانبر پال نے شیر کے تیر مارا اور وہ سلطان تک پہنچنے سے پہلے زمین پر گر پڑا۔ سلطان نے اس چابکدستی اور قادر اندازی سے خوش ہو کر سانبر پال کو بہادر ناہر کا خطاب دیکر میوات میں ایک جاگیر عطا کی جو موجودہ ضلع گوڑگانوہ کی تحصیل نوح میں تھی۔ بہادر ناہر نے اس جاگیر میں پہاڑ کی چوٹی پر ایک قلعہ بنایا جو کوٹلہ بہادر ناہر کے نام سے مشہور ہوا۔ اس قلعہ کے نشانات ابتک موضع کوٹلہ میں موجود ہیں۔ بہادر ناہر نے یہ جاگیر اور خطاب پانے کے کچھ دنوں بعد خود ہی اسلام قبول کیا اور فیروز تغلق کی وفات کے بعد سلطنت دہلی کے ضعف سے فائدہ اٹھا کر میوات کے اکثر حصہ پر قابض و متصرف ہو گیا۔ بہادر ناہر اور اسکی اولاد مسلمان ہو گئی تھی لیکن اسکی قوم بدستور ہندو تھی اور بہادر ناہر کی مدد و معاون تھی۔ بہادر ناہر کی قوم یعنی میواتی لوگ ایسے زمانے میں جبکہ وہ خوب طاقتور اور ملک میں طائف الملوکی برپا ہونے کے سبب سلطان دہلی کی طرف سے بے خوف تھے شیخ موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی پند و تلقین سے خضر خان اور مبارک شاہ کے عہد حکومت میں مسلمان ہو گئے۔ انکو مسلمان ہونے کے بعد کسی دنیوی فائدے کی توقع نہ تھی بلکہ مسلمان ہونے کے بعد انپر بار بار سلطان دہلی کی طرف سے چڑھائیاں ہوئیں

شیخ موسیٰ رحمہ کا مزار مقام پلہ تحصیل نوح ضلع گوڑگانوہ میں موجود ہے۔ خضر خاں اور مبارکشاہ کے عہد حکومت کی ایک خصوصیت یہ بھی قابل توجہ ہے کہ ہندوؤں کو بجائے رائے یا راجہ کے ملک کے خطاب سے بھی مخاطب کیا جانے لگا تھا۔ ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اطراف ملک میں جس طرح مسلمانوں کی مانند ہندو صاحب خدم و حشم اور برسر حکومت تھے اسی طرح خاص دارالسلطنت اور دربار سلطنت میں بھی ہندوؤں کا اقتدار حد سے زیادہ ترقی کر گیا تھا۔ شہر دہلی میں سدھارن کھتری نائب وزیر کے علاوہ کنجا کھتری کا خاندان سب سے زیادہ معزز اور صاحب اقتدار سمجھا جاتا تھا) کنجا کھتری ملتان سے خضر خاں کے ہمراہ آیا تھا اسکا پوتا سدھپال خاندان شاہی کا نذری پروردہ و متوسل ہونے کی حیثیت سے مسلمان ملوک و امراء پر فوقیت رکھتا اور جلوت و خلوت میں ہر جگہ بلا روک ٹوک بادشاہ کے پاس پہونچ سکتا تھا۔ اسی طرح ملک کرم چند بھی دہلی میں رہتا اور اول درجہ کے ملوک و امرا میں شمار ہوتا تھا۔

سلطان مبارک شاہ کی شہادت

فولاد خاں کے مارے جانے کے بعد مبارک شاہ کی پریشانیوں کا یکسر خاتمہ ہو چکا تھا۔ عماد الملک محمود حسن کو لاہور و جالندھر وغیرہ کی حکومت پر مامور کر کے جسرت گکھڑ کی طرف سے بھی اطمینان حاصل ہو گیا تھا مبارک شاہ نے سرہند سے دہلی واپس آکر سنا کہ سلطان ہوشنگ شاہ مالوی اور سلطان ابراہیم شاہ شرقی کالپی میں ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہیں یہ سنکر جونپور کی طرف حملہ آوری کے قصد سے فوجوں کی فراہمی کا حکم دیکر زیر تعمیر شہر مبارک آباد کے میدان میں چند روز کے لیے خیمۂ شاہی نصب کرایا کہ یہاں تمام فوجیں آکر جمع ہو جائیں ابھی اطراف ملک سے فوجیں نہ آچکی تھیں کہ سلطان مبارک شاہ کا پیمانہ عمر لبریز ہو گیا جسکی تفصیل یہ ہے کہ سدھپال کھتری۔ سدھارن کھتری اور رانوں سنگھ وغیرہ ہندوؤں نے سرور الملک تو مسلم کو جو اپنی سرو بازاری و بے توقیری سے کبیدہ خاطر تھا شریک مشورہ کرکے بادشاہ کے قتل کی تیاری کی۔ ۹ ماہ رجب ۸۳۷ھ بروز جمعہ جبکہ مبارک شاہ نماز جمعہ کے لیے جانے لگا تو سدھارن و سدھپال وغیرہ سردار جو پہلے سے مستعد ہو کر موقع کی تاک میں تھے ہندوؤں کی ایک جمعیت لیکر بادشاہ پر ٹوٹ پڑے سب سے پہلے سدھپال کھتری نے جو اس خاندان کا قدیمی نمک پروردہ تھا بادشاہ کے سر پر تلوار ماری

اسکے بعد دوسرے ہندؤں نے پیہم تلوار کے وار کیے اور مبارک شاہ کو شہید کر دیا
خلجی خاندان کا پادشاہ قطب الدین مبارک شاہ بھی ایک ہندو کے ہاتھ سے قتل ہوا
تھا عجیب اتفاق ہے کہ دہلی کے تخت پر دو مبارک شاہ بیٹھے اور دونوں ہندؤں کے
ہاتھ سے قتل ہوئے۔

محمد شاہ بن فرید خاں بن خضر خاں

مبارک شاہ کو قتل کر کے ہندؤں کی یہ جماعت سرور الملک نو مسلم وزیر کے پاس
خوشخبری لے کر پہونچی۔ سرور الملک نے پہلے ہی سے مبارک شاہ کے بھتیجے محمد خاں
ابن فرید خاں ابن خضر خاں کو جسے مبارک شاہ نے اپنا بیٹا اور ولیعہد بنایا تھا اپنے قبضہ
میں لے رکھا تھا۔ پادشاہ دہلی سے باہر زیر تعمیر شہر مبارک آباد میں شہید ہوا۔ وہیں کمال الملک
بھی تھا۔ سرور الملک دہلی میں ہر قسم کا سامان کیے ہوئے تھا اسنے بلا تامل محمد خاں کو
بادشاہ کے لقب سے تخت نشین کر کے خود خان جہاں کا خطاب اور وزارت عظمیٰ کا
عہدہ پایا۔ سدھارن اور سدھپال وغیرہ ہندؤں اور دوسرے افسروں مثلاً
سید سالم کے بیٹوں نے بھی بیعت کر کے خطابات اور جاگیریں حاصل کیں۔ کمال الملک
نے بھی مصلحت سمجھ کر نئے بادشاہ کی بیعت کی۔ سدھپال۔ سدھارن اور اسکے
رشتہ داروں کو بیانہ۔ امروہہ۔ نارنول۔ سامانہ۔ اور میان دوآب کے
اور بہت سے پرگنات جاگیر میں عطا ہوئے۔ جن سرداروں نے سلطان مبارک شاہ
کے قاتلوں سے قصاص لینے کا مطالبہ کیا وہ سب گرفتار ہو ہو کر قتل یا بعض قید
کیے گئے۔ پرگنات میں جا بجا ہندو فوجیں پھیل گئیں اور جس طرح خسرو خاں کے عہد
زمانے میں سلطنت ہندؤں کا قبضہ و تسلط ہو گیا تھا۔ اسی طرح محمد شاہ کی تخت نشینی کے بعد
سرور الملک کی وزارت میں سلطنت دہلی کا رنگ ڈھنگ تبدیل ہو گیا۔ ان حالات
سے واقف ہو کر ملک الہداد لودی حاکم سنبھل نیز برن اور بدایوں کے حاکموں نے علم
بغاوت بلند کیا۔ سرور الملک نے کمال الملک کو جو اسکا مخالف تھا
دہلی سے باہر بھیجنے کی یہ ترکیب نکالی کہ اپنے بیٹے یوسف خان اور سدھارن کھتری اور کمال الملک کو ان باغیوں
کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ کمال الملک نے اس مہم پر بھیجے جانے کو بہت ہی غنیمت سمجھا۔ یہ لشکر جب برن سے

قریب پہونچا تو کمال الملک نے ارادہ کیا کہ سدھارن کھتری اور یوسف خاں بن سرور الملک دونوں کو قتل کر کے اپنے ولی نعمت مبارک شاہ کے خون کا انتقام لے۔ ان دونوں کو قبل از وقت اس ارادے کا حال معلوم ہو گیا اور وہ اپنی جان بچا کر دہلی کی جانب بھاگ آئے۔ الہ داد خاں لودی اور بدایوں و برن کے عاملوں کو جب کمال الملک کے ارادے کا حال معلوم ہوا تو وہ بلا تکلف اپنی اپنی فوج لیکر کمال الملک کے پاس چلے آئے اور یہ متحدہ لشکر دہلی کی طرف متوجہ ہوا۔ سرور الملک۔ سدھارن۔ سدھپال وغیرہ محصور ہو کر مدافعت پر آمادہ ہوئے۔ رمضان ۸۳۷ھ میں مذکورہ امرا نے دہلی کا محاصرہ کیا۔ کئی مہینے تک محاصرہ اور اندرونی و بیرونی فوجوں کا مقابلہ جاری رہا۔ سلطان محمد شاہ کھتریوں اور سرور الملک کے ہاتھ میں شاہ شطرنج کی طرح مجبور تھا مگر دل سے کمال الملک وغیرہ امرا کی کامیابی کا خواہاں تھا۔ سرور الملک جو خود پادشاہ بننا چاہتا تھا پادشاہ کی نیت بدلی ہوئی دیکھکر اسکو قتل کرنے کے ارادے سے چند آدمیوں کے ساتھ سراپردۂ شاہی میں داخل ہوا۔ ادھر محمد شاہ پہلے ہی اسکے اس فاسد ارادے سے خبردار ہو کر اپنی حفاظت کے لیے خدام خاص کی ایک جمعیت کو کمینگاہ میں بٹھا چکا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۸ محرم ۸۳۸ھ کو سرور الملک سراپردۂ شاہی میں معہ ہمراہیوں کے قتل ہوا اور محمد شاہ نے فوراً اپنے آدمیوں کے ذریعہ شہر پناہ کا ایک خاص دروازہ کھلوا کر کمال الملک کی فوج کو شہر کے اندر داخل ہونے کا موقع دیا۔ سدھپال اور سدھارن نے اپنی اپنی حویلیوں کو بطور قلعہ استعمال کر کے مقابلہ جاری رکھا آخر سدھپال تو لڑائی میں مارا گیا اور سدھارن گرفتار ہو کر مقتول ہوا۔ اسکے بعد محمد شاہ نے دوبارہ مراسم تخت نشینی ادا کیے۔ کمال الملک کو کمال خاں کا خطاب دیکر وزیر اعظم بنایا۔ دوسرے امرا کو بھی خلعت و خطابات ملے۔ لیکن الہ داد خاں لودی نے خود کسی خطاب کے لینے سے انکار کر کے اپنے بھائی کو دریا خاں کا خطاب دلوایا۔ وفادار امرا میں ملک جیمن کو غازی الملک اور ملک کھیون راج عامل حصار کو اقبال خاں کا خطاب ملا (دیکھو اب بھی ہندوں سے انکے ہندو ہونے کے سبب مسلمانوں کو کوئی نفرت نہیں ہے ہندوؤں کو اسلامی خطاب مل رہے ہیں اور وہ فخریہ قبول کر رہے ہیں اسکے بعد اسلام خاں لودی بھی سرہند سے دہلی آکر مورد الطاف شاہانہ ہوا۔ اسلام خاں

کو شہر دہلی کا کوتوال بنا یا گیا۔ عماد الملک کو ملتان کی حکومت پر بھیجکر اسلام لودی کو
سرہند کی حکومت کے ساتھ دیپالپور و لاہور کی حکومت بھی عطا کی گئی اسکے چند روز
بعد اسلام خاں لودی کا ۸۴۰ھ میں انتقال ہوا۔ اسلام خاں مرتے وقت اپنے بھتیجے
بہلول خاں کو جو اس کا داماد بھی تھا اپنا قایم مقام تجویز کر گیا۔

بہلول خاں لودی کا عروج

ملک بہلول ابن ملک کالا ابن بہرام خاں
لودی اسلام خاں کی فوج کے اکثر پٹھان سرداروں کی تائید و حمایت سے چچا کا قایم
مقام اور سرہند کا حاکم بنگیا۔ اسلام خاں کا بیٹا قطب خاں اور دوسرے رشتہ دار
مجبور و مایوس ہو کر سلطان محمد شاہ کے پاس دہلی آئے اور اس بات کی شکایت کی کہ
بہلول خاں بادشاہ کی منظوری کے بغیر اسلام خاں کے مال و دولت اور سرہند کی
حکومت پر قابض ہو گیا ہے۔ حالانکہ یہ حق ہمارا ہے۔ اسوقت کمال الملک کمال
خاں وزیر اعظم بھی فوت ہو چکا تھا اور اسکی جگہ بادشاہ نے حسام خاں کوتوال کو وزیر اعظم
بنا لیا تھا۔ اسلام خاں لودی کے بیٹوں اور رشتہ داروں کی شکایت سنکر بادشاہ نے
اپنے وزیر حسام خاں کو معہ قطب خاں فوج عظیم دیکر بہلول خاں کی سرکوبی کے لیے
روانہ کیا۔ اس لشکر عظیم کے مقابلہ کی تاب نہ لاکر بہلول خاں سرہند سے دامن کوہ
کی طرف فرار ہوا اور شاہی لشکر جنگلوں۔ میدانوں اور پہاڑوں میں اسکے تعاقب
سرگرداں پھرتا رہا۔ محمد شاہ سے ایک یہ حماقت ہوئی کہ اسنے جسرت گکھڑ کے پاس جو
پرانا باغی اور خاندان شاہی کا قدیمی دشمن تھا پیغام بھیجا کہ تم پہاڑوں کی طرف سے
بہلول کا تعاقب کر کے جس طرح ممکن ہو اسے گرفتار کرادو۔ جسرت اس پیغام سے بہت
خوش ہوا اور گکھڑوں کی جمعیت لیکر شاہی لشکر کی امداد کو آپہونچا کئی جگہ سخت سخت
لڑائیاں ہوئیں۔ آخر بہلول خاں مجبور ہو کر معدودے چند آدمیوں کے ساتھ پہاڑوں
کے ناقابل گذر دروں میں جا چھپا باقی تمام ہمراہی مارے گئے۔ بظاہر بہلول خاں
کی طاقت کا خاتمہ کر کے حسام خاں اور قطب خاں دہلی واپس آئے اور اس کارگذاری
کے صلہ میں جسرت کی حکومت کو پنجاب کے ایک بڑے حصے میں دربار دہلی نے باقاعدہ
طور پر تسلیم کر لیا۔ سرہند کی حکومت ملک سکندر تحفہ کو جو پہلے جسرت کی قید میں رہ چکا تھا
عطا ہوئی۔ قطب خاں ابن اسلام خاں یہ دیکھکر بہت بددل ہوا کہ اپنے خاندان کے

بہت سے آدمی بھی مارے گئے اور سرہند کی حکومت بھی ایک غیر شخص کو مل گئی ہیں تو
کچھ بھی نہ ملا حسام خاں وزیر کو لودیوں بالخصوص اسلام خاں کے خاندان سے کوئی
ہمدردی نہ تھی اور وہی سلطنت کے سیاہ وسپید کا مالک تھا۔ قطب خاں اور اسکے
ہمراہی اس نامرادی اور مایوسی کے عالم میں دہلی کے اندر پڑے تھے کہ اُنکے پاس
یہ خبر پہونچی کہ بہلول خاں نے پہاڑوں سے نکلکر اپنے گرد پٹھانوں کی ایک معقول
جمعیت فراہم کرلی ہے اور جابجا چھاپے مارتا اور لوٹ مار کرتا ہوا پھر رہا ہے۔ بہلول
لودی نے اپنی اس ڈاکہ زنی میں شروع سے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جو کچھ ہاتھ لگتا سب
بحصّہ مساوی ہمراہیوں کو تقسیم کر دیتا خود اپنی ضرورت سے زیادہ کچھ نہ لیتا۔ اس کا
نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد یہ مختصر گروہ ایک فوج عظیم کی شکل میں تبدیل ہوگیا اور ہر طرف
سے مفلوک الحال لوگ آآکر شریک ہونے لگے قطب خاں وغیرہ دہلی میں یہ خبریں
سنکر دہلی سے چلدیئے اور بہلول خاں کے پاس پہونچ کر اپنی خطاؤں کی معافی چاہی
اور اس کو بخوشی اپنا سردار تسلیم کرکے جانفشانی پر آمادگی ظاہر کی غرض کچھ زیادہ دن
نہیں گذرے کہ بہلول خاں شاہی اہلکاروں کو بھگا کر سرہند پر قابض ومتصرف ہوگیا
اسکے بعد دیپالپور اور لاہور کا علاقہ بھی اپنی حکومت میں شامل کرلیا۔ بہلول لودی کی
اس ترقی پذیر اور روز افزوں طاقت کو دیکھکر دربار دہلی میں کھلبلی مچ گئی یہاں سے
حسام خاں وزیرالممالک ایک زبردست لشکر فراہم کرکے بہلول خاں کے استیصال
کو روانہ ہوا اُدھر سے بہلول خاں بھی مقابلہ پر آیا۔ پانی پت کے قریب سخت لڑائی ہوئی
حسام خاں شکست فاش کھاکر فرار ہوا اور دہلی آکر دم لیا۔ بہلول خاں نے پانی پت
تک کا تمام علاقہ معہ پانی پت اپنی حکومت میں شامل کرکے سلطان محمد شاہ کو لکھا کہ میں
آپ کی فرمانبرداری واطاعت سے باہر نہیں ہوں مجھ کو صرف حسام خاں سے شکایت
ہے اگر آپ حسام خاں کو قتل کرکے حمید خاں ابن فتح خاں نائب وزیر کو وزیر اعظم
بناویں تو میں دست بوسی کے لیے دہلی حاضر ہوسکتا ہوں۔ محمد شاہ نے بلا توقف حسام
خاں کو قتل کرا کر حمید خاں نائب وزیر کو وزیر اعظم اور ایک دوسرے شخص کو حسام خاں
کا خطاب دیکر نائب وزیر بنایا۔ بادشاہ کی اس حرکت سے لوگوں کو بادشاہ کی بزدلی
اور پست ہمتی کا یقین ہوا۔ بہلول خاں پانی پت سے دہلی آکر بادشاہ کی خدمت میں

حاضر ہوا۔ بادشاہ نے پانی پت۔ لاہور۔ سرہند۔ دیپالپور کی سند حکومت بہلول خاں کو عطا کی۔ سند حکومت لیکر اور سرہند واپس ہو کر بہلول خاں خود مختارانہ حکومت کرنے لگا یہ رنگ دیکھ کر کٹھر و بہران و بدایوں و اٹاوہ و گوالیار وغیرہ کے حاکموں نے باج و خراج کی ادائگی میں تامل کیا اور سب اپنی اپنی خود مختاری و مطلق العنانی کی کوشش و تیاری میں مصروف ہو گئے۔ سلطنت دہلی کے اس ضعف و اختلال کی شہرت سنکر ۸۴۴ھ میں مالوہ کے بادشاہ سلطان محمود خلجی نے دہلی پر قبضہ کرنے کے ارادے سے فوجکشی کی اور دہلی کے قریب پہونچکر خیمہ زن ہوا۔ سلطان محمد شاہ نے پریشان ہو کر بہلول لودی کے پاس ایلچی بھیجے اور بڑے اصرار و اضطرار کے ساتھ اُسے مدد کے لیے بُلایا۔ بہلول لودی بلا توقف بیس ہزار سوار لیکر دہلی پہونچا۔ بہلول لودی کے دہلی پہونچنے پر سلطان اور باشندگان دہلی کی جان میں جان آئی۔ بہلول لودی فوج لیکر محمود خلجی کے مقابلہ پر گیا اور صبح سے شام تک ایسے ایسے رستمانہ حملے کیے کہ محمود خلجی کا حوصلہ پست ہو گیا۔ شام ہونے پر لڑائی ملتوی رہی۔ رات ہی میں محمود خلجی مالوے کی جانب واپس ہونے کا قصد کر چکا تھا کہ محمد شاہ نے یہ حماقت کی کہ بہلول لودی اور دوسرے امرا سے مشورہ لیے بغیر اپنے ایلچی محمود خلجی کے پاس بھیجکر صلح کی درخواست کی اُسنے اس درخواست کو تائید غیبی سمجھ کر فوراً منظور کر لیا اور اسی وقت اپنے لشکر کو واپسی کا حکم دیا۔ صبح کو جب بہلول لودی نے سلطان محمد شاہ کے پیغام صلح کا حال سُنا تو بہت پیچ و تاب کھایا اور اپنی فوج لیکر محمود خلجی کے تعاقب میں روانہ ہوا لشکر مالوہ کی ایک بڑی تعداد کو قتل و اسیر کر کے اور بہت سامال و اسباب چھین کر واپس ہوا۔ سلطان محمد شاہ بہلول لودی سے بہت خوش ہوا کہ اسنے اس طرح تعاقب کر کے لشکر دہلی کی لاج رکھ لی چنانچہ سلطان محمد شاہ نے بہلول لودی کو اپنا بیٹا بنایا اور خان خاناں کا خطاب عطا کیا۔ سلطان محمد شاہ کی اس نامعقول حرکت سے کہ اسنے سلطان محمود مالوی کے پاس درخواست صلح بھیجی۔ امرا کے دل سے اسکی ہیبت قطعاً جاتی رہی۔ بہلول لودی نے دہلی کی اس مہم سے فارغ ہو کر "فرزند سلطان اور خان خاناں بنکر" لاہور کی طرف کوچ کیا۔ لاہور آکر وہ جسرت کی بیخ کنی پر آمادہ ہوا۔ جسرت پرانا گرگ باراں دیدہ اور تجربہ کار شخص تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ بہلول خاں سے دوسروں کی طرح پیچھا چھڑانا اور عہدہ برآ ہونا آسان نہیں ہے

اسنے فوراً منت سماجت اور خوشامد درآمد کا طریقہ اختیار کر کے صلح و صفائی اور دوستی کے لیے ہاتھ بڑھا کر بہلول خاں کو یہ بھی سبق پڑھایا کہ دہلی کی سلطنت لودیوں کی پرانی میراث ہے آپ دہلی کی سلطنت حاصل کرنے کی کوشش کریں اور مجھکو اس کوشش میں اپنا مددو معاون تصور فرماتے رہیں بہرحال حسرت نے بہلول خاں سے دب کر صلح کرلی۔ بہلول خاں اُسکی طرف سے مطمئن ہو کر کئی سال تک اپنے مقبوضہ ملک کے استحکام و انتظام اور لشکر کی ترتیب و تربیت میں مصروف اور اپنے مقبوضہ علاقہ کو ہر طرف جہاں موقع ملا وسعت دیتا رہا۔ اس عرصہ میں اسکی قدر دانی کی شہرت سنکر بہت سے پٹھان اور مغل اور ہندوستان کی دوسری سپاہی پیشہ قوموں کے لوگ آآ کر اسکی فوج میں بھرتی ہوتے رہے۔ اور چار پانچ سال کے عرصہ میں بہلول خاں نے اپنی وسیع ریاست کو باآئین سلطنت کی شکل میں تبدیل کرلیا ۸۴۹ھ میں بیانہ کے زمینداروں نے سلطنت دہلی سے برگشتہ ہو کر اپنے آپ کو مالوہ کے پادشاہ محمود خلجی کی حکومت میں شامل کرلیا۔ اسی سال سلطان محمد شاہ کا دہلی میں انتقال ہوا اور اسکی جگہ امرائے دہلی نے اُسکے بیٹے علاء الدین کو تخت سلطنت پر بٹھایا۔

سلطان علاء الدین

سلطان علاء الدین کی تخت نشینی پر تمام امرا نے دہلی حاضر ہو کر بعیت اطاعت کی فرشتہ کی روایت کے موافق بہلول خاں لودی بعیت کے لیے دہلی نہیں آیا۔ لیکن ملا عبدالقادر بدایونی کی روایت کے موافق بہلول لودی نے بھی دہلی آکر سلطان علاء الدین سے بعیت کی اور بہلول لودی کی کوشش سے دوسرے امرا نے بھی علاء الدین کو سلطان تسلیم کیا۔ علاء الدین نے تخت نشین ہونے کے بعد ۸۵۰ھ میں فوج لیکر بیانہ کی طرف کوچ کیا تاکہ وہاں جا کر سرکشوں کو سزا دے اور اس علاقے کو پھر سلطنت دہلی میں شامل کرے لیکن راستے ہی میں تھا کہ کسی نے یہ جھوٹی خبر اڑادی کہ جونپور کا بادشاہ دہلی پر حملہ آور ہونے کے لیے آرہا ہے اس خبر کو سنکر علاء الدین وہیں سے دہلی کو واپس ہوا۔ امرا نے کہا کہ یہ افواہ ابھی تحقیق طلب ہے جب تک تصدیق نہ ہو جائے فسخ عزیمت کرنا مناسب

نہیں ہے لیکن سلطان علاءالدین نے کسی کی بات نہ مانی اور دہلی آکر دم لیا۔ سنہ ۸۵۱ھ میں سلطان بدایوں گیا اور وہاں چند روز قیام کرنے کے بعد دہلی آیا تو امراسے کہا کہ مجھ کو تو بدایوں کی آب و ہوا بہت پسند ہے دہلی میں رہنے کو میرا جی نہیں چاہتا جب امرا نے ایسی باتوں کے زبان پر لانے کو نامناسب بتایا تو سلطان اُن سے ناخوش ہوا۔ آخر سنہ ۸۵۲ھ میں حسام خان نائب وزیر کو دہلی میں اپنا قائم مقام اور نائب السلطنت بنا کر اپنی بیوی اور اسکے دونوں بھائیوں کو بھی دہلی ہی میں چھوڑ کر حمید خاں وزیر کو ہمراہ لیکر سلطان نے بدایوں کی طرف کوچ کیا۔ بدایوں پہونچکر وہیں طرح اقامت ڈالی۔

کمپل و پٹیالی کا حاکم رائے پرتاب حمید خاں کے باپ فتح خاں ابن ظفر خاں ابن وجیہہ الملک (سہارن) کا ستایا ہوا تھا جسکا ذکر اوپر آچکا ہے۔ رائے پرتاب نے سلطان علاءالدین کی حماقت سے فائدہ اُٹھانے اور حمید خاں ابن فتح خاں سے انتقام لینے کا مناسب موقع پایا اور سلطان کی خدمت میں بدایوں حاضر ہوکر اور دو اور مسلمان سرداروں کو بھی جو حمید خاں سے ناخوش تھے اپنا مؤید بنا کر عرض کیا کہ آپ کے وزیر حمید خاں سے عام طور پر سب ناخوش ہیں اور ہمکو بھی اُسی سے اپنی جان کا خطرہ ہے اگر آپ حمید خاں کو قتل کردیں تو ہم اس بات کا ذمہ لیتے ہیں کہ چالیس پرگنے تمام امرا و جاگیرداروں سے بحصہ رسدی لیکر سلطانی مقبوضات میں شامل کردینگے۔ سلطان کی حماقت دیکھیے کہ اُسنے رائے پرتاب کے حسب منشا حکم دیدیا کہ حمید خاں کو گرفتار کرکے قتل کردیا جائے چنانچہ حمید خاں جو بیفکر و مطمئن بدایوں میں موجود تھا گرفتار ہوکر محمد جمال نامی کوتوال بدایوں کی قید اور نگرانی میں سپرد ہوا۔ ابھی وہ قتل ہونے نہ پایا تھا کہ اُسکے دوستوں اور ہواخواہوں نے کوشش کرکے جس طرح ممکن ہوا اسکو قید سے نکال لیا۔ حمید خاں قید سے نکلتے ہی اپنے ہواخواہوں کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ دہلی کی جانب چلدیا۔ محمد جمال کوتوال کو حمید خاں کے فرار ہونے کا حال معلوم ہوا تو وہ اسکے تعاقب میں دہلی تک گیا اور دہلی میں حمید خاں کے مکان تک پہونچکر تیر سے مارا گیا۔ حمید خاں نے دہلی پہونچکر سلطان علاءالدین کے بیوی بچوں کو محل شاہی سے ہاتھ پکڑ پکڑ کر بے سروسامانی کے عالم میں باہر نکال دیا اور تمام شاہی کارخانوں اور خزانوں کو قبضے میں لاکر خود مختارانہ حکومت کرنے لگا

سلطان علاء الدین کو اپنے اہل و عیال کی بے حرمتی اور دہلی کے قبضہ سے نکل جانے کا
حال معلوم ہوا لیکن وہ حمید خاں کی سرکوبی کے لیے بدایوں سے نہ نکلا اور امروز فردا کرتے
ہوئے سال بھر سے زیادہ عرصہ گذار دیا ان تمام حالات سے واقف ہو کر بہلول خاں
لودی نے سرہند سے سلطان علاء الدین کے پاس بدایوں پیغام بھیجا کہ میں حمید خاں سے
گستاخی کا انتقام لینے اور اسکو دہلی سے خارج کرنے کے لیے دہلی کا قصد کر رہا ہوں۔
سلطان علاء الدین یہ سنکر بہت خوش ہوا اور بہلول خاں لودی نے فوج لیکر دہلی کی
جانب کوچ کیا۔ حمید خاں اپنی کمزوری اور بہلول لودی کی طاقت و شوکت سے
واقف تھا اُسنے بہلول خاں لودی کو لکھا کہ آپ شوق سے دہلی تشریف لائیے اور تخت
سلطنت پر جلوس فرمائیے۔ میں آپ کی خدمات وزارت انجام دوں گا۔ بہلول لودی
نے حمید خاں کے اس پیغام کو غنیمت سمجھا۔ اور بجائے حملہ آور حریف کے دوستانہ اور
مہمانانہ دہلی میں داخل ہوا۔ حمید خاں پر بہلول لودی نے ایک احسان بھی کیا تھا جسکا
اوپر ذکر آچکا ہے کہ اسی کی فرمایش سے سلطان محمد شاہ نے حمید خاں کو وزیر اعظم بنایا تھا۔
حمید خاں نے بہلول خاں لودی سے کہا کہ آپ تخت سلطنت پر جلوس فرمائیے کیونکہ
سلطان علاء الدین تو بادشاہی کی کوئی قابلیت ہی نہیں رکھتا تھا نہ اسکے خاندان میں
کوئی دوسرا شخص اس قابل موجود ہے۔ بہلول خاں نے کہا کہ میں سپاہی آدمی ہوں
بادشاہت آپ ہی کو مبارک ہو مجھے تو صرف سپہ سالاری کافی ہے۔ حمید خاں
اپنی کمزوری سے واقف اور بہلول خاں لودی کی طاقت سے خائف تھا لہٰذا
تخت نشینی کے مراسم ادا کرنے میں متامل رہا۔ بہلول خاں لودی نے چند روز تک
اس معاملے کو التوا میں ڈالے رکھا اور ایک روز موقع پاکر بغیر کسی کشت و خون کے
حمید خاں کو گرفتار کر کے معزز قیدیوں کی طرح نظر بند کیا اور اسکو اطمینان دلایا کہ
تمھاری جان کو کوئی زیان نہ پہونچایا جائے گا۔ اسکے بعد سلطان علاء الدین کے نام کا
سکہ و خطبہ بدستور جاری کر کے اپنے بیٹے نظام خاں کو سلطان علاء الدین کے مقرر کردہ
نائب السلطنت حسام خاں کی مدد کے لیے دہلی میں چھوڑ کر خود ۸۵۵ھ میں سرہند کی
طرف واپس گیا اور سلطان کے پاس بدایوں میں عریضہ بھیجا کہ میں آپ کا فرمانبردار و وفادار
ہوں میں نے حمید خاں کو قید کر کے دہلی میں بدستور سابق آپ کی حکومت قائم کر دی ہے

اس خط کے جواب میں سلطان علاء الدین نے بہلول خاں لودی کے پاس ایک تحریر
بھیجی کہ سلطان محمد شاہ مرحوم نے تمکو اپنا بیٹا بنایا تھا لہذا میں تمکو اپنا بڑا بھائی سمجھتا ہوں
میرے پاس اب چونکہ سلطنت کا سامان نہیں ہے لہذا میں صرف بدایوں کی حکومت
پر قناعت کرتا اور دہلی کی سلطنت آپ کے لیے چھوڑتا ہوں آپ شوق سے دہلی آکر
تخت سلطنت پر جلوس کیجیے اور مجھکو بدایوں پر قابض رہنے دیجیے۔ بہلول خاں کے
پاس سرہند میں سلطان علاء الدین کی یہ تحریر پہونچی تو اُسنے ۸۵۵ھ میں سرہند کے اندر
اپنے نام کا سکہ و خطبہ جاری کیا۔ دہلی آکر تخت سلطنت پر جلوس کرنے اور رسم
تخت نشینی ادا کرنے سے پہلے ملتان و پنجاب و دیپالپور کی طرف سے ہر قسم کے
خدشات کو مٹانا اور افغانستان سے پٹھانوں کو ہندوستان بلاکر سلطنت اسلامیہ کے
استحکام کا سامان کرنا ضروری سمجھا۔ بہلول لودی اس بات سے واقف تھا کہ ہندوستان
میں طائف الملوکی نے سلطنت اسلامیہ کے نظام و استحکام کو بے حد دشوار بنادیا اور
مرکز سلطنت کے رعب و وقار نے غائب ہوکر ہر ایک سردار اور ہر ایک امیر میں
اولوالعزمی پیدا کرکے بادشاہت حاصل کرنے کا شوق پیدا کردیا ہے ایسی حالت
میں جب تک زبردست قومی و قبائلی قوت فراہم کرکے حریفوں کو مایوس نہ کردیا
جائے گا سلطنت کا نظام اور اسکا قیام و استحکام دشوار ہے چنانچہ اسنے اپنے اکثر
سرداروں۔ بیٹوں اور اہل وعیال کو دہلی بھیجکر ملک افغانستان میں ایلچی بھیجے اور اپنے
خوایش سے درخواست کی کہ پٹھانوں کی جمعیتوں کو لیکر بلا توقف ہندوستان چلے آؤ۔
مجھکو دہلی کا تخت مل گیا ہے۔ ہندوستان ایک وسیع ملک ہے اسکے صوبوں کو فتح
کرکے ہندوستان میں ایک مضبوط اسلامی سلطنت قائم کرنے کا بہترین موقع ہے۔
بادشاہت میرے نام پر رہے گی۔ اور میرے شاہانہ حقوق سب کو تسلیم کرنے پڑینگے
ملک تمام بھائیوں کو تقسیم کردیا جائے گا۔ ہر ایک بھائی کو حکومت میں کافی حصہ ملے گا
خوایش افغانستان اس پیغام کو سنکر ہندوستان میں آنے شروع ہوئے۔ کوہ سلیمان
کے سلسلوں میں پٹھانوں کی جو قومیں سکونت پذیر تھیں اُن کا ایک سیلاب امنڈ آیا
لودی قوم تو تمام و کمال ہندوستان چلی آئی۔ چنانچہ اس قوم کا کوئی شخص اب افغانستان
میں موجود نہیں ہے۔ نیازی۔ لوحانی۔ سنبھل۔ شروانی وغیرہ قبائل بھی قریباً سب

ہندوستان چلے آئے۔ بہلول خان لودی نے حفظ ماتقدم کے طور پر جو تدبیر سوچی تھی وہ بڑی مفید ثابت ہوئی۔ اگر وہ یہ انتظام نہ کرتا تو لودیوں کی سلطنت کا ہندوستان میں قایم ہونا اور اس ملک کے باشندوں کا امن و امان کی زندگی بسر کرنا بیحد دشوار اور قریبًا محال تھا۔ تخت سلطنت سے سلطان علاءالدین کی دست برداری اور بہلول لودی کے بادشاہ ہونے کا حال جب مشہور ہوا تو پرانے خاندان شاہی کے متوسلین اور بعض دوسرے سرداروں نے جونپور کے بادشاہ کو دہلی پر حملہ آور ہونیکی ترغیب دی چنانچہ سلطان شرقی کا حملہ ہوا اور بہلول لودی کے اہل وعیال اور وہاں کے سرداروں کو محصور ہوکر مقابلہ کرنا پڑا آخر بہلول لودی مذکورہ نوواردپٹھانوں کی جمعیت لیکر آیا۔ سلطان شرقی کو بھگایا۔ دہلی کو بچایا۔ اسکے بعد دہلی کے تخت پر جلوس فرما ہوکر سلطنت شروع کی اور سلطان علاءالدین کے لیے ایک معقول علاقہ دامن کوہ سے گنگا کے کنارے اور ایک سمت خیرآباد تک محدود ومتعین کردیا جسپر وہ مرتے دم یعنی ۸۸۳ھ تک باطمینان متصرف وحکمراں رہا۔

فیروز تغلق کے بعد سے سلطان علاءالدین تک کے حالات زیادہ تر تاریخ مبارک شاہی۔ تاریخ فرشتہ۔ منتخب التواریخ اور طبقات اکبری سے ماخوذ ہیں۔